اعتبار کا آئینہ

از علیہا زاہد

علیہا زاہد کے قلم سے

اعتبار کا آئینہ

(ہر شخص کے اعتبار توڑ جانے کی داستاں)

ناول میں موجود تمام واقعات اور مقامات فرضی ہیں۔ کوئی بھی کردار کسی شخص سے مطابقت نہیں رکھتا خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ ۔

انتساب

میری پہلی کتاب میرے والد زاہد شوکت، میری جنت آسیہ زاہد اور میری بیسٹ فرینڈ گل مینا کے نام

آپ تینوں کے ساتھ کے بنا شاید میں کبھی اس لکھے کو مکمل نہ کر پاتی۔

کچھ اعتبار کا آئینہ کے بارے میں

اعتبار کا آئینہ میرا زندگی میں لکھا پہلا ناول ہے۔اِسے میں نے زندگی میں لکھنا تب شروع کیا تھا جب میرے پاس سوچوں کا انبار تھا ۔میں نے اِسے لکھنا شروع کیا تھا اپنے ذہن کے بوجھ کو ہلکا کرنے کی خاطر۔میں اُس وقت بہت سی لڑکیوں کی باتیں سن رہی تھی جن کے پاس مجھ سے کہنے کو، شئیر کرنے کو ہمیشہ کچھ نہ کچھ ہوتا تھا۔موضوع تقریباً ہمیشہ ایک ہی ہوتا تھا۔مرد۔پسندیدہ مرد۔ اُسکی بے رُخی،اُس کا نظر انداز کرنا۔یہ ہماری پوری جینئر یشن کا مسئلہ ہے۔

اعتبار کا آئینہ لکھنے کا مقصد صرف اتنا تھا کہ مسئلے سب کی زندگی میں آتے ہیں،اہم بات یہ ہے کہ آپ اُس کا حل کیا نکالتے ہیں'' ۔میں نے بہت سادہ سے لفظوں کا استعمال کرتے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ ہم جن پہ اعتبار کر رہے ہوتے ہیں ضروری نہیں وہ اعتبار کے لائق بھی ہوں۔

آپ سوچیں گے پتا نہیں کیا کہانی ہے، کتنے کردار ہیں۔سفر طویل ہے یاں مختصر۔ہیرو کون ہے،ہیروئین کون ہے اور ولن کون ہے؟آپ کی زندگی کے ہیرو آپ خود ہوتے ہیں اور کڑوا سچ یہ ہے کہ ولن بھی آپ خود ہی ہوتے ہیں۔لوگ آپ کو اتنا ہرٹ نہیں کرتے جتنا آپ خود کو ہرٹ کرتے ہیں۔رہی بات مرکزی اور ثانوی کرداروں کی تو آپ کو پڑھ کر اندازہ ہو گا کہ ہر کردار ایک جنگ لڑ رہا ہے بس فرق اتنا ہے کہ کوئی اپنی جنگ کے اختتام میں ہیرو کا کردار پلے کر لیتا ہے تو کوئی اپنی کہانی میں ولن بن جانے کو بہتر راستہ خیال کرتا ہے۔

اور سب سے اہم بات اگر آپ فیری ٹیلز میں خوش رہتے ہیں اور حقیقت آپ کو ہانٹ کرتی ہے تو پھر میرا آپ کو مشورہ یہ ہے کہ آپ یہ ناول مت پڑھیں، یہ آپ کے لیے نہیں ہے کیونکہ ہر انسانی دل شاید اتنا مضبوط نہیں ہوتا کہ وہ سچائی کو سہہ سکے،اُس کا سامنا کر سکے۔

آخر میں میں شکریہ ادا کرنا چاہوں گی فاطمہ کا جس نے اِس سفر میں میرا ساتھ دیا ۔

علیہا زاہد

مکمل ناول

باب نمبر: 1

آئینے پر کبھی بھروسہ نہ کرنا
کیونکہ آئینہ ہمیشہ جھوٹ بولتا ہے
یہ آپ کو یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے
کہ آپ ہر شے کے قابل ہیں
مگر سوال یہ ہے کہ
کیا آپ ہر شے کے لائق ہیں؟؟

آئینہ صرف آپ کو دکھاتا ہے
کہ آپ کی جلد کی گہرائی کیا ہے

آپ مگر نہیں دیکھ سکتے کہ
آپ کی پلکیں کیسے پھڑ پھڑاتی ہیں

یہ آپ کو نہیں دکھاتا کہ
دنیا آپ کو کس نگاہ سے دیکھتی ہے
وہ لمحات جب صرف آپ ہیں اور
دوسرے کسی انسان کی گنجائش نہیں

اعتبار کا آئینہ
از علیہا زاہد

تو آپ کی آنکھیں کیسے روشن ہوتی ہیں؟

جب آپ اپنے وجود سے پیار کرتے ہیں

جب آپ مسکرا رہے ہوتے ہیں

تو کیا آئینہ ساتھ دیتا ہے؟

یاں وہ بدل لیتا ہے زاویہ اپنا؟

آئینہ دکھاتا ہے

ہر وہ جگہ جہاں کوئی اور نہیں دیکھ سکتا

اور آپ کا عکس آپ کو جتا نہیں سکتا

ہر وہ چیز جس کا آپ

کسی دوسرے سے مطلب رکھتے ہیں

آئینہ صرف آپ کی جلد کو ظاہر کرتا ہے

اور اگر آپ کو یہ غلط فہمی ہے کہ

یہ آپ کی قدر کا تعین کرتا ہے

یہ وقت ہے کہ آپ اپنے اندر جھانکیں

****

کلاس روم میں بیٹھی لڑکی بظاہر بورڈ پہ نظریں جمائے خاموش سی بیٹھی تھی۔ سرمئی آنکھوں سے صاف پتا چلتا تھا کہ دھیان پروفیسر کی بات وات پر تو بالکل نہیں تھا۔ سوچوں میں وہ یونہی گم تھی کہ اچانک اُٹھا ہوا مار کر اُس کی طرف آیا اور وہ بوکھلا کر دوسری جانب ہوئی۔

''آپ کا دھیان کدھر ہے؟''

مم۔۔۔میرا؟اپنی حواس باختہ حالت پہ قابو پاتے اُس نے جواب دیا

نہیں! میرا۔بے حد زچ ہو جانے والے انداز میں

میں تو بس لیکچر سن رہی تھی میم۔کتنے دھڑلے سے جھوٹ بولا تھا اُس نے۔کوئی اندھا بھی بتا سکتا تھا کہ وہ متوجہ نہیں تھی۔

اچھا؟تو آجائیں ذرا بورڈ پر،سب کو ایکسپلین کر کے اس علم کی دولت سے نوازیں جو آپکو حاصل ہوئی ہے۔

پروفیسر نے بے حد سپاٹ انداز میں بورڈ پہ آنے کی دعوت دی تھی

اُف کیا منحوس دن ہے۔اشمل نے کوفت سے سوچا تھا۔

میم! مجھے بورڈ کے سامنے کھڑے ہونے میں مسئلہ کوئی نہیں مگر میں آپکی جگہ نہیں لے سکتی اور آپ کو تو پتہ ہے سب کہتے ہیں کہ جو بچے ٹیچر کی جگہ آنے کی کوشش کرتے ہیں وہ فیل ہو جاتے ہیں،اور میں فیل نہیں ہونا چاہتی پوری کلاس قہقہہ لگا کر ہنسی تھی۔

اللہ آج کل کے نون سیرئیس بچے

پروفیسر ماریہ نے ایک تاسف بھری نظر اس پر ڈالی تھی۔

****

گھر آکر اسکا پہلا کام دادی اماں کے پاس جانا ہوتا تھا،ایک وہی تو تھیں جن کو اس کے ہونے سے فرق پڑتا تھا،ورنہ اس بڑے سے گھر میں کسی کو فرصت ہی کہاں تھی کہ کوئی مڑ کے حال بھی پوچھ لے۔

سب کی اپنی دنیا تھی اور اشمل کسی کی دنیا کا حصہ نہیں تھی۔ یہ وہ باتیں تھیں جو اس نے خود کو خود ہی بہت سالوں سے سمجھا رکھی تھیں۔

کمرے میں آتے ہی اس نے سوال کیا کیسی ہیں آپ؟ اور مسز شاہ بے حد محبت سے اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

سر پر چادر اوڑھے، ہاتھ میں تسبیح پھیرتی عورت اشمل زبیر کو دیکھ باغ باغ ہو گئیں تھی۔

مانو! آج آنے میں دیر نہیں کر دی؟

مسز شاہ! وہ کیا ہے نہ کہ مجھے بہت سے ضروری کام بھی کرنے ہوتے ہیں، آپکی طرح میں بیڈ پہ آرام نہیں کر رہی ہوتی ہر وقت۔

اس نے مصنوعی ناراضی سے کہا۔

ہاں مجھے پتہ ہے کون سے کام ہوتے ہیں، سارا دن وہ فضول سے ڈرامے دیکھتی ہو، جس میں ہیرو لڑکی کے پیچھے پاگل ہو رہا ہوتا ہے، اتنا جنونی ہوتا ہے کہ زبردستی کر کے لڑکی کو حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہوتا ہے۔

اُن کا اختلاف واضع تھا۔

ہاں تو ایسا ہی ہونا چاہیے ناں یار، جو دل کو اچھا لگے، پسند آئے، اسے حاصل کر لو، سمپل۔

"اشمل، ایک وقت آئے گا جب تمہیں سمجھ آئے گی کہ حاصل کر لینا ہی سب کچھ نہیں ہوتا"

افرا بیگم کو پتا تھا یہ باتیں وہ اتنی جلدی نہیں سمجھ پائے گی۔

اچھا چھوڑیں اسے، مجھے بتائیں، میں نے کچھ بُکس لینی ہیں، آپ میرے ساتھ چل رہی ہیں؟ چِپس کھاتے ہوئے وہ بات اس کے سر پر سے گزر گئی تھی جو اس کی دادی نے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"حیدر سے کہو وہ لے چلے تمہیں۔"

حیدر سے؟ اسکے نخرے دیکھے ہیں آپ نے؟ ابھی اسکی شادی میں تین دن ہیں اور وہ ایسے بی ہیو کر رہا ہے جیسے وہ دنیا کا پہلا شخص ہے جس کی شادی ہو رہی ہے

ہاں تو وہ خوش ہے نا اور کتنی دفعہ کہا ہے کہ اسے عزت سے بلایا کرو، تم سے آٹھ سال بڑا ہے۔

او پلیز دادو، نوٹ اگین- اپنا بیگ اور چپس کا پیکٹ اٹھاتے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میں ذرا فریش ہو جاؤں پھر کل رات والی قسط دیکھتے ہیں" کہتی وہ باہر نکل گئی۔ اُس کو جاتا دیکھ افراء بیگم نرمی سے مسکرا رہی تھیں اس سوچ کے ساتھ کہ اگر یہ لڑکی ان سے باتیں نہ

کرتی تو وہ شاید تنہائی کے باعث بہت پہلے دنیا سے چلی جاتیں۔ تنہائی انسان کو آہستہ آہستہ نگل لیتی ہے۔اور اس محل میں تو ویسے بھی ان دونوں کو بس ایک دوسرے کا سہارا تھا۔

اشمل کے لیے اس گھر میں رہنے کی جگہ تو تھی مگر کسی کے دل میں اس کے لیے جگہ نہیں تھی۔اسے دور اندر خود بھی اندازہ تھا کہ وہ سب کی زندگی میں اضافی ہے۔

نو سال کی عمر میں اپنی ماں کو کھو دینے کے بعد اشمل کے والد زبیر ریاض شاہ نے ایک سال کے وقفے سے دوسری شادی بھی کر لی تھی، فریال سے ان کو دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ فرحان، موسیٰ اور رمشہ۔ فرحان اور رمشہ اس سے ہمیشہ اکھڑے اکھڑے رہتے تھے۔ مگر موسیٰ کیونکہ سب سے چھوٹا تھا تو اسکا ایک کنیکشن تھا اشمل سے۔ کتنی عجیب بات ہے چھوٹوں کو بڑوں کے آپسی بغض اپنے رشتے نبھانے سے نہیں روکتے۔

****

اشمل کو غصہ نہیں تھا کہ اسکے باپ نے شادی کر لی تھی۔ یہ اُن کا حق تھا مگر اپنے حق کے پیچھے وہ فرائض بھول گئے تھے اس بات کا اشمل کو دکھ ضرور تھا۔ سب سے بڑھ کر اسے نفرت تھی اس بیماری سے جس نے اس سے اسکی ماں چھین لی۔

Leukaemia

کی وہ بیماری اسکی ماں کو کیسے نگل گئی تھی، اسکا بچپن کھا گئی تھی۔ یہ سوچ اسکے دل کو تکلیف دیتی تھی۔ وہ ہر رات سونے سے پہلے اپنے کمرے میں موجود سائیڈ ٹیبل پر پڑی اس تصویر کو دیکھا کرتی تھی، جس میں اس کی ماں پُر جوش انداز میں کسی سے بات کرتے ہنس رہی تھی۔ ایسی مسکراہٹ بھلا اور کسی کی ہو سکتی تھی؟ وہ اس تصویر سے روز باتیں کرتے کرتے سو جایا کرتی تھی۔ زبیر صاحب نے اپنی شادی کے بعد اس کی مکمل ذمہ داری اپنی والدہ یعنی افراء بیگم پہ ڈال دی تھی۔ تاکہ انھیں اپنی آئندہ شادی شدہ زندگی میں کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ کتنی فکر تھی انھیں، مگر صرف اپنی۔

****

بالکونی میں ائیر فونز لگائے وہ نجانے خود کو کس منظر کا حصہ بنائے بیٹھا تھا، جب اچانک کسی نے پیچھے سے اس کے ائیر فونز کو نوچ لیا۔ غصے بھرا چہرہ لیے جب وہ مڑا تو اسکا غصہ ایک لمحے میں ہوا ہو گیا تھا کیونکہ سامنے وہ کھڑی تھی، اس پر بھلا وہ غصے کی نگاہ کیسے ڈال سکتا تھا، وہ تو اسکے دل کا موسم بدل رکھ دینے کی طاقت رکھتی تھی، اس نے دل ہی دل میں اس بات کا اعتراف کیا تھا۔

"تیمور تمہیں پتہ بھی ہے، پورا گھر چھان مارا ہے اور ادھر تم پتہ نہیں کن سوچوں میں ڈوبے ہوئے ہو، کر کیا رہے تھے تم؟"

میں؟ کچھ بھی تو نہیں۔ ''وہ خوش دلی سے مسکرایا۔'' مجھے ہمیشہ سے پتا تھا تم فارغ آدمی ہو۔ وہ اسکے ہیڈ فونز اپنے کانوں میں جمائے اب ان سے آنے والی آواز کو سن رہی تھی، اگلے منٹ اسکو اپنے کانوں سے اتارتے ہوئے بولی، تم اَرجت سنگھ کو سن رہے تھے؟

سیریسلی؟

ہاں تو؟

'He's a good singer'

"ہاں مگر تم سستے دیوداس مت بنا کرو، زہر لگتے ہو۔"

جی ٹھیک ہے۔ بے حد تابع داری سے جواب دیا۔ اس عورت کے آگے وہ کچھ کہہ سکتا تھا؟ اسکی بات تو پتھر پر لکیر تھی۔

کھانا کھانے آجاؤ، تائی امی بلا رہی ہیں۔" کہتے وہ مڑ گئی اور وہ اسے جاتا دیکھ مسکرانے لگا۔"

مِنسا اور تیمور بچپن سے ایک دوسرے سے اٹیچڈ تھے اور یہ اٹیچمنٹ تیمور کے لیے صرف اٹیچمنٹ نہیں تھی۔ وہ مِنسا سے محبت کرتا تھا، دور کہیں شاید اس بات کا مِنسا کو بھی اندازہ تھا۔ مِنسا کے نزدیک تیمور دنیا کا وہ واحد انسان تھا جس پر وہ ہمیشہ اعتبار کر سکتی تھی۔ اس کا سب سے بہترین دوست۔

نیچے ٹیبل پر کھانا کھاتے ہوئے مِنسا اپنے تایا ولید فرقان سے دنیا جہان کی باتیں کرتے مسکرا رہی تھی، تیمور نے اپنے باپ کو اتنی فرصت سے کبھی کسی گھر کے فرد کی باتیں سنتے نہیں دیکھا تھا۔ اسے مِنسا پر رشک آیا تھا۔ ''کاش پاپا کبھی ایسے انٹرسٹڈ ہو کر میری باتیں بھی سنتے۔ ایک افسردہ سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے سوچا۔ مگر وہ مِنسا تھی اُسکی باتیں کون نہ سنتا؟؟

****

حیدر کی شادی کی تیاری پر جوش انداز میں چل رہی تھی۔نورین اپنے اکلوتے بیٹے کی شادی پر اپنا ہر وہ ارمان پورا کرنا چاہتی تھی جس کی ایک ماں خواہش کرتی ہے کہ وہ اپنی اولاد کی خوشی کو اِس طریقے سے سیلیبریٹ کرے گی اور ویسے بھی دو ہی تو بچے تھے ان کے۔انہوں نے حبا اور حیدر کی ہر خوشی خواہ وہ کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو ہمیشہ منائی تھی ہر خواہش ہمیشہ پوری کی تھی، ہمیشہ ان کی چھوٹی سے چھوٹی بات کا خیال رکھا تھا۔اولاد کی محبت ہونا فطری چیز ہے مگر اولاد کی محبت میں اندھا ہونا اور بات ہے۔نورین بھی ان اندھوں میں شامل تھی۔

نورین کے کمرے میں داخل ہوتے ہی بیڈ پر پڑی حبا نے فوراً ہڑبڑا کر ائیر فونز نکالے اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ماما، کیا ہے، بتا کر تو آیا کریں۔کیوں؟ایسا کیا کر رہی تھیں تم؟جو ماں کو دروازہ کھٹکھٹا کر آنا چاہیے تھا؟انہوں نے ابرو اُٹھائے سوال کیا

نہ۔۔۔نہیں میں نے تو ایسے ہی کہا" وہ حبا پر ایک نظر ڈالتی باہر چلی گئیں نورین کی محبت اپنی جگہ، ان کا اپنی اولاد پر رعب ایک جگہ اور یہ رعب بھی کسی عام نوعیت کا نہیں تھا، ان کا خوف ایسا تھا جو حیدر اور حبا سے دن کو رات کہلوا دیتا تھا، نورین ہر محفل میں اپنی اولاد کے سلیقہ پسند، دینی اور دنیاوی معاملات میں سب سے آگے ہونے پر اتراتی تھیں، دونوں بچوں کا حافظ قرآن ہونا، پانچ وقت کا نمازی ہونا، روز قرآن پڑھنا۔ویسے بیٹے کی ایم بی اے کی ڈگری ہونا بھی انکی صحت خراب کرنے کے لیے کافی تھی پر آج کے زمانے میں دین سے ایسا تعلق باعث فخر ہی ہوتا ہے، اس بات میں کوئی دو رائیں نہیں تھیں کہ انکی اولاد ہر لحاظ سے بہترین تھی۔

"حبا تم بہری ہو گئی ہو؟آواز نہیں آ رہی؟میں نے کہا فوراً باہر آؤ۔"

"آ رہی ہوں امی، کیا کام تھا؟"

کام؟تمہارے بھائی کی مہندی ہے کل، ستر سو کام پڑے ہیں اور تمھاری کاہلی نہیں جا رہی، تمہیں اب بھی فرصت نہیں بستر توڑنے سے۔حبا کا موڈ جیسے پھر سے فریش ہو گیا تھا۔۔دیسی ماؤں کی

Love language

ہی اولاد کو ذلیل کرنا ہوتی ہے۔

"اماں، مجھے یہ سب پتہ ہے اور آپکو بھی پتہ ہے کہ ہماری تیاری پوری ہے۔"

"ہاں مگر کچھ تیاریاں ابھی بھی رہتی ہیں، چلو شاباش، باہر گاڑی میں انتظار کر رہی ہوں۔"

اوکے۔میں آ رہی ہوں، دو منٹ بس۔وہ کہتی شیشے کے سامنے اپنی حالت درست کرنے لگی۔

****

حیدر ان لوگوں میں سے تھا جو دوسروں کو کچھ نہیں اور خود کو بہت کچھ سمجھتے ہیں، سامنے والے کو محض وہ کراہت بھری نظریں ہی اسکی جگہ دکھا دینے کو کافی ہوتی تھیں۔ حیدر کی ماہین سے پہلی مُلاقات اپنے کالج کے دوست ارسلان کی برتھ ڈے پارٹی پر ہوئی تھی، جس لمحے اُس نے ماہین کو پہلی مرتبہ دیکھا تھا اُس وقت سے لے کر پارٹی کے اختتام تک وہ لڑکی اسکی سوچ کا حصہ رہی تھی۔

گھر آکر وہ نیند پوری کرنے، تھکن دور کرنے کی نیت سے کپڑے تبدیل کر کے سونے کے لئے لیٹا، تو یونہی کمرے کی چھت پر نظر رکھے اُسے وہ جامنی فراک والی لڑکی یاد آئی تھی۔ کیوں یاد آئی تھی یہ تو خود حیدر کو بھی نہیں پتہ تھا مگر وہ پھر بھی اس لمحے کو یاد کرتا مُسکرا رہا تھا جب وہ ہر دوسرے لمحے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے اپنی کسی دوست سے ہنس کر باتیں کر رہی تھی۔ اُن دونوں کی آپس میں کوئی بات نہیں ہوئی تھی مگر کسی سے مُلاقات آپ کے اور اس کے سفر کا آغاز لکھتی ہے یا اختتام اور حیدر شاہ نے اس بات کا اکیلے ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ یہ مُلاقات آغاز ہی ہے کیونکہ حیدر حسیب کی نظر اس لڑکی پر ٹھہر گئی تھی۔

****

موجودہ دن

مہندی کی تقریب میں ایک دلکش اور خوشیوں بھرا ماحول تھا، لان کو خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ رنگین لائٹس، پھولوں کی مالائیں، اور روایتی لائٹس جگہ جگہ نظر آرہی تھیں۔

مہندی کی تقریب کا آغاز حیدر اور ماہین کی دلکش مسکراہٹ سے ہوا۔ ماہین نے پیلے اور سنتری رنگ کا خوبصورت جوڑا پہنا ہوا تھا جس پر قیمتی زیورات نے چار چاند لگا دیے تھے۔

ماہین اور حیدر کا فرینڈز سرکل ایک ہی تھا۔

تقریب کے دوران، ماہین اور حیدر کے دوست بھی اپنی محبت اور خوشی کا اظہار کرتے نظر آرہے تھے۔ سامنے اسٹیج پہ بیٹھے ماہین اور حیدر میچنگ آؤٹ فٹس پہنے آپس میں باتیں کرتے نظر آرہے تھے۔

اُن کی محبت رشتے کا روپ اختیار کر رہی تھی۔ایک نیا سفر شروع ہونے جا رہا تھا۔جبکہ قریب بیٹھی نورین مسکراتے ہوئے دنیا کو اس بات کا ثبوت دینے کی کوشش کر رہی تھی کہ وہ مستقبل کی ایک بہترین ساس ثابت ہونے والی ہے۔چند منٹ بعد رنگین روشنیوں کے نیچے،سب لوگ روایتی رقص کرتے دکھائی دیئے، تقریب کا وہ حصہ جو ہمارے نزدیک شادی کی خوشیوں کو دوگنا کر دیتا ہے۔

مگر ہم اس بات کو نظرانداز کر دیتے ہیں کہ تقریب کا یہ حصہ بہت سی رحمتوں سے ہمیں محروم کر جاتا ہے۔

اسٹیج کے سامنے رکھے صوفے پر افرا بیگم کے ہمراہ اشمل بیٹھی تھی۔ایک خوبصورت لڑکی جو سبز رنگ کے لباس میں ملبوس، جس کے کانوں میں جھمکے چمک رہے تھے،جو ہلکی روشنی میں جھلملاتے ہوئے ایک دلکش تاثر قائم کر رہے تھے۔اس کے ہاتھوں میں سجائے گئے گجرے اس کے حسن کو مزید بڑھا رہے تھے ہر بار جب وہ حرکت کرتی ہے،تو ان کی خوشبو اور رنگ محفل کو مزید جادوئی بنا دیتے۔اس کا چہرہ دلکش مسکراہٹ سے جگمگا رہا تھا اور مجموعی طور پر وہ ایک خوابناک تصویر کی مانند نظر آ رہی تھی۔اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ اپنے خاندان کی سب سے خوبصورت لڑکی تھی۔

اشمل کی گرے آنکھیں جن میں گہرا سیاہ کاجل لگا تھا اس وقت نا جانے کیوں سبز لگ رہی تھیں،ہاتھ میں موبائل پکڑے وہ ماہین اور حیدر کی تصویر کھینچ رہی تھی جب دادی کی نظر اسکے دائیں ہاتھ پر رک گئی۔

مانو یہ ہاتھ پر کیا ہوا ہے؟''اشمل کی نظریں ایک لمحے کے لئے دادی سے ملیں مگر وہ اگلے ہی پل نظریں چُرا گئی۔''

قسم سے جاسوسی کرنے کی آپ کو کوئی نوکری دیتا تو اب تک آپ بِل گیٹس کو ٹکر دے رہی ہوتیں۔مجھے حباء بلا رہی ہے ایک منٹ آتی ہوں کہتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

اب وہ مسز شاہ کو کیا بتاتی کے نورین ہاؤس ہیلپ کی قطار ہونے کے باوجود اس سے آملیٹ کی فرمائش کر رہی تھی اور اپنی مرضی کے مطابق ذائقہ نہ ملنے پر انھوں نے اسی چمٹے کو گرم کر کے اسکے ہاتھ پر لگایا تھا جسے اشمل نے آملیٹ بنانے میں استعمال کیا تھا۔

مہندی کی تقریب بہت دھوم دھام سے ہو گئی تھی۔دادی کو دوائی دے کر رات وہ اپنے کمرے میں آئی تو وہ مسکراہٹ جو پچھلے کئی گھنٹے سے اُسکے لبوں سے چپکی ہوئی تھی اچانک سے جُدا ہو گئی۔اُس دوست کی طرح جو ایک لمحے آپ کے ساتھ ہوتا ہے مگر پھر

اچانک سے بنا بتائے جدا ہو جاتا ہے۔چند منٹوں بعد وہ کپڑے تبدیل کر کے سونے کے لئے بستر پر آ گئی،اُس فریم کو ہاتھ میں پکڑے وہ حسبِ معمول اپنی روداد سنانے لگی۔

امی آپ کو پتہ ہے صبح تائی امی نے مجھے کہا ناشتہ بنا دو، میں نے بنایا پر انھیں پسند نہیں آیا۔۔وہ معصومیت سے کہہ رہی تھی

وہ میرا ہاتھ پکڑے کچن میں لے گئیں مجھے، پھر اس چمٹے کو جس سے میں آملیٹ پلٹ رہی تھی چولہے پر رکھ دیا جب وہ گرم ہو گیا تو کہتیں اس چمٹے کو ہاتھ لگاؤ
آنکھوں کے گوشے اب بھیگنے لگے تھے۔

میں نے ہاتھ نہیں لگایا وہ اتنا ناراض ہوئیں امی۔۔ مگر آپ بتائیں میں کیسے ہاتھ لگاتی؟ اتنا گرم تھا، میرا ہاتھ جل جاتا یار۔

وہ اور پھر۔۔۔ کیا بے چارگی تھی اس کی آواز میں، کیا تکلیف تھی اُس اکیس سالہ معصومہ کے دل میں۔اپنی سسکیاں دبائے وہ خود ہی ایک مرتبہ پھر سے تھکے تھکے انداز میں بتانے لگی
پھر جب میں نے ٹچ کرنے سے منع کیا تو انھوں نے زبردستی میری کلائی کے گرد چمٹے کو لگایا۔میں اتنا چیخی، میں نے کہا امی۔۔۔امی میرا ہاتھ! پر پھر مجھے یاد آ گیا کہ اشمل امی تو اس دنیا میں ہی نہیں ہیں۔آپ یقین کریں پھر میں چپ کر گئی تھی فوراً۔وہ جیسے انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔
''آپ ناراض تو نہیں ہو گئیں میری بات سے؟''

اُس وقت بس۔۔۔ پتہ نہیں سمجھ نہیں آیا مجھے کچھ۔۔۔پر پھر آئی پر امس میں نے خود کو سمجھا دیا تھا کہ اشمل امی نہیں ہیں پھر بھی وہ یہیں ہیں اس لئے آپ ناراض نہ ہو جایئے گا پلیز۔

جن کے باہر دنیا میں دوست نہیں ہوتے وہ گھر میں دوست بنا لیتے ہیں اور جن کے گھر والے دوست نہیں بنتے وہ باہر دوستیاں بڑھا لیتے ہیں

گھر تو اشمل کو ملا ہی نہیں تھا اور باہر کی دنیا ویسے ہی اس کے دل پر پیر رکھ دیا کرتی تھی تو پھر اس نے اس فریم میں مسکراتی عورت کو دوست بنا لیا تھا۔ مائیں بہترین دوست ہوتی ہیں۔ وہ دنیا میں نہ بھی ہوں تب بھی آپ کی زندگی کا حصہ ہوتی ہیں۔

****

اپنی مہندی کے نقش و نگار پر غور کرتی ماہین مسکرا رہی تھی کہ اچانک فون کی گھنٹی بجی۔ رات کے پہر اُس کے علاوہ بھلا اور کون فون کر سکتا تھا۔ اس نے فون کان سے لگا لیا۔

ہیلو

وعلیکم سلام مسٹر حیدر

واؤ! یقین کریں مِس ماہین مجھے ذرا سی بھی شرمندگی نہیں ہوئی

جی وہ مجھے اندازہ ہو گیا

کیا کر رہی تھی؟ مجھے یاد کرنے کے علاوہ؟

یار پلیز پہلے ہی میرا موڈ نہیں ٹھیک عجیب سی اداسی ہے. وہ واقعی اپنے والدین کے گھر میں بطور بیٹی آخری رات گزارنے پر افسردہ تھی اور یہ بات حیدر نے محسوس کر لی تھی اس لیے اگلے لمحے فون سے آواز آئی

بس اداسی ؟ادھر میں رو رو کر ہلکان ہو گیا ہوں کے کل کسی کا سر درد میرے نام کر دیا جائے گا،اُف اللہ مجھے صبر دے آمین ثم آمین یو نو واٹ ! آپ جہنم میں جائیں میری طرف سے مسٹر حیدر مجھے کوئی پرواہ نہیں اور دھڑلے سے فون کاٹ دیا گیا تھا

How cute.

حیدر فون کو دیکھ کر مسکرانے لگا۔ حیدر سب کے لیے مغرور تھا مگر ماہین
سب میں شامل نہیں تھی وہ حیدر حسیب کا''سب کچھ'' تھی اور یہ عام بات نہیں تھی۔

****

اگلی صبح کا آغاز حبا کے کمرے سے ہوا، جہاں نورین ہر چیز کو تقریباً چھینک دینے والے انداز میں پٹخ رہی تھی۔ وہ اعلانیہ طور پر حبا کو بتا رہی تھی کہ حبا کتنی کاہل اور سست ہے،اُسے کوئی کام صحیح سے نہیں آتا اور یہ بھی کہ اُس کی عمر کی لڑکیوں نے گھر سنبھال رکھا ہے لیکن وہ اپنا کمرہ بھی صاف نہیں رکھ سکتی۔
حبا نورین کی تقریر سنتے بیزار موڈ کے ساتھ باتھ روم کی طرف بڑھ گئی فریش ہونے کے بعد وہ سیلون کے لیے نکلنے لگی تھی اور پھر نچلے پورشن میں آکر وہ اشمل کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

''چلیں، آپ بھی تیاری پکڑ لیں، پھر سیلون چلتے ہیں۔''

''میں ؟تائی امی سے اجازت لی ہے ؟''

اشمل؟؟؟اب اس میں تائی امی کی منظوری کی کیا ضرورت ہے؟بھائی کی شادی ہے گھر میں، عجیب بات ہے۔حبا کو اشمل سے اس احمقانہ بات کی توقع نہیں تھی۔

نہیں، مجھے نہیں جانا، تم چلی جاؤ، میں گھر میں ہی تیار ہو جاؤں گی۔ سُتے ہوئے چہرے کے ساتھ اشمل نے جواب دیا۔

حبا نے مزید کچھ نہیں کہا، بس شانے اُچکا کر "اللہ حافظ" کہتی باہر نکل گئی۔

****

تقریباً سات بج کر پندرہ منٹ کے قریب حبا نے ہال میں قدم رکھا، اور نورین اُس کریم رنگ کے حجاب میں ملبوس لڑکی کو کھا جانے والی نظروں سے گھور رہی تھی۔

حبا کے قریب آتے ہی نورین فوراً بولیں

"کہاں تھی؟ یہ کوئی وقت ہے؟ سب لوگ کب سے آ گئے ہیں۔"

حبا نے "سوری، ماما" کہہ کر اپنے بھائی بھابھی کی طرف بڑھ گئی۔ماہین پر نظر ڈالتے ہی حبا نے بے ساختہ کہا

"ماشاءاللہ، یار، آپ کتنی پیاری لگ رہی ہیں۔"

ماہین نے مسکرا کر شکریہ کہا اور حبا ماہین کے قریب بیٹھتے اُس کے لہنگے کا دوپٹہ درست کرنے لگی۔

****

زبیر صاحب اپنی بیگم فریال زبیر کے ہمراہ افرا بیگم کی کرسی کی جانب بڑھ رہے تھے۔ اشمل انھیں دیکھ کر "السلام علیکم ابو" کہتی نظریں جھکائے کھڑی ہو گئی جس پر زبیر صاحب نے "وعلیکم السلام" کہا اور آگے بڑھ گئے۔ فریال وہیں رک گئی، افراء بیگم کے قریب بیٹھتے اشمل پر نظریں دوڑاتے ہوئے فریال بولی

اماں جان، کیسی ہیں؟

،افرا بیگم نے بس "الحمدللہ" کہا، تو فریال کرسی پر بیٹھتے ہوئے اشمل کی طرف دیکھتے ہوئے بولی، اشمل، ایسا کرو، مجھے کھانا لا دو بیٹا طبیعت عجیب سی ہو رہی ہے۔

کیوں، مسسز زبیر، میرے رشتے کھا کھا کر اب تک آپ کا پیٹ بھرا نہیں؟ اشمل نے پُر سکون انداز میں دونوں ہاتھ باندھ کر فریال کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

افرا بیگم نے آنکھ کے اشارے سے اشمل ٹوک دیا، جسے اشمل نے نظر انداز کر دیا تھا۔ مگر وہ بھی فریال تھی، شرمندگی تو دور اُس نے محسوس تک نہیں کیا۔

ہنی! کسی کی خوشی میں خوش ہونا سیکھو، پھر کوئی تم سے دور نہیں جائے گا، اور ناراض کیوں ہو رہی ہو؟ میں اپنے لیے کھانا خود نکال لوں گی کہتے ہوئے وہ نزاکت سے آگے بڑھ گئی اور اشمل بس آنکھوں کے کنارے پر موجود آنسو ضبط کیے، انہیں جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ بے بسی کا کیا عالم تھا کہ وہ اپنی حالت کا الزام کسی دوسرے کو نہیں دے سکتی تھی۔

غلطی اس عورت کی نہیں تھی جس نے اس کے والد سے شادی کی تھی، غلطی اس کے والد کی بھی نہیں تھی جنہوں نے اپنی زندگی ،میں آگے بڑھنا چاہا تھا، پھر غلطی کس کی تھی؟ شاید اس کی اپنی یا پھر اس کی قسمت کی جو کبھی اشمل زبیر کا ساتھ نہیں دے سکی تھی۔

****

رات کے 3:35 بج رہے تھے جب مِنسا کی آنکھ کسی بُرے خواب کی وجہ سے کھل گئی۔ کمرہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا، اور جب وہ ہڑبڑا کر اٹھی، تو اسے چند لمحے تک کچھ سمجھ نہیں آیا کہ اس نے کیا دیکھا تھا۔ پھولے سانس کے ساتھ وہ پاس میز پر ہاتھ مارتے ہوئے لیمپ روشن کرنے لگی، کمرے کی مدھم روشنی اس کا خوفزدہ چہرہ، بستر پر بکھرا ہوا کمبل اور بے ترتیب حالت میں موجود تکیہ دکھانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

اس کے دل کی دھڑکن تیز اور بے ترتیب تھی مگر ہر طرف خاموشی کا ایک گہرا سایہ تھا۔ باہر کی ہوا ہلکی سی سرسراہٹ پیدا کر رہی تھی جبکہ منسا کے دل کی حالت پر ایک دھیما سا سناٹا چھایا تھا جو خوف کی کیفیت کو مزید بڑھ رہا تھا۔ مِنسا ڈرتے ہوئے اپنی بے ترتیب سانسوں پہ قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی، اور ڈرتے ڈرتے فرش پر قدم رکھتے وہ آیت الکرسی کا منہ میں ورد کرنے لگی تاکہ خواب کی تاریکی سے اپنے ذہن کو ہٹا سکے۔

****

کلاس روم میں ہوا قدرے گرم تھی، دیواروں پر لگے ہوئے رنگین پوسٹرز منظر کو دلکش بنا رہے تھے۔ ڈائس کے قریب دائیں جانب ایک کھڑکی کھلی تھی، جس سے روشنی اندر آ رہی تھی۔ کلاس کے باقی طلباء اپنے نوٹس اور کتابوں میں مصروف تھے۔

نوفل، جو ہمیشہ خاموش اور سنجیدہ رہتا تھا، اچانک اس وقت چونک گیا جب اس کی نظر اشمل پر پڑی۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ اشمل کو آج پہلی مرتبہ دیکھ رہا تھا وہ اشمل کے ساتھ پچھلے تقریباً تین سال سے ایک ہی کلاس میں پڑھ رہا تھا مگر آج وہ اُسے پہلے سے بہت مختلف لگی تھی۔ اشمل کلاس کے ایک کونے میں بیٹھی، اپنی کتابوں میں غرق تھی اچانک ساتھ بیٹھی لڑکی سے بات کرتے کرتے اس نے چہرہ اُٹھایا۔

نوفل نے اُن آنکھوں میں آج پہلی مرتبہ کاجل دیکھا تھا اور آج اشمل کی آنکھوں نے نوفل کو کہیں اور دیکھنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا، آج اُسے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کس قدر حسین تھی، گلابی رنگت، چہرے کی ملائمت اور بکھری ہوئی ہنسی نے نوفل کو ایک ہی نظر

میں مرید کر دیا تھا۔ کچھ ہی دنوں میں نوفل کو اندازہ ہوا کہ اشمل میں ایک خاص کشش تھی جو نوفل کی توجہ کو مکمل طور پر اپنی جانب کھینچ رہی تھی اور اس انکشاف نے نوفل کے دل کی دھڑکن کو تیز کر دیا تھا۔

نوفل کو لگا جیسے وہ ایک خواب کا حصہ ہے، جہاں ہر چیز خوبصورت اور دلکش ہے اور اشمل اس خواب کی سب سے اہم حقیقت ہے۔

یونیورسٹی کیفے میں ہلکی سی چمک آ رہی تھی، اور روشنی کے جھلکنے سے جگہ کی رنگت نرم اور خوشگوار محسوس ہو رہی تھی۔ نوفل ایک کونے میں موجود ٹیبل پر بیٹھا تھا، اس کے سامنے کافی کا کپ اور کچھ کتابیں بکھری ہوئی تھیں۔ کیفے کے ماحول میں کافی کی خوشبو پھیلی تھی آس پاس کی میزوں پر کچھ اور طالب علم، اپنی بات چیت اور ہنسنے ہنسانے میں مشغول تھے۔
نوفل اپنی کتابوں میں گم تھا، مگر اس کی نظریں بار بار کیفے کے دروازے کی طرف اٹھ رہی تھیں۔
کیفے کا دروازہ کھلا اور اشمل اندر آئی۔ کیفے کی ہلکی روشنی اور گرم ماحول کے درمیان اس لڑکی کا وجود نمودار ہوتا دکھائی دیا اس کے (messy jura) کمر تک آتے بالوں کو آج اس نے میسی جُوڑے کی صورت میں باندھ رکھا تھا۔

نیلے رنگ کی جینز اور سفید کُرتا پہنے، آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک اور چہرے پر ایک معصوم تاثر لئے وہ اس کی جانب آ رہی تھی اشمل کو اپنی طرف آتا دیکھ نوفل کی نظریں فوراً اشمل پر مرکوز ہو گئیں۔،
وہ نوفل کی طرف بڑھتے ہوئے بولی، ہیلو نوفل، تم حفصہ اور میں اس گروپ اسائمنٹ میں بھی ایک ساتھ ہیں؟
نوفل نے نرمی سے مسکراتے ہوئے کہا، جی

اشمل نے نوفل کے سامنے بیٹھتے ہوئے اپنا بیگ رکھا اور کتاب کے صفحے پلٹنے لگی اس کی طرف دیکھتے ہوئے نوفل نے کہا، "آج کچھ مختلف سا لگ رہا ہے۔ کیا تمہیں بھی ایسا ہی لگتا ہے؟

اشمل نے تھوڑی سی حیرت سے نوفل کی طرف دیکھا

"کیا مطلب؟"

نوفل نے اپنی کافی کے کپ کو نرم ہاتھوں سے پکڑتے ہوئے کہا

"کچھ نہیں آپ نہیں سمجھیں گی۔"

اوکے! پر مجھے اسائمنٹ میں تنگ مت کرنا، ڈیڈ لائن سے پہلے تمہارا کام میرے پاس موجود ہو۔ وہ بے نیازی سے نوفل کو ہدایات دے رہی تھی۔

آپ فکر نہ کریں۔ وہ اشمل کو یقین دہانی کروا رہا تھا۔

اشمل نے اس کی باتوں سے خود کو غیر آرام دہ محسوس کیا، اور اس نے جواب دینے سے پہلے تھوڑا سا سوچا۔

اشمل نے گہرا سانس لے کر بولنا شروع کیا دیکھو نوفل ہو سکتا ہے کہ تم اس سب میں انوالو ہو، مگر میں نہیں ہوں، میرے لیے تم صرف ایک کلاس فیلو ہو اس لیے بہتر ہے تم اسی طرح بی ہیو کرو۔

دونوں کے درمیان ایک سنجیدہ خاموشی چھا گئی۔ نوفل کو حیرت ہوئی تھی۔ کیا وہ چہرے پڑھنے کا ہنر رکھتی تھی؟

کیفے کی روشنی میں نوفل کی نظریں اشمل کے چہرے پر مرکوز تھیں، اور ایسا لگ رہا تھا جیسے اُسے کسی نے بھرے بازار میں بے عزت کر دیا ہو اس لیے وہ اس لمحے کو بھول جانا چاہتا تھا جو ابھی آیا تھا اور سائے کی طرح گزر گیا تھا۔

****

یونیورسٹی کی سالانہ میوزیکل نائٹ کی محفل میں پرفارم کرنے کی باری اب نوفل کی تھی۔ اسٹیج پر پرفارم کرتا لڑکا اسٹیج پر گٹار کے ساتھ پرفارم کر رہا تھا روشنیوں کی چمک نوفل کے چہرے اور گٹار پر پڑ رہی تھی۔ جس سے وہ اور اس کا ساز دونوں ہی روشن ہو رہے تھے۔

گٹار کی نرم دھُنوں اور نوفل کی دلکش آواز نے محفل میں جادوئی سا ماحول پیدا کر دیا۔اس کے ہاتھ مہارت سے گٹار کی تاروں پر چل رہے تھے،اور وہ ہر اکورڈ اور رِف کو بالکل درست انداز میں بجا رہا تھا، جیسے وہ ہر نوٹ کے ساتھ محفل میں اپنا جادو مزید پُر اثر بنا رہا ہو۔

ایک پر جوش اور متحرک انداز میں گانے کے الفاظ ادا کر رہا تھا۔ایک ہاتھ میں مائیک پکڑے وہ بھرپور جذبات کے ساتھ پرفارم کر رہا تھا۔نوفل ایک سادہ مگر نفیس لباس پہنے ہوا تھا۔گندمی رنگت کا وہ لڑکا ایک کالے رنگ کی شرٹ اور گرے جینز جو اس کے اسٹائل کو مکمل کر رہی تھی پہنے سب کا اپنی آواز سے دل جیت رہا تھا۔اس کے آس پاس رنگین لائٹس کی لہریں اور دھند کے اثرات محفل میں موجود لوگوں کو جھومنے پر مجبور کر رہے تھے۔سامعین کی توجہ اس کی پرفارمنس پر مرکوز تھی،اور وہ جوش و خروش کے ساتھ تالیاں بجا رہے تھے، جس سے اسٹیج کی فضا پر جوش اور زبردست ہو گئی تھی۔

پرفارمنس کے دوران نوفل کی آواز میں ایک خاص مٹھاس اور توانائی تھی، جو فضا میں اور بھی زیادہ خوبصورت محسوس ہوتی تھی۔

،اس کے ساتھ ہی، پیچھے کے بینڈ ممبرز بھی ان کے آلات کے ساتھ ہم آہنگی سے کام کر رہے تھے

،پوری محفل میں ہر کوئی نوفل کی پرفارمنس سے محظوظ ہو رہا تھا

موسیقی کی خوبصورتی اور نوفل کی پرفارمنس کا جوش اسٹیج کے سامنے بیٹھے ہر شخص پر چھا گیا تھا،اور ان کی تالیوں اور داد نے ماحول کو اور بھی زندہ دل بنا دیا تھا۔

میوزیکل نائٹ کی محفل میں،مِنسا کی نظر پہلی بار نوفل پر پڑی،اسٹیج پر نوفل گٹار کے ساتھ پرفارم کر رہا تھا،اور اس کی مہارت نے منسا کو فوری طور پر متاثر کیا تھا۔نوفل کی دلکش آواز نے مِنسا کو مسحور (سحر زدہ) کر دیا تھا۔

منسا اسٹیج کی روشنیوں کے درمیان نوفل کی پرفارمنس کو بہت دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔کیا جادو تھا اس کی آواز میں؟منسا کو خود بھی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔وہ دیکھ رہی تھی کہ نوفل کیسے اپنی موسیقی اور جذبات کے ذریعے محفل میں جادو جگا رہا تھا وہ نوفل کی آواز سے متاثر ہونے والی پہلی لڑکی نہیں تھی۔منسا کو نوفل کی آواز کانوں سے زیادہ روح میں جگہ بناتی محسوس ہو رہی تھی۔

نوفل کی پرفارمنس نے مِنسا کو ایک نیا تجربہ فراہم کیا تھا،جو وہ دیر تک یاد رکھنے والی تھی۔

****

گھر میں داخل ہوتے ہی مِنسا نے پُرامن ماحول میں قدم رکھا۔اس کے چہرے پر ایک خوبصورت چمک تھی، جو اس کی خوشی کی عکاسی کر رہی تھی۔ تیمور اپنے کمرے میں آرام کر رہا تھا، اس نے چائے کا کپ ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا۔

تیمور، تمہیں نوفل کی آواز کے بارے میں بتانا ہے! کمرے میں قدم رکھتے مِنسا نے جوش و خروش سے کہا، اس کی سیاہ آنکھیں بے اختیار چمک رہی تھیں۔

تیمور نے اس کے لفظوں پہ غور کرتے کہا، کس کے بارے میں بتانا ہے؟

تمہیں یقین نہیں آئے گا، مِنسا نے جوش کے ساتھ کہنا شروع کیا

نوفل کی آواز سن کر لگتا ہے جیسے۔۔۔۔

اس نے اپنی بات کو مزید وضاحت دیتے ہوئے کہا، اُس کی آواز بہت پیاری ہے یار اتنی کہ سننے والے کی روح تک رسائی حاصل کر لیتی ہے۔

تیمور نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے غور سے سنا، مگر چہرے پر سے بے زاری جھلک رہی تھی۔ پھر بھی وہ مِنسا کو یہ تاثر نہیں دینا چاہتا تھا کہ اسے اس کی باتیں پسند نہیں آ رہی اچھا ویسے ہے کون یہ نوفل؟ اس نے بظاہر عام سے انداز میں پوچھا

میرا سینئر ہے، مجھے تو پتہ ہی نہیں تھا کہ ہماری فیلڈ میں ایسے ملٹی ٹیلنٹڈ لوگ بھی ہیں۔

"تو پھر ہمیں اس عظیم انسان کی آواز سنا دیں؟"

مِنسا نے سر اثبات میں ہلایا اور جوش و خروش کے ساتھ اپنے فون کی اسکرین روشن کیے تیمور کو آج کے ایوینٹ کی ویڈیوز دکھانے لگی، تیمور نے جب نوفل کو پہلی بار دیکھا، تو وہ فوراً اس کی شکل صورت پر غور کرنے لگا۔ نوفل ایک گندمی رنگ، عام سی شکل و صورت اور معمولی نقوش کا مالک تھا، جس میں تیمور کو کوئی خاص بات نظر نہیں آئی تھی۔ درمیانہ قد کاوہ لڑکا نہ بہت لمبا تھا نہ ہی خاص طور پر پُرکشش۔ نوفل کے حلیے کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد تیمور کو سمجھ نہیں آیا تھا کہ اس عام سے لگنے والے شخص میں منسا

کو پسند کیا آ گیا تھا؟ نوفل میں وہ کیا خاص بات ہے جس کی مِنسا اتنی تعریف کر رہی تھی؟ ویڈیو میں موجود لڑکے کی عام سی شکل و صورت کے باوجود، تیمور کے دل میں تجسس کا ایک بادل چھا گیا تھا۔ منسا متواتر نوفل کی آواز کی تعریفیں کر رہی تھی۔

بظاہر تیمور کے چہرے پر سکون اور آرام کا تاثر تھا مگر اس کی آنکھوں کی گہرائی میں ایک دلچسپ تبدیلی آئی تھی۔ جیسے ہی مِنسا نے نوفل کی آواز کی تعریفیں کرنا شروع کی تھیں، تیمور نے محسوس کیا کہ اُس کی دل کی دھڑکن تیز ہونے لگی۔ اُس کے اندر ایک ہلچل سی برپا ہوئی، جو اسے خود بھی عجیب لگ رہی تھی۔

اس نے چائے کے کپ کو تھامے رکھا، مگر اس کا ہاتھ تھوڑا سا لرز رہا تھا۔ وہ کوشش کر رہا تھا کہ اپنی سنجیدگی کو برقرار رکھے، مگر اندر ہی اندر ایک پراسرار جذبہ جاگ اُٹھا تھا۔ اس کی سوچوں کی رفتار بڑھ گئی تھیں، اور وہ نوفل کی آواز کے حوالے سے ہر بات پر پہلے سے زیادہ توجہ دینے لگا تھا۔ اُس کے دل کی دھڑکن اور خیالات میں چوراہے پر کھڑے ہوئے جذبات، تیمور کی اندرونی حالت کو بے نقاب کر رہے تھے۔

تیمور نے سر جھکایا، اور چائے کے کپ پر نظریں مرکوز کر دیں تاکہ مِنسا اس کی کیفیت سے واقف نہ ہو سکے لیکن منسا فی الحال نوفل کی آواز کی تعریفوں میں بے حد مصروف تھی۔

****

فجر کی نماز کے بعد حبا حسیب ایک پر کیف سکوت میں بیٹھ گئی، ہوا میں ہلکی سردی تھی اور آسمان پر ہلکے رنگ بکھر رہے تھے۔ حبا کی آنکھیں بند تھیں لیکن ان کے گوشے نم ہو چکے تھے، اور آنسو دھیرے دھیرے اس کے چہرے پر بہہ رہے تھے۔ آنکھوں سے گرتا ہر آنسو، ہر قطرہ جیسے اس کے دل کی بے پناہ تکلیف کی گواہی دے رہا تھا۔ ہر قطرہ اس کی دعا کی شدت اور گہرائی کا ثبوت تھا، ہر آنسو اذیت کا نشان تھا۔ ہر لفظ ایک نئی تکلیف کی عکاسی کر رہا تھا جو دل کے تاروں کو چھوتے ہوئے عرش تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جب اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے، اس کے لب ہلکے سے حرکت میں آئے، کمرے کی خاموشی میں صرف ایک آواز بار بار کانوں تک آتی سنائی دیتی تھی

اللہ تعالیٰ آپ ہیں ناں

اللہ تعالیٰ آپ ہیں ناں؟

اللہ تعالیٰ آپ ہیں ناں

ایک سطر کو نا جانے اپنی کپکپاتی آواز میں اُس لڑکی نے کتنی دفعہ دُہرایا تھا۔ یہ اس کی بے بسی کی حالت ہی تھی جو حبا کی دعا کو مزید مؤثر بنا رہی تھی۔ لفظوں کا جادو دعا کے انداز میں پرویا گیا تھا، کیا تھا اس کی زندگی میں جس کا حصول رہ گیا تھا؟

اس کے دل کا حال صبح کی روشنی کے ساتھ مل کر ایک روحانی ماحول تخلیق کر رہا تھا، ہوا کی سرد جھلک اور آسمان پر پھیلے نرم رنگوں نے اس منظر کو ایک خاص تقدس عطا کر دیا تھا۔ حبا کی دعا میں ایک خالص جذبات کی جھلک تھی، جائے نماز سے اُٹھتے ہوئے اُسے اُس کے مسئلے کا حل نہیں ملا تھا مگر وہ مطمئن ضرور ہو گئی تھی۔ کہ اُس نے اپنے دل کا حال اللہ کے سامنے بیان کر دیا تھا اب اللہ کوئی نہ کوئی راستہ ضرور نکال دے گا۔ آنکھوں میں آنسو لیے وہ اس پختہ یقین کے ساتھ مصلے سے اُٹھی تھی۔ آنکھوں کے گوشے اب بھی بھیگے ہوئے تھے مگر چند لمحے پہلے والی نااُمیدی اب غائب ہو چکی تھی۔

****

افرا بیگم اپنے کمرے میں بیٹھیں تھیں۔ چہرے پر عمر بھر کی تھکن تھی۔ زبیر شاہ، ان کا بیٹا، ان کے سامنے ہاتھ باندھے بیٹھا تھا لیکن اس کے چہرے پر لاتعلقی کا تاثر تھا۔

افرا بیگم نے کمزور لہجے میں کہا، بیٹے، خرچے کے لیے تھوڑی مدد کی ضرورت ہے، اصل میں مانو نے پرسوں اپنے سمیسٹر کی فیس دینی ہے، ورنہ میری ضروریات کا کیا ہے وہ تو پوری ہو ہی جائیں گی۔

زبیر نے نظریں نیچی کیے ہوئے جواب دیا

اماں ! میں اس وقت مالی طور پر کسی مدد کے قابل نہیں ہوں۔ آپ کو پتہ تو ہے فرحان نے ابھی حال ہی میں ایڈمیشن لیا ہے خاصا خرچہ ہوا ہے، میرے اپنے مسائل ہیں، اور میں فی الحال ان کو حل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

افرا بیگم کی آنکھوں میں نمی آ گئی، اور ان کی مدھم آواز سنائی دی، زبیر، تم ادھار سمجھ کر دے دو میری تین ماہ بعد ایک کمیٹی نکل رہی ہے، میں پھر تمھاری رقم لوٹا دوں گی۔ ویسے بھی اپنے لیے تو نہیں مانگ رہی، بچی کی پڑھائی کا معاملہ ہے، میری ساری ذمہ داری اسی نے اُٹھا رکھی ہے ویسے بھی۔

وہ زبیر کے ہامی بھرنے کی نیت سے اُسے اندر کا حال بیان کر رہی تھیں۔

''تو جس نے آپ کی ذمہ داری اُٹھا رکھی ہے اُس محترمہ سے کہیں اپنی ذمہ داری بھی اُٹھانا سیکھے۔''

"تمہارے لیے دی گئی اُس کی قربانیاں اتنی بھی نہیں کہ تم اُس کے لیے کچھ کر سکو؟''

زبیر نے سر جھکایا، اور اس ایک لمحے کے لیے اس کے لہجے میں نرمی آئی، لیکن اس نے چپ رہنا ہی بہتر سمجھا۔ افرا بیگم کے دل میں اداسی کے سمندر کی لہریں چلنے لگیں۔

وہ لمحہ دل پر گہرے اثرات چھوڑ گیا تھا۔ دونوں کے درمیان ایک خاموش فاصلہ پیدا ہو گیا، جس نے افرا بیگم کی دل کی خستگی اور زبیر کی بے بسی کو بہتر اور واضع طریقے سے بیان کر دیا تھا۔ زبیر نے ایک لمحے کے لیے افرا بیگم کو بغور دیکھا، پھر گہری سانس لے کر، کمرے سے باہر نکل گیا۔

مگر افرا بیگم وہیں بیٹھے نا جانے کیا سوچ رہی تھیں اور یہ سوچیں افرا بیگم کے چہرے پر اداسی کی جھلکیاں دکھا رہی تھی ان کو ہر گزرتے دن کے ساتھ اندر سے کھا رہی تھیں لیکن انہوں نے صبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے خود کو تسلی دیتے کہا، ''کوئی بات نہیں افرا اللہ میری بیٹی کے لیے بہت راستے کھولے گا۔ اُس کا بخت اتنا حسین ہو گا کہ لوگ رشک کریں گے اور کہیں گے قسمت ہو تو اشمل جیسی۔ افرا کے گلے میں ایک لمحے کے لیے لفظوں کا سیلاب آیا، لیکن انھوں نے اپنے جذبات کو ایک ہی لمحے میں قابو میں کر لیا تھا۔ انسان زندگی میں اولاد کی خاطر کیا کچھ کرتا ہے، دنیا بھر کی خاک چھان لیتا ہے اور آخر میں اولاد ہی سب سے پہلے منہ پھیر لیتی ہے۔

****

تیمور آئینے میں خود کو دیکھتے اپنے بال درست کر رہا تھا جب اس کے فون پر ایک نیا پیغام آیا۔ اس نے فون اٹھایا اور اسکرین پر ایک نامعلوم نمبر دیکھا۔ پیغام میں ایک لنک تھا جس پر کلک کرنے سے وہ چند نازیبا تصاویر اور ویڈیوز کے خاکے میں جا پہنچا تھا۔ ان میں سے کچھ تصاویر میں ایک عورت، جو شاید اس کی قریبی تھی، نازیبا حالت میں دکھائی دیتی تھی۔ اس کے گھر کی عورت کسی انجان کے فون میں ایسی دکھائی دیتی تھی؟ یہ مواد دیکھ کر تیمور کے چہرے پر اضطراب کی لہر دوڑ گئی تھی۔ تیمور نے فوراً پیغام کو بند کرنے کی کوشش کی مگر شاکڈ ہونے کی حالت میں ہاتھ تھوڑا لرز رہا تھا۔ مگر وہ ہاتھ کیا واقعی ''تھوڑا'' لرز رہا تھا؟

اُسے لگا وہ ایک بُرا خواب دیکھ رہا ہے جو ابھی آنکھیں کھلنے پر ٹوٹ جائے گا مگر وہ خواب اب حقیقت کا روپ اختیار کر گیا تھا۔

****

اعتبار کا آئینہ
از علیہا زاہد

باب نمبر:2

مجھ سے مت پوچھو کہ میں کہاں سے آیا ہوں کیونکہ

میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں

بہت سے میل دور مختلف جگہوں سے آیا ہوں۔

مجھ سے مت پوچھو کہ میری جائے پیدائش کہاں ہے

اس کے لیے مجھے نہیں معلوم

حقیقتاً میں خود بھی بھول گیا کہ

میری جڑیں کہاں سے اگنے لگیں

مجھ سے مت پوچھو کہ میرا گھر کہاں ہے اس لیے کہ

میں یہ نہیں بتا سکتا کہ گھر وہ جگہ ہے

جہاں میں ہر ہوٹل میں سویا ہوں

اس لیے بہتر ہے کہ تم

ایسے سادہ سے سوال مت پوچھو مجھ سے کیونکہ

یہ پتھر پر قطرہ قطرہ پانی پڑھنے جیسا ہے

تم مجھ سے پوچھو کہ میں رات کو ستارے کہاں دیکھتا ہوں

یاں سانس لینے کے لیے میری پسندیدہ ہوا کون سی ہے اور

پھر میں کہوں گا مجھ پر سانس لینا ہی عذاب ہے

میں تُم سے ان جگہوں کے بارے میں بات کروں گا

جہاں میں رہ چکا ہوں جیسے تنہائی، ہجر اور اذیت

یاں پھر اُن جگوں کا

جن کا میں خواب دیکھتا ہوں

جیسے سکون، راحت یاں پھر محبت کی گلی

****

حیدر حسیب نے کمرے میں قدم رکھا تو دل کی دھڑکن تیز ہوئی۔

اس کی آنکھوں میں ایک محبت بھری چمک اور چہرے پر سنجیدہ مگر پُرامن مسکراہٹ تھی۔ حیدر کا حلیہ اس کی شخصیت کی شان و شوکت کو بخوبی ظاہر کر رہا تھا۔ دوسری طرف، ماہین نے دلکش سفید اور گلابی رنگ کے عروسی جوڑے میں خود کو سجا رکھا تھا۔ ماہین کے ہلکے گلابی گال اور مسکراہٹ چہرے کی خوبصورتی کو نکھار رہی تھی، جبکہ اس کے لمبے بال جوڑے کے ساتھ خوبصورتی سے ڈھکے ہوئے تھے۔ اس کو اس روپ میں بیٹھے دیکھنا، حیدر کی نظر میں ایک خواب کی مانند تھا۔

ایسا خواب جس نے کمرے کو محبت اور سکون کی فضا سے بھر دیا تھا۔ ماہین کی آنکھوں میں نئے آغاز کی روشنی تھی اور چہرے پر ایک پُرسکون مسکراہٹ جو ان لمحوں کی اہمیت کو بیان کر رہی تھی۔ کمرے کی دیواروں پر سفید پردے، خوشبودار موم بتیوں نے سارے کو معطر کر دیا تھا۔ حیدر نے گہرے رنگ کا لباس پہن رکھا تھا، شاید گہرا نیلا یا سیاہ اور اس پر باریک سنہری کڑھائی کی گئی تھی۔ حیدر کی شان بڑھانے کو اس کی جیب پر ایک چھوٹا سا بروچ بھی سجا تھا۔

حیدر حسیب کا کُرتا انتہائی خوبصورتی سے فٹ تھا، اس کا چہرہ صاف شیو تھا اور اس کی گہری براؤن آنکھیں ایک خاص جاذبیت کی حامل تھیں۔ روشنی میں خوبصورتی سے دمکتی ہوئی نظریں حیدر کے چہرے کی پوری شخصیت میں ایک خاص پرکشش عنصر شامل کر رہی تھی۔ حیدر حسیب نے ماہین کے قریب آکر نرمی اور محبت کے ساتھ بیٹھنے کا فیصلہ کیا۔ حیدر نے آہستگی سے ماہین کے سامنے بیٹھتے ہوئے، اپنے ہاتھ کی ہلکی سی جنبش سے ماہین کی ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیا، اور ایک نرم دل سے بھری ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ اسکی آنکھوں میں جھانکا۔

ماہین، آج سے ہماری زندگی کا نیا سفر شروع ہوا ہے۔ آئی نو تمہیں یہ سب already پتا ہے.....

پر پھر بھی میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں کبھی تمہیں شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔ نہ صرف میں خود تمہاری عزت کروں گا بلکہ اس بات کو یقینی بناؤں گا کہ ہر انسان تمہاری عزت کرے کیونکہ تم ماہین! تم قابل عزت، قابل محبت ہو. اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

حیدر کی باتوں کو سنتے ہوئے ماہین کے دل نے اُسے اس بات کی یقین دہانی کروائی تھی کہ یہ شادی اسکی زندگی کا سب سے بہترین فیصلہ ہے۔اس سوچ کے بعد فوراً ہی ماہین کے چہرے پر ایک نرم مسکراہٹ پھیل گئی۔وہ حیدر کی آنکھوں میں دیکھتے بولی۔

حیدر، میں بھی تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ میں تمہیں شکایت کا موقع نہیں دوں گی کبھی۔

ماہین نے بے اختیار اپنے ہاتھ کو حیدر کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا۔

میں چاہتی ہوں کہ ہر دن ہم ایک دوسرے کے ساتھ جیئیں، ہم ہر موسم ایک ساتھ دیکھیں حیدر، ہمیشہ محبت اور احترام کے ساتھ۔ حیدر نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔

حیدر کو اُس کے چھ سالوں کی محبت آج حاصل ہو گئی تھی، پر کیا حاصل کر لینا ہی سب کچھ ہوتا ہے؟

****

اس نے فوراً اپنا موبائل چیک کیا، اور دیکھا کہ پیغام میں موجود لنک نے اسے کئی فائلز میں گم کر دیا تھا۔یہ دیکھنے کے بعد تیمور نے اپنا فون جھٹک دیا اور اپنی کنپٹی مسلنے لگا۔

وہ ان تصاویر میں منسا کو غیر مناسب حالت میں دیکھ کر شاکڈ ہو گیا تھا۔بے چینی سے پھر سے فون اُٹھا لینے کے بعد اب اس کی انگلیاں لرزتی ہوئی موبائل اسکرین پر کلک کر رہی تھیں، لیکن اس کی دماغی ہلچل کے باعث اس کی توجہ مکمل طور پر مرکوز نہیں ہو پا رہی تھی۔اس کے چہرے پر پسینے کی بوندیں نمایاں ہونے لگیں، اور دل کی دھڑکن پہلے سے زیادہ تیز ہو گئی۔

دیکھتے ہی دیکھتے، تیمور کے چہرے پر اضطراب کا آنگ بڑھنے لگا تھا۔

تصاویر کو بند کرنے کی کوشش کرتے اُس کا ذہن مکمل طور پر ماؤف ہو چکا تھا۔"یہ سب کیسے ہوا؟" اس نے سرگوشی کی۔دماغ میں اس لڑکی کی تصاویر اور ویڈیوز کی تفصیلات گردش کر رہی تھیں۔آنکھوں میں بے یقینی اور غصہ بھرا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ یہ عمل ان کی ذاتی حیثیت کو متاثر کر سکتا ہے اور ان کے خاندان کی ساکھ پر بھی برا اثر ڈال سکتا ہے اور سب سے بڑھ کر بات اس لڑکی کی عزت کی تھی۔اور اُس لڑکی کی عزت بچانے کی خاطر تو تیمور ولید پوری دنیا کو بھی آگ لگا سکتا تھا۔

تیمور کی آنکھوں میں خوف تھا، فکر تھی۔

تیمور کے دماغ میں کئی سوالات گردش کر رہے تھے۔ کیا یہ کوئی انتقامی کاروائی ہے؟ کیا یہ سب تصویریں انٹرنیٹ پہ بھی موجود ہیں ،؟ کیا کوئی منسا کو بلیک میل کر رہا ہے؟ اور سب سے اہم سوال کیا منسا کو اس سب کے بارے میں پتا ہے؟ سوال بہت سے تھے جواب ایک کا بھی نہیں ملا تھا۔

تیمور نے اُس نامعلوم نمبر پر ٹیکسٹ بیک کیا لیکن کوئی رد عمل نہیں آیا۔ تشویش بڑھ رہی تھی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ یہ مواد منفی مقاصد کے لیے استعمال ہو سکتا ہے۔ اس نے بہ مشکل اپنے حواس پر قابو پانے کی کوشش کی مگر ذہن میں ہر طرف ہلچل سی مچ گئی تھی۔ وہ بری طرح اَپ سیٹ تھا۔

****

اشمل کی دادی، افرا بیگم، اپنے گھر کے وسیع اور روشن کمرے میں بیٹھی تھیں۔ کمرے کی دیواریں قدیم طرز کی تصویروں سے سجائی گئی تھیں اور فرش پر خوبصورت قالین بچھا ہوا تھا۔ ایک طرف چھوٹا سا میز تھا جس پر چائے کی پیالیاں رکھی ہوئی تھیں۔

افرا بیگم نے آرام سے چائے کا کپ رکھا اور اشمل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، اشمل، تمہاری فیس۔۔۔۔۔
اشمل نے دادی کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا، "دادی، آپ نے کہا تھا کہ آپ میری فیس دیں گی، لیکن اب آپ نے انکار کر دیا ہے۔ کیا ہوا؟" اس کی آواز میں مایوسی تھی۔

افرا بیگم نے سکون سے چائے کا کپ اٹھایا اور ایک گھونٹ لیا۔ پھر انہوں نے کپ کو میز پر رکھا اور اشمل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا بیٹا، تمہاری تعلیم میرے لیے بہت اہم ہے، لیکن تمہیں پتا ہی ہے صورتِ حال کا۔

اشمل نے حیرت سے کہا، دادی، میں نے بہت محنت کی ہے اور آپ نے وعدہ کیا تھا۔ کیا آپ فیس افورڈ نہیں کر سکتیں؟

افرا بیگم کی آنکھوں میں ہلکی نمی تھی، مجھے معلوم ہے بیٹا پر۔۔۔۔زبیر سے میں نے فیس کی بات کی تھی مگر اس نے انکار کر دیا، کہا کے میں خود بہت مالی تنگی کا شکار ہوں، فی الحال ممکن نہیں۔

اشمل نے سر جھکایا، دل عجیب سی کمی محسوس کر رہا تھا۔اُسے زبیر سے کبھی کوئی امید نہیں رہی تھی پر پھر بھی اُنکی طرف سے ایسی بات سننے کے بعد دل نئی طرح سے دُکھا تھا۔افرا بیگم نے شائستگی سے کہا

"میں تمہارے خوابوں کی اہمیت کو سمجھتی ہوں لیکن بیٹا ہمیں اپنے وسائل کو بھی مد نظر رکھنا چاہیے۔"

اشمل نے نرمی سے کہا آپ فکر نہ کریں ہم کوئی اور حل نکال لیں گے۔

افرا بیگم نے اثبات میں سر ہلایا اور اشمل کی ٹھوڑی پر پیار سے ہاتھ پھیرا

انشااللہ۔ پچھلے سال تمہاری شادی کے لئے ایک سونے کا سیٹ بنوایا تھا تم اسے بیچ کے اپنی فیس ادا کر دو مانو ویسے بھی ایسی چیزیں مشکل وقت میں کام آنے کے لیے ہی ہوتی ہیں۔

پہلی دفعہ مجھے میری شادی والے تزکرے پہ خوشی ہوئی ہے۔وہ شرارت سے کہنے لگی۔ سرمئی آنکھوں میں چمک اُبھری تھی۔

بدتمیز۔افرا بیگم نے اُسے گھورا

"مسز شاہ آپ اس دنیا کی بیسٹ عورت ہیں اور۔۔۔۔اور آپ میری فیورٹ ہیں"

مکھن نہ لگاؤ بھئی۔انہوں نے ہاتھ کو ہوا میں لہراتے تھپڑ مارنے کا اشارہ کیا۔

سرمئی آنکھیں قہقہ لگانے کی وجہ سے چھوٹی ہو گئی تھیں۔دادی کو شکریہ کہتی چند منٹ بعد کمرے سے باہر نکل گئی۔

اس دنیا کی چیزوں پر اگر میرا اختیار ہوتا تو میں ہر نعمت تمہارے نام کر دیتی۔افرا بیگم کے آخری جملے نے اشمل کو پلٹ کر دیکھنے پہ مجبور کر دیا تھا۔ مگر سچ تو یہ تھا کہ دنیا کی نعمتوں میں اشمل اور افرا کا حصہ نہیں رکھا گیا تھا۔

****

منیبہ نے منسا کو اشارے سے ٹرالی آگے لانے کو کہا جس میں چائے کے کپ، بسکٹ، اور مختلف قسم کے کیک رکھے تھے۔تایا فرقان اور ظہیر آپس میں سیاست کی باتیں کر رہے تھے، منیبہ اور تائی روبینہ کے درمیان درزی کے سوٹ خراب کر دینے کے حوالے سے گفتگو جاری تھی۔چائے کی خوشبو اور اپنائیت بھرے ماحول نے محفل کو مزید پُر سکون بنا دیا تھا۔

منسا اپنے ماں باپ کے ساتھ اس وقت ولید فرقان کی رہائش گاہ پر موجود تھی۔دونوں بھائیوں نے ایک دوسرے کے برابر میں گھر لئے تھے یہی وجہ تھی کہ اس طرح کی محفلوں کے مواقع بے شمار تھے۔

فرقان کا گھر ایک وسیع عمارت پر مشتمل تھا۔گھر کے اندر، ایک وسیع اور آرام دہ لاؤنج تھا جس میں صوفے اور آرام دہ کرسیوں کا اہتمام تھا۔

منیبہ اور ظہیر ولید فرقان سے محو گفتگو تھے، جبکہ منسا خود ایک طرف بیٹھ کر چائے پینے بلکہ فون استعمال کرنے میں مگن تھی۔

چائے کی خوشبو کمرے میں پھیل رہی تھی، اور ہر کوئی خوشگوار موڈ میں تھا۔ویسے بھی ان کے گھروں کا ماحول ازل سے دوستانہ تھا۔

منسا کو فون میں مگن دیکھ تایا اپنی جوانی کے دنوں کے قصے سنانے لگے تھے جن میں پرانی یادیں اور ہنسنے ہنسانے والے واقعات شامل تھے۔

ان کی ترکیب کام کر گئی تھی منسا واقعی فون سائیڈ پہ رکھ کر متوجہ ہو گئی تھی۔چائے کی پیالی کے ساتھ رکھے بسکٹ کھاتے اب وہ تایا کی کہانیوں میں دلچسپی لے رہی تھی۔اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی اور وہ کبھی کبھار اُن سے سوال کرتی یا سر ہلا کر ان کی باتوں سے اتفاق کرتی۔چند منٹ بعد منسا ایکسکیوز کرتی کچن کی طرف بڑھ گئی۔ تیمور فی الحال اس محفل کا حصہ نہیں تھا، ہوتا بھی تو کیا فرق پڑتا؟ فرقان تب بھی اسے نظر انداز کر دیتے۔ بعض والدین کو سب کی اولادیں پسند آجاتی ہیں، سوائے اپنے۔ تیمور کو اُس کے گھر

سے کبھی محبت نہیں ملی تھی مگر وہ عمر کے اس حصے میں تھا جہاں اُس کو لاکھ بُرا لگنے کے باوجود خود کو بُرا نہیں لگنے دے سکتا تھا۔ کیوں کہ ہم اُس معاشرے کا حصہ ہیں جہاں مردوں کے جذبات کی اس قدر تذلیل کی جاتی ہے کے وہ ایک پوائنٹ پر آ کر کچھ بھی ایکسپریس کرنا ہی گناہ سمجھنے لگتے ہیں۔ تیمور ولید اُس ہی پوائنٹ پہ کھڑا تھا۔

گفتگو کے دوران، پرانی یادوں کو تازہ کرتے اچانک فرقان ولید نے ایک سنجیدہ انداز اپنایا اور اپنی نظریں منسا کے والدین پر مرکوز کیں۔

تم دونوں سے ایک اہم بات کرنی ہے۔ فرقان ولید نے بات شروع کی، اور بہت باوقار انداز میں بات جاری رکھی ہم چاہتے ہیں کہ ہماری بچی منسا کی منگنی بھی ہمارے ہی خاندان کے کسی فرد سے ہو، اور میں سوچتا ہوں کہ یہی وقت ہے کہ ہم منسا اور تیمور کے رشتے کے بارے میں بات کریں۔ ویسے بھی میرا خیال ہے اُن دونوں کی ایک دوسرے سے بہت انڈراسٹینڈنگ ہے۔

منیبہ اور ظہیر نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر چند لمحے کے بعد منیبہ نے کہنا شروع کیا، "آپ کی بات بالکل ٹھیک ہے بھائی صاحب پر یہ ایک بہت بڑا قدم ہے ویسے بھی ہم چاہتے ہیں کہ کم از کم یہ پہلے اپنی ڈگری مکمل کر لے، پڑھ لکھ لے پھر ہی اس بارے میں ہم کوئی فیصلہ کریں۔

ولید نے مسکراتے ہوئے کہا، بالکل، میں اور روبینہ بھی یہی چاہتے ہیں اس لئے ہماری طرف سے تم لوگوں پہ کوئی زور زبردستی نہیں جب تم دونوں کو مناسب لگے، ہم اس بارے میں مزید بات چیت کریں گے

گفتگو ایک خوشگوار نوٹ پر ختم ہوئی تھی ولید نے ظہیر اور منیبہ کی باتوں کا بُرا نہیں منایا تھا۔ سب نے چائے کی پیالیوں کو دوبارہ سے اٹھا لیا تھا مگر منسا؟ وہ کچن میں کھڑی وہیں برف ہو گئی تھی۔ شادی؟ اس کی؟ وہ بھی تیمور سے؟ منسا نے دور دور تک ایسا کبھی نہیں سوچا تھا۔ وہ تیمور کو پسند کرتی تھی مگر یہ اُس نوعیت کی پسندیدگی نہیں تھی جس میں آپ سامنے والے شخص سے شادی کرنے کا خیال رکھتے ہیں۔ یہ پسندیدگی اُس نوعیت کی تھی جس میں آپ اُس انسان کو بطورِ انسان پسند کرتے ہیں اور یہ سب باتیں اپنے گھر والوں کو سمجھانا منسا کے لیے بے حد مشکل تھا۔

****

اشمل یونیورسٹی جانے کے لیے گھر سے نکل رہی تھی۔ صبح کی روشنی نے شہر کو سنہری چمک دی تھی، آئینے میں خود پہ نظر ڈالتی ،اپنے دونوں گالوں پر رگڑ رہی تھی۔ بیگ کو کندھے پر ڈالتے c لڑکی سیاہ لباس میں ملبوس تھی کندھے پہ دوپٹہ ڈالے وہ ہلکا سا ٹِنٹ ہاتھ میں پانی کی بوتل پکڑے تیز قدموں کے ساتھ وہ کمرے سے باہر نکل اب نورین کے لاؤنج میں کھڑی تھی، نورین نے اُسے آتا دیکھ اپنا رُخ اُسکی جانب کر لیا تھا۔

اشمل کو اندر آتے دیکھ وہ تیکھے انداز میں بولی

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟''

وہ تائی میرا کُھسا ٹوٹ گیا تھا تو حباسے۔۔ نورین نے ترشی سے اُس کی بات کاٹ دی

لڑکی وہاں کلاسز ہی ہوتی ہیں نا؟ یاں عشق معشوقی کرنے جاتی ہو جو تمہیں سر سے پاؤں تک ہر چیز میچ کرنی ہے۔ ''سرمئی'' آنکھوں میں پانی تیرنے لگا تھا۔ افرا بیگم اُس سے کہا کرتی تھی کہ اشمل تمہاری آنکھیں سب ظاہر کر دیتی ہیں اور اُس کی آنکھیں اس وقت بھی سب ظاہر کر رہی تھیں۔ اشمل اُلٹے پاؤں مڑنے لگی تو وہ پیچھے سے بولنے لگی

نورین کی آنکھوں میں ناپسندیدگی کی جھلک نمایاں ہوئی۔ اشمل کے پیچھے جا کر، زہر آلود لہجے میں بولنا شروع کیا۔

تمہاری حیثیت کے لحاظ سے تو تمہیں یہاں گھر تک محدود رکھنا چاہیے، ایسی جگہوں کے بارے میں تو سوچنا بھی نہیں چاہیے! کہا بھی تھا حسیب سے نہ دیں اجازت سو چو اب کل کو بھاگ گئی تو؟ کون لے گا ذمہ داری؟ کمال کرتے ہیں یہ بھی۔

نورین کی آواز میں تیزابیت اور تمسخر تھا، اشمل کا چہرہ سرخ ہو گیا، چہرے پر دکھ کی لکیریں واضح تھیں۔ وہ سر جھکا کر تیزی سے چلنے لگی، مگر اس کے گالوں پر بہتے ہوئے آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے ایک لمحے کو آنکھوں سے بہتے دریا کو چھپانے کی اُس نے ناکام کوشش کی مگر نورین کی باتوں کے بوجھ نے اس کی کمر کو مزید توڑ کر رکھ دیا تھا۔ اس کے چہرے پر کرب تھا۔

nلان میں ایک لمحے کے لیے رک کر، گہری سانس لی، مگر اس کے آنسو اس کے گالوں پر مزید تیزی سے بہنے لگے۔ اسے اپنے اس قدر حساس ہونے پر شدید غصہ آیا تھا، کیوں تھی وہ ایسی؟ ہر بات کو محسوس کرنے والی؟ ہر بات کو دل سے لگا لینے والی؟ سرمئی آنکھوں کے کونے اب سرخ پڑنے لگے تھے۔ مسکینوں کو انسان، انسان کیوں نہیں سمجھتا؟

اللہ آپ سے حساب لے گا تائی، اللہ آپ کو وہاں مارے جہاں آپ کو پانی پوچھنے والا بھی کوئی نہ ہو۔ وہ اپنی سسکی روکے اپنا ناک رگڑ رہی تھی۔

وہ نم آنکھوں سے گیٹ کی جانب بڑھ گئی۔ ونڈو اسکرین سے نظر آتی ہوئی سڑک پر نظریں جمائے بیٹھی اس وقت اپنی قسمت پر رو رہی تھی۔ نورین کی تلخ باتوں کے اثرات کے ساتھ اپنے دن کا آغاز کرنا اب معمول تھا۔

****

صبح کی روشنی کمرے میں پھیل رہی تھی، اور ناشتہ سامنے تیار پڑا تھا۔ ناشتے کی ٹیبل پر نوفل، اسکی بہن ایمان، جو اپنے بڑے بھائی کو کالج کی جانب سے داخلے کی خبر سنانے کے لئے بیٹھی ہوئی تھی۔ ایمان نے جوش و خروش کے ساتھ یہ خبر دی کہ وہ میٹرک کے بعد اب کالج میں داخلہ لینے والی تھی۔

"بھائی آپ کو پتہ ہے میرا نام پہلی ہی میرٹ لسٹ میں آگیا ہے۔"

نوفل نے چمچ کو آگے پڑی پلیٹ میں رکھ دیا اور اپنی بہن کی بات سنی۔ چہرے کی ناگواری اسی لمحے ظاہر ہو گئی تھی۔

"کالج؟ سیریسلی؟"

نوفل نے بیزاری سے کہا میرے خیال سے میٹرک تک پڑھ لینا بہت ہوتا ہے اور تمہیں اس وقت گھر پہ فوکس کرنا چاہیے، اسکول میں ماما کی ڈیوٹی کے بعد ان کا خیال رکھنا چاہیے۔ گھر کے کام شام سیکھو بھئی، کل کو شادی بھی تو کرنی ہے تمہاری۔

ایمان کو لگا اُس نے نوفل کی بات ٹھیک سے نہیں سنی، اُسے شاید سننے میں کوئی غلطی ہوئی ہے۔

بھائی۔۔۔ وہ پلکیں جھپکے بغیر نوفل کو دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں میں ناسمجھی اور بے یقینی تھی۔

وہ ایمان کے لہجے کی تبدیلی بھانپ کر فوراً بولا، مان ابھی ہمیں ان سب باتوں پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ناشتہ کرو شاباش
۔

وہ خوشی اور جوش جو ایمان کے چہرے پر چند منٹ پہلے موجود تھا اب اُس کا دور دور تک نشاں نہیں تھا۔ نوفل کی باتوں نے اس کی امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا۔

نوفل ناشتہ کر کے اُٹھ کھڑا ہوا تھا جبکہ ناشتہ کی ٹیبل پر خاموشی سے وہ کتنی ہی دیر بیٹھی رہی۔ ہم لڑکیاں ہمیشہ سے سوچتی ہیں ہمارے خواب پورے کرنے میں ہمارے گھر کے مرد سب سے اہم کردار ادا کریں گے اور جب اُن خوابوں کو حقیقت بنانے کا وقت آتا ہے تو ہمارے گھر کا مرد سب سے پہلے ہم سے منہ موڑ لیتا ہے، ہمارا کانفیڈینس مسخ کر دیتا ہے۔ صرف سو میں سے ایک انسان اپنے گھر کی عورت کو اُس کے خواب پورے کرنے میں مدد دیتا ہے اور باقی سب لوگ اپنے گھر کی عورت کی نظر میں خود کو صفر کر لیتے ہیں۔ آج اس بات کے بعد نوفل نے بھی خود کو ایمان کی آنکھوں میں آفر کر لیا تھا۔

اس نے بہ مشکل اپنے حواس پر قابو پاتے ہوئے کہنا شروع کیا
میں گیو اَپ نہیں کروں گی۔ مجھے زندگی میں پڑھ لکھ کے آگے بڑھنا ہے

آنکھوں میں چھپے ہوئے آنسوؤں اور دھیرے دھیرے بڑھتی ہوئی مایوسی نے کمرے کی فضا کو بھاری بنا دیا تھا۔ وہ اپنی کرسی پر بیٹھے بیٹھے، اپنے مستقبل کے خوابوں اور موجودہ حقیقت کے درمیان کے فاصلے کو طے کرنے کی کشمکش میں گرفتار تھی۔

****

چند ہفتوں بعد

نورین کچھ دنوں سے بے چین سی نظر آ رہی تھی۔ گزشتہ ہفتوں میں کئی مرتبہ نورین نے اپنی محبت حیدر اور ماہین کے لیے جتانے کی کوشش کی تھی۔ معمول کے مطابق ہر روز وہ اپنے بیٹے حیدر کے کمرے میں جا کر وہاں کی ہر چیز کا خود خیال رکھتی، ماہین نے کبھی

نورین کی ان عادات کا بُرا نہیں منایا تھا وہ جانتی تھی کہ اُس نے اِس گھر کے نواب سے شادی کی تھی تو حیدر کی جانب سب کا متوجہ ہونا عام سی بات تھی۔

لیکن اس شام ماہین کو نورین کچھ مختلف لگی تھی اور اس چینج کی وجہ ماہین کو خود بھی سمجھ نہیں آئی تھی۔

نورین نے ملازموں کو حیدر کے پسندیدہ کھانوں کی فہرست تھما رکھی تھی، اور وہ ہر روز ان میں سے کچھ نہ کچھ بنواتی، تاکہ بیٹے کو وقتاً فوقتاً یہ بات یاد دلاتی رہے کہ حیدر کی زندگی میں اب بھی ایک جگہ ہے جس پہ صرف نورین حسیب کا حق ہے۔ اور یہ بات آج ماہین کو پہلی مرتبہ محسوس ہوئی تھی۔

وہ تینوں اس وقت ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے جب نورین نے موضوع چھیڑا

میں سوچ رہی تھی حیدر تم اور میں ایک ڈیڑھ ہفتے کے لیے لاس اینجلس چلے جائیں۔

I need some change

نورین کے منہ سے یہ جملہ سن کر سوفٹ ڈرنک کا گھونٹ لیتی ماہین ٹھٹکی۔ حیدر نے بے حد حیرانی سے پہلے ماں کو دیکھا پھر اپنے برابر میں بیٹھی ماہین کو۔

ممی میں تو نہیں جا سکتا اس ماہ، آپ حبا سے کہیں نا وہ چلے آپ کے ساتھ ویکیشن پہ یا بابا سے کہہ دیں

''تم کیوں نہیں چلو گے؟'' نورین نے بے یقینی سے دیکھتے ہوئے کہا۔ آفس کے کام کی تم فکر نہ کرو عمار سب ہینڈل کر لے گا۔

اُس نے بے اختیار کہا، ممی۔۔

میں اور ماہین اس ویک پیرس جانے کا پلان بنا رہے ہیں تو بس اس لیے۔ بس اتنی سی بات تھی اور نورین کا منہ پر پہنا ماسک ماہین کی نظروں کے سامنے اُتر کر سیدھا فرش پہ آ گرا تھا۔ ماہین پلکیں جھپکے بغیر نورین کو دیکھ رہی تھی۔ اور اچانک ماہین کو ہر بات کی سمجھ آنے لگی تھی

پچھلے ہفتوں میں نورین نے ہر ممکن کوشش کی تھی کہ اس کے بیٹے کے دل میں ماں کے لیے وہی پرانی محبت اور عادتیں قائم رہیں ۔ماہین کو لگا تھا وہ تھوڑی حساس ہیں حیدر کو لے کر مگر آج نورین کا یہ روپ دیکھ ماہین کو جھٹکا لگا تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ نورین کے دل میں یہ امید ہمیشہ سے تھی کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو ماما زبوائے بنا کے رکھے، جسے اپنی ماں کی محبت اور موجودگی کی ہمیشہ ضرورت رہے۔وہ ہر لمحہ اس خواہش میں جیتی رہی تھی کہ زندگی کے نئے حصے میں بھی، حیدر اسی طرح نورین کی باتوں کو حرف آخر مانتا رہے، جیسے بچپن سے مانتا رہا تھا۔وہ بیٹے کی نئی زندگی میں بھی پرانی عادات اور محبت کی جھلک ڈالنا چاہتی تھی۔

آج ماہین کو سمجھ آرہا تھا کہ وہ کیوں ہر بات سے اختلاف رکھتی تھیں، وہ کیوں حیدر کو اپنی بیوی کے ساتھ ہنستا دیکھ، خوش دیکھ اُس کے بچپن کی باتیں کرنے لگتی تھی۔ماہین کو یہ ریڈ فلیگز پہلے دن سے نظر آرہے تھے مگر اُس نے اپنی آنکھیں بند کر رکھی تھیں اور آج جب وقت نے بُلبلے کو توڑا تھا تو ماہین کو برا لگا تھا۔اپنے لیے نہیں، حیدر کے لیے۔اُسکی ماں ویسی عورت نہیں تھی جیسا وہ اپنی ماں کو سمجھتا تھا۔

نورین حیدر کی شادی کے بعد تقریباً ہر روز ڈپریشن کا سامنا کر رہی تھی۔اس وقت کمرے سے زیادہ نورین کے دل کی دنیا میں اندھیرا تھا۔

ماہین کے سامنے وہ ہر دوسری بات میں حیدر کو زندگی میں اپنی اہمیت کا ذکر کرتی تھی تاکہ ماہین کے دل میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ یہاں ہمیشہ نورین کی جگہ ہے۔ایسی جگہ جو حیدر نورین کے علاوہ کسی کو نہیں دے گا۔آج جب وہ نورین کو اپنی اچھائی کی عینک اتار کر دیکھ رہی تھی تو وہ خود بھی نہیں پہچان پائی تھی کہ اُس کی ساس کیسی عورت ہے۔

****

کچن میں قدم رکھتے حبا کی نظر سامنے کھڑی ماں پہ پڑی جو ملازم کو چائے بنانے کا حکم دی رہی تھی۔ حبا نورین کے پاس آ رکی، کہاں تھیں آپ؟

اماں کے پاس گئی تھی آج طبیعت کو پوچھنے، اشمل محترمہ کی تعریفیں کرتی رہیں اشمل یہ اشمل وہ مجھے بتا رہی تھیں کے اشمل نے اس سمسٹر بھی اپنی کلاس میں ٹاپ کیا ہے، دعوے اتنے بڑے مگر حقیقت میں کیا ہے وہ؟ لاوارث ہونہہ۔ مجھے تو اس دن کا انتظار ہے جب یہ اپنے کسی عاشق کے ساتھ بھاگ جائے گی۔ وہ پتا نہیں کیوں اسے بتاتی گئی۔

حبا نے تحمل سے ماں کی بات سنی اور اس نے لمبی خاموشی کے بعد افسوس کرتے ہوئے کہا، ماں، اشمل کے بارے میں ایسے الفاظ استعمال نہ کیا کریں۔ ہمیں کیا پتا وہ کیسی ہے؟ کسی کے کردار کے بارے میں ایسی باتیں کرنا مناسب نہیں ہوتا۔

نورین نے حیرت سے حبا کی طرف دیکھا اور اکڑ کر کہا، میں نے جو کچھ دیکھا وہی بیان کیا۔ آج کل کی اولاد ہی ایسی ہے ان کو لگتا ہے بس وہی ٹھیک ہیں ماں باپ تو ہر بات ہی غلط کہتے ہیں۔

میں جانتی ہوں کہ آپ اسے کچھ خاص پسند نہیں کرتیں، مگر وہ ایسی نہیں ہے اماں اس لئے آپ پلیز ایسی باتوں سے گریز کیا کریں کیونکہ یہ سب بہتان کے زمرے میں آتا ہے۔ وہ سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

نورین نے حبا کی باتوں کا جواب دینے کی بجائے اُس پر ایک ناپسندیدہ نظر دوڑائی اور کچن سے باہر چلی گئی۔

حجاب میں کھڑی لڑکی گہرے سانس لیتی رہ گئی۔ اشمل ایسی نہیں تھی اور اسکی ماں کو یہ بات سمجھنی چاہیے تھی۔

****

اشمل اور نوفل اس وقت ایک بڑے کانفرنس ہال میں موجود تھے جہاں وہ دونوں پچھلے کچھ گھنٹوں سے اپنی پریزنٹیشن پر کام کر رہے تھے۔ ہال میں ہلکی سی روشنی پھیل رہی تھی، اور پردے کے پیچھے اسکرین پر گرافکس اور معلومات چل رہی تھیں۔

اشمل نے اپنی پریزنٹیشن کے کچھ اہم نکات پر روشنی ڈالی جبکہ نوفل قریب ہی بیٹھا تھا نظریں اشمل پر مرکوز کیے۔

وہ اپنی تمام توجہ اشمل کی ہر ایک حرکت پر مرکوز کیے ہوئے تھا۔ سامنے کھڑی لڑکی اُسے الگ طرح سے پاگل کر رہی تھی اور شاید وہ کسی کو بھی پاگل کر سکتی تھی۔ نوفل کو اپنی طرف متوجہ پا کر اشمل جھٹ سے بولی، نوفل سیریئس ہو جاؤ، فی الحال میرے لئے اس پریزنٹیشن سے ضروری کچھ نہیں ہے۔

اور میرے لئے آپ سے زیادہ ضروری کچھ نہیں ہے۔ وہ اسکی جانب دیکھتے ہوئے دل میں بولا کیوں کہ اگر وہ یہ بات اشمل کے منہ پر کہہ دیتا تو اشمل اس کا منہ توڑ دیتی۔

میں اس عورت کو ساری زندگی اپنی روح کا حصہ بنا کر رکھنا چاہتا ہوں۔ نوفل نے دل میں اعتراف کیا تھا۔

پریزنٹیشن ختم ہوئی ہال میں سب لوگ تالیاں بجانے لگے۔ اشمل نے اپنی کامیاب پریزنٹیشن کے بعد ایک شکر گزاری کی مسکراہٹ کے ساتھ نوفل کی طرف دیکھا، جواب بھی اسے انہماک سے دیکھ رہا تھا۔

اشمل کی جانب رخ کیے نوفل نے کہا

" Ishmal you nailed it"

اشمل نے نرم مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا، تھینکس یہ ہم دونوں کی محنت تھی۔

نوفل کو خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ باقی کا پورا دن اس "ہم" پہ بلش کر کے گزار دے گا۔

اشمل نے نوفل کی آنکھوں میں ایک شے دیکھی جو اسے پہلے کبھی نظر نہیں آئی تھی۔ اور وہ تھی محبت۔

نوفل نے اس کی خاموشی کو نوٹس کرتے ہوئے کہا

" care to celebrate this victory over lunch ?"

اشمل بظاہر نوفل کو نظر انداز کیے اپنی چیزیں سمیٹ رہی تھی۔

ضرور کیوں نہیں۔ پہلے جملے پہ نوفل کو اپنا وجود ساتویں آسمان پر محسوس ہوا تھا مگر پھر وہ وقفے سے بولی

تم تو میری پھپھو کے بیٹے ہو نا جس کے ساتھ منہ اٹھا کر میں کہیں بھی چلی جاؤں گی۔ نوفل کے چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ آئی۔ وہ چند لمحے سامنے بیٹھے شخص کو دیکھتی رہی پر بے حد سنجیدگی سے بڑبڑاتی باہر نکل گئی۔

اشمل کے چلے جانے کے باوجود اس کی کہی بات کو یاد کر کے نوفل چہرہ جھکائے دل کھول کر ہنسا تھا۔

****

ایمان کو کالج جانے سے منع کرنے کے بعد وہ خود بھی افسردہ نظر آ رہا تھا۔ وہ کرسی پر، کتنے ہی گھنٹے سر جھکائے، ہاتھوں میں قلم پکڑے کمرے میں بیٹھا رہا۔ چپ کا عالم تھا، اس کا دل بھاری تھا مگر حقیقت یہی تھی کہ کالج کی فیس افورڈ کرنا ان کی استطاعت سے بہت باہر تھا۔ وہ کیسے ایمان کو کہتا کہ ان کی مڈل کلاس فیملی فی الحال اسکی پڑھائی کا بوجھ اپنے کندھے پر نہیں اٹھا سکتی؟ اُس نے ایک لمبی گہری سانس اندر کھینچی اور خود سے بڑبڑایا، ایمان، مجھے پتا ہے کہ یہ سن کر تمہیں دکھ ہوا ہے، لیکن ہم ابھی یہ اخراجات برداشت نہیں کر سکتے۔

نوفل کا دل چاہتا تھا کہ وہ اپنی بہن کی ہر خواہش کو پورا کرے، مگر مالی مشکلات نے اسے اس فیصلے پر مجبور کیا تھا۔ وہ خود اپنی ماں کی جاب پہ منحصر تھا۔ کمرے کی خاموشی اس کے دکھ کو سمیٹ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر تھکن اور پریشانی کے نشانات تھے۔ وہ خاموشی سے سوچ رہا تھا کہ کس طرح اپنے پیاروں کی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے مالی مشکلات کا سامنا کرے۔ جب اُس نے اپنے خاندان کی مالی حالت کو بہتر کرنے کی کوششوں پر غور کیا تو اُس نے ایک فیصلہ کیا، پڑھائی کے ساتھ ساتھ جاب کرنا۔ یہ فیصلہ اُس کے چہرے پر نئی امید کی جھلک لے آیا تھا۔ اُس نے جھٹ سے اپنی پڑھائی اور کام کے درمیان ایک توازن قائم کرنے کی منصوبہ بندی بھی کر لی تھی اور خود کو مستقبل کی ذمہ داریوں کے لیے کچھ حد تک تیار بھی کر لیا تھا۔

****

شام کو چچا کے گھر پہنچتے ہی اس نے اپنے غصے پر قابو کرنے کی کوشش کی۔ منسا کے کمرے کی طرف قدم بڑھتے تیز سانسوں کے ساتھ اس نے دروازہ کھولا۔ اندر داخل ہوتے ہی اس کی نظریں منسا پر گئیں، جو بظاہر ہر چیز سے بے خبر نظر آ رہی تھی۔

منسا نے تیمور کو دیکھتے ہی بدمزگی کا اظہار کیا لیکن تیمور نے ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے آنکھوں میں سرد مہری لئے وہ بولا ، یہ کیا ہے منسا؟

منسا نے نا سمجھی میں سر ہلایا

کک۔۔۔ کیا ہے؟

اپنا فون وہ تقریباً منسا کی جانب پھینکتے ہوئے کڑوے لہجے میں بولا

یہ سب کیسے کر لیا تم نے؟ مجھے یہ امید نہیں تھی تم سے۔ تیمور نے بڑی سرد مہری سے کہا۔

اس بار منسا کچھ بول نہیں سکی تھی، چند منٹ تک اُس نے جواب ڈھونڈنے کی کوشش کی لیکن اُسے کچھ سمجھ نہیں آیا کہ کیا کہے۔

بس ذہن میں ایک سوال اُبھرا تھا تیمور تک یہ تصویریں کیسے پہنچی تھیں؟؟؟

منسا کے فرشتوں کو بھی اس بات کا اندازہ نہیں تھا۔

تیمور نے اس کی خاموشی کا جواب خود ہی دیتے ہوئے کہنا شروع کیا یہ حرکت کر دینا شاید تمہارے لیے کوئی بڑی بات نہیں ہے لیکن اس کا نقصان اب ہمیں بھی برداشت کرنا پڑے گا تم۔۔۔ تم ہمیں یوں ذلیل کروا رہی ہو؟ چاچو جب پوچھیں گی تو کیا جواب دو گی؟ منسا کا رنگ مزید پھیکا پڑ گیا۔ تیمور کے لہجے کی ٹھنڈک منسا کو اپنی ہڈیوں کے اندر محسوس ہوئی تھی۔

منسا نے نظریں جھکاتے ہوئے کچھ کہنا چاہا لیکن وہ بول نہیں سکی۔

تیمور کی خاموشی نے اس کے اضطراب میں مزید اضافہ کیا تھا۔

اس سے پہلے کہ منسا کچھ کہتی تیمور نے سخت لہجے میں سوال کیا

تم چھوٹی بچی ہو؟

جسے اتنا بھی نہیں پتا کہ ایسی گھٹیا حرکتیں نہیں کرتے جن سے گھر والے بھی ذلیل ہوں؟ وہ کاٹ دار لہجے میں سوال کر رہا تھا۔

تیمور کے الفاظ کی شدت اور اس کی بے پناہ مایوسی نے منسا کو مزید شرمندہ کر دیا تھا۔

وہ کچھ کہنے لگا تھا لیکن جب اس کی نظر منسا پر پڑی، تو وہ رک گیا۔ منسا دھیمی آواز میں سسکیاں لے رہی تھی اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ منسا کی آنکھوں میں بکھرے آنسو اور لرزتی ہوئی آواز نے تیمور کے دل کے سو ٹکرے کر دیئے تھے۔

اُسے منسا پر ڈھیروں ترس آیا تھا۔

تیمور نے اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے نرم لہجے میں کہا

مینو، مجھے نہیں پتا یہ سب کیسے ہوا لیکن میں تمہیں اس حال میں نہیں دیکھ سکتا۔ پلیز مت رو، میں سب کچھ ٹھیک کر دوں گا آئی پرامس۔ وہ اب اُس کے آنسو پونچھ رہا تھا۔

منسا نے جھکے ہوئے سر کے ساتھ نم آنکھیں اٹھائیں، اور تیمور نے اس کے قریب جا کر اسے دلاسہ دینے کی کوشش کی تیمور کا لہجہ بے حد سخت تھا اور اُسے خود بھی اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا اب کی بار اس نے منسا کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اسے تھپکا **ہم اس مسئلے کا کوئی حل نکالیں گے۔ پر سب سے پہلے تمہیں خود کو سنبھالنا ہو گا۔**"

منسا نے کوئی جواب نہیں دیا تھا، اسے منسا سے جواب سننا بھی نہیں تھا۔ اسے منسا کی ہمت بننا تھا، اس کا ساتھ دینا تھا۔

"Try to Relax Yourself please Minsa!"

کوئی منسا کے ٹکرے ٹکرے کر دیتا تو شاید اُسے اتنی تکلیف نہ ہوتی جتنی اس وقت ہو رہی تھی۔ وہ کس کرب سے گزر رہی تھی یہ تیمور سے بہتر کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔

"Meenu Calm down I'm here for you No matter what"

وہ اُسے تسلی دے رہا تھا، اس کا سہارا بن رہا تھا۔ وہ ہمیشہ یہی کرتا تھا منسا کی پریشانیوں کے سامنے دیوار بن کر کھڑا ہو جاتا تھا تاکہ نقصان کی بھرپائی کی نوبت منسا تک نہ آئے۔ وہ آج بھی یہی کر رہا تھا، وہ منسا کے محافظ کا کردار ادا کر رہا تھا۔

منسا نے تیمور کی طرف نظریں اٹھائی آنکھیں آنسوؤں سے چمک رہی تھیں اور چہرے پر گہری اداسی چھائی تھی۔ وہ ایک بار پھر ہچکیوں سے رونے لگی۔ تیمور نے آہستگی سے منسا کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بے حد نرمی سے کہا

"منسا یہ سب کیسے ہوا؟"

،منسا کی آواز میں کپکپاہٹ تھی

میں نے غلطی کی ہے، تیمور۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ سب۔۔۔۔ میں نے کچھ تصاویر۔۔۔۔۔ منسا کی آواز، اس کے الفاظ اس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ وہ زار و زار رو رہی تھی تیمور نے گہری سانس لی۔

مت کرو۔ تم نہیں بتانا چاہتی تو میں نہیں پوچھوں گا آئی پرامس بس تم نارمل ہو panic منسا، تم مجھے جواب دہ نہیں ہو اس لئے ۔وہ بے اختیار نرم پڑا relax جاؤ پھر ہم اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کریں گے اوکے ؟ کچھ نہیں ہو گا میں ہوں نہ شاباش

منسا نے روتے ہوئے سر جھکایا

"میں اس سب کے لیے بہت شرمندہ ہوں۔ میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ یہ سب۔۔۔"

تیمور نے منسا کے چہرے کو نرم ہاتھوں سے اٹھایا **سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ میں تمہیں کبھی اکیلا نہیں چھوڑوں گا، مینو تم اکیلی نہیں ہو۔**

منسا نے تیمور کی باتوں پر اثبات میں سر ہلایا اور تیمور نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا، سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، خود کو پریشان مت کرو پلیز مجھے تم پر اعتماد ہے۔

ہم اس سچویشن کا سامنا اکٹھے کریں گے، لیکن سب سے پہلے تمہیں خود کو سنبھالنا ہو گا۔

منسا نے لرزتے ہاتھوں سے تیمور کے ہاتھ کو تھام لیا اس کا دل بوجھل ہوتا گیا، اور آنکھوں سے آنسو مسلسل گرتے رہے۔ تیمور نے خاموشی سے اس کے دل کو ہلکا ہونے دیا۔ تیمور نے بے بسی سے اپنی آنکھیں بند کیں۔

"بس ہو گیا دل ہلکا؟ اب تم مجھے روتی نظر نہ آؤ، میں خود سنبھال لوں گا یہ سب، فکر نہ کرو، ٹرسٹ می۔"

منسا نے گہری سانس لی مگر سر اٹھا کر تیمور کی طرف نہیں دیکھا تھا، تھینک یو، تیمور میں جانتی ہوں کہ یہ سب میری غلطی ہے، بلکہ یہ تو گناہ ہے۔

تیمور نے کوٹ اتار کر سائیڈ پر رکھ دیا اور منسا کے قریب گھٹنوں کے بل آ بیٹھا

ہم سب کی زندگیوں میں مشکلیں آتی ہیں، ہمیں لگتا ہے کہ جیسے دنیا میں سب سے زیادہ گنہگار انسان ہم ہیں، سب سے زیادہ غلطیاں ہماری ہیں لیکن منسا ہمارے قریب ایک ایسا انسان لازمی موجود ہوتا ہے جس کے گناہ ہم سے بھی کئی گنا زیادہ ہوتے ہیں مگر اس کو ہم سے پہلے معاف کر دیا جاتا ہے، بے پناہ عزت دی جاتی ہے پتہ ہے کیوں؟ کیونکہ اس نے نہ صرف توبہ کی ہوتی ہے بلکہ اللہ سے اچھا گمان رکھا ہوتا ہے، وہ شرمندہ ضرور ہوتا ہے مگر وہ اپنی ذات کو بار بار کمتر ہونے کا، گنہگار ہونے کا احساس نہیں دلاتا اور پھر اس کی اس باہمت کوشش پر اللہ اس کو مزید عزت عطا کرتا ہے تاکہ اس کی ہمت بڑھے اور وہ زندگی میں مثبت طریقے سے آگے بڑھتا جائے۔ وہ اسے بچوں کی طرح سمجھا رہا تھا۔

اس لئے تمہیں خود کو بلیم کرنے کی ضرورت نہیں ہے تم اس چیز کو آن ڈو نہیں کر سکتی۔ تم بس اس کا سامنا ایسے کرو کہ اس کے بعد تمہیں بے پناہ عزت ملے۔ منسا قدرے ہچکچائی۔

"میں نے کہا نہ تم اکیلی نہیں ہو ہم دونوں اس میں ایک ساتھ ہیں۔"

فرش پر نظریں جمائے وہ بھرائی آواز میں بولی

مجھے نہیں معلوم کہ میں یہ سب کیسے برداشت کرتی، اگر تم ساتھ نہ ہوتے۔

تیمور نے مسکراتے ہوئے جواب دیا، **دوست ہوتے ہی اس لیے ہیں تاکہ مشکلات میں ایک دوسرے کا سہارا بن سکیں جو صرف سکھ کا ساتھی ہو وہ دوست ہی کہاں ہوتا ہے؟**

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد، تیمور اپنا کوٹ تھامتے جانے کو اُٹھ کھڑا ہوا

سب ٹھیک ہو جائے گا، کھانا کھا کر مجھے ٹیکسٹ کرنا اور کسی بات کو اوور تھنک کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تنبیہ کر رہا تھا

۔

منسا بس اُسے دیکھ کے رہ گئی وہ شخص کوئی نعمت تھا یا شاید کوئی معجزہ۔ کوئی خواب تھا یا شاید کوئی صلہ۔ پتا نہیں کیا تھا مگر جو بھی تھا اللہ تعالیٰ نے اسے منسا ظہیر کی زندگی میں اس کی سب سے بڑی طاقت بنا کر بھیجا تھا۔

****

اعتبار کا آئینہ
از علیہا زاہد

باب نمبر:3

امید اور خوابوں کی دوڑ میں
محبت بھول گئی تھی
محبت کے داغ جو کبھی رہنے کے لیے نہیں تھے
ہمیشہ کے لیے اپنے نشان چھوڑ گئے تھے
اس کھوئی ہوئی محبت کی سچائی
جھوٹ میں بدل گئی تھی
وہ پہلی کھوئی ہوئی محبت
آخری الوداع ہو گئی تھی

محبت کے ساتھ جو درد آتا ہے
وہ کڑوا بیٹھا ہوتا ہے
محبت میں غم کے ساتھ ساتھ خوشی ہوتی ہے
مگر غم ہمیشہ فہرست میں اول پہ آتا ہے
خوشی صفِ اجزا میں بہت بعد میں آتی ہے
اور اب جب ایک نئی کھڑکی کھلی ہے
ایک نیا سفر شروع ہوا ہے
ایک نئی امید کھل اُٹھی ہے
اب بھی وقت ہے
کہانی پھر سے شروع ہو سکتی ہے

سوال یہ ہے کہ

کیا تم کہانی پھر سے لکھنا بھی چاہتے ہو؟

یاں تم حالات سے سمجھوتا کر چکے ہو؟

یہ ایک نئی زندگی کا آغاز ہے

آنکھوں میں اک نیا خواب ہے

ذہن میں اک نیا خیال ہے

مختصر یہ کہ اب میں بھی ایک نیا انسان ہوں

میں بدل گیا ہوں کیونکہ

زندگی بدل گئی ہے

تقدیر پھر سے لکھی جا سکتی ہے

سفر شروع سے شروع ہو سکتا ہے

کیونکہ حیاتِ اسلوب اب بدل چکا ہے

اب جب سب بدل چکا ہے

تو کیا میں اب بھی ہوں وہ انسان

جو میں پہلے ہوا کرتا تھا؟

یاں میں نے کھو دیا خود کو

اس خود شناسی کے سفر میں

اعتبار کا آئینہ
از علیہا زاہد

اب میں جینا چاہتا ہوں ایک نئ طرز سے مگر شاید مجھے یاد رکھنا چاہیے کہ ایک وقت تھا جب اُمید اور خوابوں کی دوڑ میں محبت بھول گئ تھی۔اُس کھوئی ہوئی محبت کی سچائی جھوٹ میں بدل گئ تھی اور یوں دیکھتے ہی دیکھتے میری کھوئی ہوئی محبت آخری الوداع ہو گئ تھی۔

****

جب زبیر شاہ نے افرا بیگم کو اطلاع دی تو اُس کا اپنا دل بھی بوجھل تھا۔ان کا بیٹا اپنی بیوی بچے سمیت نئ جگہ منتقل ہو رہا تھا تو ان کی آواز کی اداسی جائز تھی۔دل پر ایک غمگیں سناٹا چھا گیا تھا،آنکھوں میں ایک ہلکی سی نمی،شاید آنے والے آنسوؤں کی نشانی تھی۔ جھریوں زدہ چہرے پر ایک سنجیدہ تاثر تھا۔زبیر نے یہ سب بتاتے سر جھکائے رکھا تھا جسے دیکھ افرا بیگم نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہنا شروع کیا بیٹے،یہ زندگی کا حصہ ہے۔ہر نیا سفر نئ امیدیں اور مواقع لے کر آتا ہے۔ہو سکتا ہے اپنی ماں اور بیٹی سے دوری زندگی میں تمہارے بہت سے مسئلے حل کر دے۔وہ طنز نہیں کر رہی تھیں وہ اپنی لاڈلی اولاد کو طنز کر بھی کیسے سکتی تھیں۔کتنا مشکل ہوتا ہے اپنے ٹوٹے دل کو ہاتھ میں لئے کسی کو یہ سمجھانا کہ سب ٹھیک ہو جائے گا،کسی کو یہ کہنا کہ فکر نہیں کرنی،اداس نہیں ہونا۔جب کہ سب سے زیادہ تو آپ کا اپنا دل اس کیفیت میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔سب سے زیادہ دل تو آپ کا دکھا ہوتا ہے،سب سے زیادہ تکلیف تو آپ کے حصے میں آئی ہوتی ہے۔

زبیر نے افرا بیگم کے منہ سے یہ سب باتیں سنی تو اس نے سر جھکا کر آنکھیں سختی سے میچ لیں۔آج اُسے اپنے فیصلے پر ناچاہتے ہوئے بھی ماں کے سامنے نادم ہونا پر رہا تھا وہ بھی صرف فریال کی وجہ سے۔جیسے زندگی میں موجود مثبت سوچ کی عورت آپ کی عزت بڑھنے کا باعث بنتی ہے بالکل ویسے ہی ایک منفی خیالات رکھنے والی عورت آپ کی عزت کم کروا دیتی ہے،آپ کے محبت سے محروم ہونے کی وجہ بنتی ہے۔زبیر بہت سی سوچوں کے ساتھ سست روی سے کمرے سے نکل سیڑھیوں کی طرف لپکا۔

کمرے کی خاموشی اور افرا بیگم کی دل گرفتگی نے اُس لمحے کو پہلے سے زیادہ تنہائی کا احساس دلایا تھا۔

افرا بیگم کے دل کی گہرائیوں سے ابھرنے والی دعا، زبیر کو امید تو فراہم کر رہی تھی مگر ماں کی اداسی نے اُسے اُس لمحے میں ایک نیا اور ذاتی احساس دے دیا تھا۔ زبیر کو ایک لمحے کے لیے لگا وہ غلطی کر رہا ہے۔ بھلا جنت سے خود کون دور بھاگتا ہے؟ خیر جو بھاگتے ہیں وہ اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔

دوسری جانب بیٹے کے جانے کی خبر نے انھیں جذباتی طور پر بوجھل کر دیا تھا۔

اولاد کو زندگی میں ترقی کرنی چاہیے، آگے بڑھنا چاہیے مگر اتنا بھی نہیں کے ماں باپ پیچھے رہ جائیں اور اولاد ان کے جذبات پر پاؤں رکھتی آگے بڑھ جائے۔۔۔۔

****

کمرے کی ایک طرف کھڑکی سے باہر کی ہلکی روشنی اندر آ رہی تھی۔ دیواروں پر قرآن مجید کی چند ایک آیات کی خطاطی موجود تھی جو اس کی شخصیت میں موجود روحانیت کی جھلک دیتے تھے۔

دیواروں کے اوپر آیات کے گرد خوبصورت پھولوں کی بیل موجود تھی جو پہلی مرتبہ دیکھنے پر کسی طرح سے بھی مصنوعی نہیں لگتی تھی۔

کمرے کے دوسرے حصے میں ایک چھوٹا سا قالین سجا تھا۔ خوبصورت فرنیچر نے کمرے کی کشش میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔

سامنے پڑی میز پر یونیورسٹی فارموں کے انبار لگے ہوئے تھے، ساتھ ہی کچھ قلم، ایک پنسل، اور چند ہائی لائٹرز بھی پڑے ہوئے تھے۔ ہلکے نیلے رنگ کے حجاب اوڑھے وہ ایک فارم کو بغور دیکھ رہی تھی۔ شفاف گلابی چہرے پر توجہ اور سنجیدگی کا عنصر تھا۔ کبھی کبھار، وہ فارم کی تفصیلات چیک کرنے کے لیے کسی بھی خانے کو دوبارہ دیکھتی، ارد گرد کمرے میں مکمل خاموشی تھی، صرف قلم

کی نرم سی کھچا کھچ اور کاغذ کی سرسراہٹ کی آواز سنائی دیتی تھی۔اُسے کوئی ڈسٹرب کرنے والا نہیں تھا۔وہ اشمل کو بہت پسند کرتی تھی،وہ اشمل جیسی بننا چاہتی تھی اس لیے وہ پڑھنا بھی اشمل کی یونیورسٹی میں ہی چاہتی تھی۔سامنے رکھے اُس آخری فارم کو حبا نے آخر میں کسی وجہ سے ہی پُر کیا تھا۔کام مکمل ہوا تو اس نے سُکھ کا سانس لیا اور کچھ کھانے کی نیت سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

چند لمحے بعد وہ مسرور سی اب ٹیرس پہ بیٹھی چائے پی رہی تھی۔اُسے یقین تھا کہ وہ اپنی مرضی کے ادارے میں باآسانی چلی جائے گی،اس لئے نہیں کہ اُس کا باپ معروف بزنس مین تھا بلکہ اس لیے کہ وہ دعا ہی اتنے یقین سے کرے گی کے اللہ تعالیٰ اُس کی بات کو رد نہیں کرے گا۔

بس ایک دفعہ وہ اس یونیورسٹی میں داخلہ لے لے۔بس ایک دفعہ۔۔۔

****

منسا دھندلی روشنی سے روشن کمرے میں سر جھکائے بیٹھی تھی۔کمرے کی خاموشی میں،بس منسا کے گہرے سانسوں کی آواز سنائی ،دیتی تھی۔اپنے گناہوں کے خیال میں محو،آنکھیں نم کیے وہ آنسو پیتی ساکت بیٹھی تھی۔چہرے پہ ڈھیروں افسوس اور پچھتاوا لیے دل کی حالت ایسے تھی جیسے اس کے دل پر کسی نے بھاری پتھر رکھ دیے ہوں اور ان پتھروں نے منسا ظہیر کا سانس لینا مشکل کر دیا ہو۔

منسا آنسو بہاتے،ہاتھ میں بلیڈ پکڑے، گزشتہ دو گھنٹے سے خود کو اذیت دے رہی تھی۔اپنی کلائی پہ چھوٹے چھوٹے کٹ لگاتی وہ روئے جا رہی تھی۔آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے،ہاتھ کانپ رہے تھے مگر بے جان پڑتے جسم کے باوجود وہ رکی نہیں تھی وہ بار بار اپنے گناہوں کا تصور کر کے مزید دل گرفتہ ہو رہی تھی۔وہ خود کو ہر بات کا ذمہ دار سمجھ رہی تھی اور کیوں نہ سمجھتی،اس ہی کی غلطی اسے آج یہ دن دکھا رہی تھی۔اسے کس نے کہا تھا یہ سب کرنے کو؟ایک منٹ! غلطی؟اس نے جو کیا تھا وہ تو گناہ تھا۔ غلطیاں ایسے روح زخمی تھوڑی کرتی ہیں گناہ ہی اس طرح کلیجہ چیر دیتے ہیں۔منسا نے گناہ کیا تھا کسی نامحرم پہ اعتبار کر کے اور شاید

اس گناہ کی کوئی معافی نہیں ہوتی۔اس لئے اب اگر وہ خود کو سخت سزا دے بھی رہی تھی تو وہ کچھ غلط نہیں کر رہی تھی۔منسا ظہیر اس اذیت کی حقدار ہے۔یہ اس کے حصے کی تکلیف ہے۔وہ خود کو ڈپٹتے ہوئے پھر سے کٹ لگا رہی تھی، بڑی مہارت سے۔جیسے اس کے گناہوں کا بوجھ کم کرنے کا یہی واحد طریقہ ہو۔

منسا نے اپنے پیچھے رکھی کرسی پر سر ٹکا دیا جسم کی ساری توانائی ختم ہو چکی تھی۔اس کی سانسیں تیز اور بے ترتیبی سے چل رہی تھیں۔ دیواروں پر چھپے شاداب رنگ، جو کبھی زندگی کی علامت تھے، اب افسوس کی تصویر بن چکے تھے۔

چمکتے ہوئے گہرے رنگوں کے ساتھ روشنی کی جھلکیاں کمرے میں منتشر ہوئیں، لیکن منسا کی آنکھوں میں ان رنگوں کی خوبصورتی نظر نہیں آئی۔وہ اپنی شکست خوردہ حالت میں مغموم، ہر ایک لمحے میں اپنی گمشدہ امیدوں اور خوابوں کا تصور کر رہی تھی۔

منسا نے بے اختیار کمرے میں پڑی چیزوں کو بکھیرنا شروع کر دیا اور پھر تڑپ کر زمین پر آ بیٹھی۔خالی آنکھوں میں زندگی کی چمک ختم ہو گئی تھی۔وہ خود سے باتیں کرتی، بار بار اپنے گناہوں کو دہرا کر اپنے دل کی آگ کو مزید بھڑکا رہی تھی۔''منسا یہی اوقات ہے تمھاری، ٹھیک ہوتا ہے تم جیسی لڑکیوں کے ساتھ جو کسی نامحرم کو خوش کرنے، اس کی داد لینے کے لیے حد سے آگے بڑھ جاتی ہیں ۔''منسا نے اپنے دل کو ننگے پاؤں کوئلوں پہ چلانے کا فیصلہ کیا تھا۔

اسے لگا تھا کہ اس کے ارد گرد کی دنیا خاموش اور بے حس ہو چکی تھی۔کسی کو فرق ہی نہیں پڑ رہا تھا کوئی اُس کے دکھ کا اندازہ ہی نہیں کر پایا تھا۔اپنی خطاؤں کے احساس میں ڈوبی وہ لڑکی خود کو یاد دہانی کروا رہی تھی کہ اس کی زندگی کی روشنی اب دھندلا چکی ہے اور اُس کے پاس اب واپس جانے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔کمرے کی ٹھنڈی اور سنسان فضا میں وہ اپنے چہرے کو ہاتھوں میں چھپاتے ہوئے، اپنے گناہوں کے بوجھ سے بچنے کی کوشش کر رہی تھی۔اور کرتی بھی کیا وہ؟اس نے خود کو منہ دکھانے لائق چھوڑا بھی کہاں تھا۔اس کے چہرے پر اضطراب اور شدید کرب کے آثار واضح تھے۔آنکھوں میں سرخی لیے بیٹھی منسا ظہیر کی سانسیں تیز اب مزید بے ترتیب تھیں۔ہر سانس کے ساتھ اذیت پہلے سے کئی گناہ بڑھ رہی تھی۔

اس کے بدن کی حالت ایسی تھی جیسے اس پر کوئی بوجھ ڈالا گیا ہو جسے اٹھانا اس کے بس سے باہر ہو۔ وہ بار بار اپنی آنکھوں کے کونے پونچھتی رہی، مگر آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ اس کی تو اپنی آنکھیں بھی اس پہ رحم نہیں کر رہی تھیں دنیا میں کسی دوسرے کی آنکھ کیا ہی ترس کھاتی منسا پر۔

ہاتھ بے ساختہ لرز رہے تھے۔ منسا کی مغموم سسکیاں اور ہچکیاں کسی کا بھی دل توڑ سکتی تھیں۔

وہ اپنی زندگی کے اس مشکل لمحے میں پھنس گئی تھی جہاں سے شاید فرار نہیں تھی۔ ایسی قید جہاں سے رہائی ممکن نہیں تھی اسے اپنی پوری شخصیت ایک سیاہ بادل کی طرح دکھائی دے رہی تھی اور یہی وہ سچ تھا جو منسا کی تکلیف کو مزید بڑھا رہا تھا۔ اپنے وجود میں شرم کی اس لہر نے اسے اس طرح بے بس کر دیا تھا کہ بس۔۔۔۔۔ منسا آئینے میں کبھی کبھار خود کو دیکھتی مگر خود سے نظریں ملاتے اُسے ایسا لگتا جیسے اپنے عیب اور گناہ اس کے سامنے عیاں ہو گئے ہوں۔ سانسیں گھٹتی جا رہی تھیں وہ بار بار اپنے آپ کو سہلاتی، شرم کی شدت اس کے پورے وجود پہ کپکپاہٹ طاری کر رہی تھی۔ اس کی نظریں زمین کی طرف مرکوز تھیں۔

وہ اپنے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے ڈھانپے ہوئے، اپنے آپ کو دنیا سے چھپانے کی کوشش میں مشغول تھی۔ وہ چہرہ جو کبھی اعتماد اور امید کی علامت تھا اب گناہ اور پچھتاوے کے بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ اس حرکت کے بعد وہ خود کو معافی کے قابل نہیں سمجھتی تھی۔ ایک لمحے کو آنکھیں بند کرتے ہوئے اسے اللہ سے بے پناہ خوف آیا تھا، اس نے توبہ نہیں کی تھی اب تک۔ کیوں؟ اسے خود بھی نہیں پتہ تھا۔

بس اللہ تعالیٰ کے سامنے گناہ کو اون کرنے کی اس کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔

وہ بلک بلک کر اللہ کے سامنے اپنی بے بسی کا اعتراف کر رہی تھی۔

منسا نے ایک پل کے لیے قلم کو اپنے ہاتھ میں پکڑا، لیکن اس کے دل میں چھپے درد نے اسے رونے پر مجبور کر دیا۔ اس کی آنکھوں سے ٹپکتا ہوا آنسو صفحے پر بکھر رہا تھا۔

اس نے ایک لمحے کے لیے قلم کو ہاتھ میں پکڑ کر اپنے دل کی باتوں کو الفاظ میں ڈھالنے کی کوشش کی، قلم کی نوک کو کاغذ پر رکھا، الفاظ نے دھیرے دھیرے شکل لینا شروع کر دی۔ وہ جو کچھ لکھنا چاہتی تھی، اس نے لکھا تھا لیکن الفاظ آنکھوں کے سامنے دھندلے ہوتے جا رہے تھے۔ کاغذ پر آنسو بہہ کر سیاہی کو پھیلنے پر مجبور کر رہے تھے۔ ہر لفظ جو صفحے پر لکھا جا رہا تھا کاغذ کے ساتھ ساتھ منسا کے گلٹ کی زمین پر بھی سیاہی انڈیل رہا تھا۔

یہ خط اس نے اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے لکھا تھا۔ آنکھوں سے گرتے ہوئے آنسو اور دل کی گہرائیوں سے نکلتے ہوئے الفاظ اس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ یہ صرف ایک پیغام نہیں تھا بلکہ منسا ظہیر کی بکھری روح کی آواز تھی۔ وہ چاہتی تھی اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دے۔ منسا کی لکھائی میں موجود اذیت واضح تھی۔

جب خط مکمل ہوا، تو منسا نے اسے ایک بار پھر بغور دیکھا۔ اللہ تعالیٰ سے معافی مل جائے گی نا؟ ہاں آپ مجھے سمجھ جائیں گے آئی نو۔

اس نے خط کو ایک صاف لفافے میں رکھا اور آہستہ سے اٹھ کر اسے ایک بیڈ کے دائیں طرف پڑی ٹیبل کے خانے میں رکھ دیا۔

****

نوفل اور اس کی ماں مریم ایک تیار شدہ ناشتے کی ٹیبل پہ موجود تھے۔ مریم کی آنکھوں میں فکر اور محبت کا ملا جلا تاثر تھا جبکہ نوفل ناشتہ کرتے ہوئے محبت بھری نظروں سے ماں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

چائے کا کپ نوفل کے سامنے رکھتے ناشتے کے دوران مریم ادھر ادھر کی باتیں
کرنے لگی تھی نوفی آگے کے کیا پلانز ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔

نوفل نوالے کی طرف سے توجہ ہٹا کر بولنے لگا، کچھ خاص نہیں، ابھی تو سوچ ہی رہا ہوں۔ دوبارہ ناشتے کی طرف متوجہ ہوتے اس نے جواب دیا۔

مریم نے سر کو خم دیا

کوئی مسئلہ تو نہیں؟

نوفل نے مسکراتے ہوئے جواب دیا

نہیں، ماں، سب کچھ ٹھیک ہے۔

مریم بے حد اطمینان سے ناشتہ کرنے لگی۔

ناشتے کے بعد نوفل اور مریم کچن سے باہر نکلے۔ مریم صوفے پر موجود اپنا بیگ اٹھاتے، اپنے جوتے پہنتے ہوئے چہرے پر ایک مسکراہٹ سجائے نوفل کو دیکھ رہی تھی۔ نوفل نے چابیوں کے گچھے کو اٹھایا اور اپنی بائیک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا
ماں، میں آپ کو سکول چھوڑ دیتا ہوں۔

ماں نے نوفل کی طرف محبت بھری نظر سے دیکھا اور کہا
اس کی ویسے ضرورت تو نہیں مگر چلو میرا بیٹا اتنا اصرار کر رہا ہے تو چلتے ہیں۔

اصرار؟ استغفر اللہ مس مریم۔

کہتا وہ باہر نکل گیا۔

بائیک کے قریب پہنچتے ہی نوفل اس کی سیٹ پر سے دھول جھاڑنے لگا۔اس نے ہیلمٹ کی طرف اشارہ کیااور مریم سے مخاطب ہوا، یہ پہن لیں، پیچھے بیٹھے بندے کی جان زیادہ قیمتی ہے یونو

ایک آنکھ دباتے وہ اپنی ماں کو تنگ کر رہا تھا۔

مریم نے ہنس کر ہیلمٹ پہنااور نوفل کے ساتھ بائیک کے قریب کھڑی ہوگئی۔نوفل نے بائیک کا انجن اسٹارٹ کیااور بائیک اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔نوفل نے ماں کے بائیک پر بیٹھتے ہی نرمی سے بولا

"چلیں؟"

مریم نے اثبات میں سر ہلایااور نوفل نے بائیک کو سٹارٹ کر دیا۔

موٹر سائیکل سڑک پر آپہنچی چلی، راستے پر جاگتے شہر کی گہما گہمی نے مریم کو اپنی جانب متوجہ کیا۔وہ دونوں گھر کی گلی سے نکل کر شہر کی رونق میں غرق ہو گئے تھے۔

راستے میں، نوفل نظریں سامنے سڑک پر مرکوز کیے، دماغ میں ایک بات لئے بیٹھا تھاوہ اپنی ماں کو اپنی نوکری کی خبر دینا چاہتا تھا لیکن دل میں ایک ہچکچاہٹ تھی۔اگر مریم نے منع کر دیا؟اگر وہ برا منا گئیں؟وہ ناراض ہو گئیں تو؟لیکن ایک بات تو طے تھی کہ وہ اپنا فیصلہ نہیں بدلے گا کیونکہ مریم کا بوجھ بانٹنا اب بہت ضروری ہو گیا تھا۔اس نے کئی بار سوچا کہ کیسے اور کب اس بارے میں بات کرے لیکن ابھی تک اس میں وہ ہمت نہیں آئی تھی۔

مریم نے نوفل سے مخاطب ہوتے پوچھا

خاموش کیوں ہو؟کچھ کہنا چاہتے ہو؟

نوفل نے رفتار کم کر دی

"جی ہاں، دراصل میں آپ کو کچھ بتانا چاہتا تھا۔"

مریم نے نوفل کے کندھے پہ بڑی محبت سے ہاتھ پھیرتے کہا

"کیا بات ہے؟ کچھ پریشانی تو نہیں؟"

نوفل نے ہچکچاہٹ کے ساتھ کہا

"نہیں، پریشانی تو نہیں، بس... میں نے حال ہی میں ایک جاب کے لیے اپلائی کیا تھا اور وہ مجھے مل گئی ہے۔"

مریم کا چہرہ کھل اُٹھا تھا

واقعی؟ کب ہوا یہ؟ بتایا بھی نہیں تم نے تو۔

وہ جو سوچ رہا تھا کہ اس کی ماں ناراض ہو گی مگر مریم تو اس کی سوچ کے برعکس نوفل کی حوصلہ افزائی کر رہی تھی۔

نوفل نے تھوڑا سا مسکراتے ہوئے جواب دیا

لاسٹ ویک (پچھلے ہفتے)۔۔۔۔۔میں بس یہ چاہتا تھا کہ آپ کو اس بارے میں تب بتاؤں جب کچھ فائنل ہو جائے۔

مریم خوش تھی اور یہ بات اسکے چہرے کی چمک بتا رہی تھی، یہ تو بہت اچھی خبر ہے، بیٹا! مجھے بہت خوشی ہوئی کہ تمہیں یہ موقع ملا ہے۔ مگر تمھیں نہیں لگتا کہ ابھی سے جاب کرنا کچھ ٹھیک نہیں؟ میرا مطلب ابھی ڈگری پہ فوکس کرو مینج کیسے کرو گے؟ مشکل ہو گی۔ بات کرتے کرتے جیسے مریم خود ہی پریشان ہونے لگی تھی۔ نوفل نے ایک گہری سانس لیتے مسکرا کر کہا

یار میں ہوں ناں۔ آپ فکر نہ کریں آپ کا بیٹا سب مینج کر لے گا ٹرسٹ می۔ میں بس آپ کو سپورٹ کرنا چاہتا ہوں۔ ایمان کالج میں ایڈمیشن لینا چاہتی ہے اور ویسے بھی میری اسکالرشپ ہی کتنی بڑی نعمت رہی ہے شروع سے۔۔ چھوڑیں اسے بس۔

مریم نے تھکے تھکے انداز میں کہا

“I am so proud of you.”

بس خود کو تھکانا مت نوفی۔ تم لوگوں کے آرام کے لیے میں نے اپنا آرام قربان
کر کے یہ جاب شروع کی تھی۔

سڑک پہ موجود دنیا کو نہیں پتا تھا کہ نوفل کا بھاری دل اپنی ماں سے بات کر کے کتنا ہلکا ہو گیا تھا اور نا یہ پتا تھا کہ مریم کے کندھوں کا بوجھ اچانک سے بٹ گیا تھا۔

****

اشمل کی رات کی نیند میں خلل آیا جب اس کے فون کی ہلکی سی رنگ کی آواز نے اسے جگا دیا۔ اس نے آہستہ سے آنکھیں کھولیں۔ کمرے کی مدھم روشنی میں وہ بستر کے کنارے بیٹھتے ہوئے فون کی طرف لپکی۔

اسکرین پر حفصہ کا نام چمک رہا تھا۔ اشمل نے فون اٹھایا اور نیند کے خمار میں کہا
ہیلو، حفصہ، سب خیریت ہے؟

حفصہ کی الجھی آواز فون پر سنائی دی
اشمل، ہاں سب ٹھیک ہے، وہ میں نے اس لیے کال کی کہ نوفل کا ٹیکسٹ آیا تھا کہہ رہا تھا اشمل سے اجازت لے دو کہ کیا نوفل تمہیں کال کر سکتا ہے؟ اسے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔

اشمل نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور پھر اپنے نرمی بھرے انداز میں کہا

ہاں حفصہ، کوئی بات نہیں۔ مگر نوفل کو کہنا صبح مجھے کلاس سے پہلے دیدار کروائے۔
اوکے اشمل تھینک یو۔ میں نوفل کو بتا دیتی ہوں، وہ خود تم سے بات کر لے گا صبح۔ اللہ حافظ۔

حفصہ نے مسرت بھری آواز میں کہا

اشمل نے خوش دلی سے اللہ حافظ حفصہکہ کال کاٹ دی۔اشمل نے دوبارہ اپنی نیند میں واپس جانے کی کوشش کی، مگر اس کے ذہن میں حفصہ کی کال اور نوفل کی کال کے لیے اجازت والی بات گھوم رہی تھی۔اب نہ سوئی تو کل پورا دن لو فیل کرونگی۔پاس پڑے لیمپ کو بجھاتے اُس نے فریم کو گلے لگا کر آنکھیں موند لیں۔تصویر میں موجود عورت۔۔۔۔۔

وہ عورت اشمل زبیر کی واحد خوشی تھی۔جو موجود نہیں تھی مگر پھر بھی ہر جگہ بس وہی تھی۔

****

حبا نے اپنے کمرے سے باہر آتے جیسے ہی لاؤنج میں قدم رکھا۔اس کی نظر اپنے باپ، حسیب شاہ پر پڑی جو آرام دہ صوفے پر بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔

بھلا یہ کونسا زمانہ ہے اخبار پڑھنے کا؟ہونہہ؟ کہتی وہ اُن کے پاس آ بیٹھی۔حسیب شاہ آنکھوں میں شفقت لئے حبا کو دیکھ مسکرائے۔ ہلکے جامنی رنگ میں موجود حبا کے چہرے پر ایک خوشگوار مسکراہٹ پھیل گئی۔

بابا! آپ یہاں بیٹھے ہیں، میں تو سمجھی آپ سو رہے ہیں۔

حسیب شاہ نے اخبار ٹیبل پر بچھانے کے انداز میں رکھ کر حبا کی طرف دیکھا

نہیں بیٹا میں نے کیوں سونا تھا اس وقت؟

مجھے لگا دبئی والے ٹرپ کے بعد آپ کو تھکن دور کرنے کے لیے ایک دو ہفتے چاہیے ہی ہوں گے۔اچھا چھوڑیں آپ کو پتا ہے میں نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن کے لیے اپلائی کر دیا۔

حسیب شاہ نے شفقت سے حبا کے دائیں گال پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا

ارے واہ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔اللہ کامیاب کرے ہمیشہ-آمین۔

وہ جواباً دھیرے سے بولی ثم آمین

باپ کی موجودگی نے اس کے دل کی تھکاوٹ اور پچھلے کئی دن کی پریشانیوں کو فوراً دور کر دیا تھا۔

صوفے پر بیٹھتے ہوئے وہ بولی

ابو،میں ایک بات سوچ رہی تھی رات کو۔

سوچنا بھی شروع کر دیا؟ٹھیک کہا تھا ہمارے لیڈر نے تبدیلی آنہیں رہی تبدیلی آگئی ہے۔حسیب پی ٹی آئی کا ذکر کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔خوشگوار موڈ میں بیٹھی حبا اچانک ناراض ہو گئی تھی

میں سیریس بات کرنے والی تھی بھئی آپ نے نعرے لگانا شروع کر دیئے۔

وہ ہنس پڑے اچھا بتاؤ کیا بات کر رہی تھیں؟حسیب نے سامنے پڑے گلاس میں پانی انڈیلتے ہوئے سنجیدگی سے کہا

بابا۔۔۔وہ قدرے ہچکچائی

"آپ کے خیال میں عورت کو کتنی آزادی دینی چاہیے؟"

حسیب نے سوچتے سوچتے بولنا شروع کیا

بیٹا پتا ہے آزادی کیا ہوتی ہے؟

نہیں آپ بتائیں

حسیب شاہ نے ہاتھ میں تھامے گلاس کو احتیاط سے میز پر رکھتے ہوئے کہا

آزادی کا مطلب ہے کہ تمہیں اپنی ذمہ داریوں کا علم ہو، اپنی عزت کا خیال ہو، اپنی حدود کا پتا ہو اور انسان ان چیزوں کا خیال رکھے ۔رہی بات عورت کی آزادی کی تو عورت کو آزادی نہیں اعتبار چاہیے ہوتا ہے اور اگر وہ اعتبار اسے اس کے گھر سے مل جائے تو وہ اس اعتماد کو کبھی ٹوٹنے نہیں دیتی نا ہی وہ اپنے پروں کا ناجائز فائدہ اٹھاتی ہے۔

اور جو فائدہ اٹھالے؟ حبا کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

تو وہ اس انسان کے حصے کی غلطی ہے، اُسے کر لینے دینی چاہیے۔"اس نے حسیب کو یک دم کہتے سنا۔

"جب ماں باپ آزادی دیتے ہیں تو بچوں کو اس میں کیا کردار ادا کرنا چاہیے؟"

بچوں کو چاہیے کہ وہ اپنی آزادی کا استعمال سمجھداری سے کریں۔انہوں نے اضافہ کیا۔بچوں کو اپنی آزادی کے ساتھ ساتھ اپنے والدین اور معاشرے کی توقعات کو بھی مد نظر رکھنا چاہیے۔پتا ہے حبا جب ماں باپ بھروسہ کرتے ہیں تو اندھوں کی طرح کرتے ہیں اس لیے ماں باپ کی بینائی کی حفاظت کرنی چاہیے انھیں اندھا ثابت نہیں۔

حبا کے دل کی رفتار بڑھ گئی تھی۔سانسیں بے ترتیب ہو رہی تھیں۔

مگر حسیب کے اطمینان میں کمی نہیں آئی تھی انھوں نے اس روانی سے اپنی بات جاری رکھی

سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہم اپنے بچوں کو سمجھائیں، اچھے بُرے کی تمیز سکھائیں، اُن کی تربیت پر توجہ دیں اور اُن کے ساتھ ایک ایسا رشتہ قائم کریں کہ وہ کسی بھی قسم کی محبت کو باہر نہ تلاش کریں۔"حبا کو اپنے پیٹ میں گرہیں لگتی محسوس ہوئیں۔

میں رات کے کھانے کی اَپ ڈیٹ لے کر آتی ہوں۔"وہ بڑے بوجھل دل کے ساتھ تقریباً خالی الذہنی کے عالم میں جواب دیتی اُٹھی۔

وہاں سے کچن کی طرف مڑتے ہوئے حبا نے اپنی زندگی کی بہتر سمت اور مقصد کی تلاش میں خود سے ایک نیا وعدہ کر لیا تھا کہ وہ اپنے ماں باپ کی بینائی کی ہمیشہ حفاظت کرے گی۔ وہ ایک لمحے کو واپس پلٹی اور اس نے خود کو کہتے سنا۔

"ابو مجھے آپ کی سوچ پر بہت فخر ہے۔"

حسیب حبا کی طرف بے حد پیار دیکھا

Thank You for the compliment Miss Hiba Haseeb

****

حیدر اپنے آفس میں، اسکرین پر نظریں جمائے کام میں مشغول تھا۔ مگر دھیان ماہین کی جانب تھا۔ آفس کے کمرے میں روشنی مدھم تھی اور باہر کی روشنی دھیرے دھیرے شام کے رنگ اختیار کر رہی تھی۔ صبح جب وہ آیا تو ماہین کو ہلکا سا بخار تھا۔ حیدر نے بہت دفعہ کال کی تھی مگر ماہین نے کال نہیں اُٹھائی تھی۔ اُس نے گلاس سائیڈ پہ رکھا اور قدرے جھک کر ہاتھ بڑھا کر فائل اُٹھالی مگر کچھ یاد آنے پر وہ ماہین کو دوبارہ کال کرنے لگا۔

کال کے کنیکٹ ہونے کا انتظار کرتے ہوئے، حیدر نے خود کو پُر سکون رکھنے کی کوشش کی تھی۔ نظریں فون کی اسکرین پر مرکوز تھیں، اور دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔

فون نے ایک دو بار رنگ کیا، اور پھر ماہین کی آواز اس کے کانوں تک پہنچی

"ہیلو، حیدر؟"

اس نے بستر سے اُٹھتے ہوئے بولا

تم صبح سے کال کیوں نہیں اُٹھا رہی تھی یار؟ وہ شاید رو دینے کے قریب تھا۔ ممی سے بات ہوئی دوپہر میں انھوں نے کہا تم سو رہی ہو۔ مجھے لگا اُٹھ کر خود رابطہ کر لو گی۔ اُسے اچانک خیال آیا، طبیعت ٹھیک ہے؟

بڑی جلدی خیال آ گیا میری طبیعت کا۔ وہ خفگی سے بولی

اُس کی ٹون کو حیدر نے مکمل طور پر نظر انداز کیا تھا۔

''راؤ صاحب کی میٹنگ نے پھنسا دیا ورنہ میں جلدی واپس آ جاتا۔''

وہ بے حد آپ سیٹ تھی۔

Well then thanks to Mr Rao

کیوں؟، وہ حیرانی سے بولا

میرے سر کا درد آج انھوں نے اپنے حصے لے لیا۔

وہ بے اختیار ہنسا، گال کا ڈمپل گہرا ہوا پھر سرگوشی کرنے کے انداز میں اس کی آواز سنائی دی گئی

"آپ کا سر درد تو جنت میں بھی یونہی رہے گا مس ماہین۔"

فون کے دوسرے سرے پر ماہین کی ہنسی کی نرم آواز نے حیدر کے دل کو مزید سکون پہنچایا تھا کتنا پیارا ہنستی تھی وہ۔ حیدر صبح سے پریشان ہو رہا تھا مگر ماہین سے بات کرتے ہی جیسے ایک لمحے کے لیے دنیا کی تمام پریشانیاں جڑ سے کٹ گئی تھیں۔ وہ دنیا کے کسی بھی کونے میں کیوں نہ ہوتا وہ عورت ہمیشہ اس کے لیے باعثِ سکون ہی رہتی۔

کال بند ہوتے ہی وہ ماہین کی چیٹ میں ٹائپ کرنے لگا

تم میری دنیا ہو یار۔ اپنا خیال رکھو میری جان۔ اللہ حافظ۔

اتنے میں مہتاب دروازہ کھول کے سامنے آ کھڑی ہوئی

سر مسٹر راؤ میٹنگ روم میں آپ کا ویٹ کر رہے ہیں۔

تم چلو میں آتا ہوں۔ مہتاب اثبات میں سر ہلاتی واپس مڑ گئی۔ حیدر والٹ میں پڑی ماہین کی تصویر کو دیکھتے دیوانہ وار انداز میں مسکراتے اُٹھ کھڑا ہوا۔

****

حبا کمرے میں داخل ہوئی جہاں اشمل سفید کرتے میں ملبوس بستر پر اوندھے منہ لیٹی تھی۔ کمرے میں روشنی مدھم تھی اور باہر کی روشنی اندر بھی تھوڑا بہت اپنا رنگ چھوڑ رہی تھی۔ اشمل نے حبا کی آواز پر سر اٹھایا اور اسے مسکراتے ہوئے دیکھا۔

حبا نے کمرے میں قدم رکھتے ہی نرم مسکراہٹ کے ساتھ کہا

آپی! مجھے ایک گُڈ نیوز شیئر کرنی ہے۔

تو انتظار کس بات کا کر رہی ہو؟

اشمل نے اُسے اپنے پاس آ کر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

حبا چمکتی آنکھوں کے ساتھ بولی

"یار میں نے آپ کی یونیورسٹی میں اپلائی کیا تھا اس امید سے کہ میرا نام بھی میرٹ لِسٹ میں آ جائے گا۔"

سرمئی آنکھوں نے اُسے گھورا، کیوں؟ تمہیں مستقبل تباہ کرنے کے لیے کوئی اور جگہ نہیں ملی تھی؟

یار ایسے تو نہ کہیں، اتنا بڑا نام ہے، پاکستان کی ٹاپ یونیورسٹیز میں نام شمار ہوتا ہے اس کا۔ وہ بے یقینی سے اشمل کا منہ دیکھتی رہ گئی

صرف ایک جگہ فارم سبمٹ کروایا؟ اشمل بے نیازی سے بولی

نہیں دو تین جگہ اور بھی

چلو اچھا ہے! میں بہت خوش ہوں کہ تم نے اس چیز کو سیریئسلی لیا ورنہ مجھے لگتا تھا تم نان سیریئس ہو۔

آپ کی کزن ہوں نا اپنے لیے نان سیریئس لفظ سننے کی اب عادت سی ہو گئی ہے۔ وہ اس بار چپ رہی جبکہ حبا نے مشکل سے اپنی ہنسی روکی

بکواس نہ کیا کرو حُب۔ وہ ناراضی سے بولی

بس میں چاہتی ہوں کہ میں ابو کو خود پہ اتنا پراؤڈ فیل کرواؤں کہ وہ سر اٹھا کہ کہیں یہ میری بیٹی ہے۔ اور اشمل کے گلے میں کانٹے اُگنے لگے تھے کتنے ہی آئینے ٹوٹ کر کرچی کرچی ہو گئے تھے بالکل اشمل کے خوابوں کی طرح۔

انھیں ہو گا فخر تم پہ حبا تم دیکھنا ویسے بھی تمہاری مدد اور رہنمائی کے لیے میرے دل اور کمرے کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہے۔ وہ الگ بات ہے ویسے بھی تائی اماں بند نہیں کرنے دیتیں دروازہ۔
آخری جملے کی تاثیر نے اشمل کی رندھی ہوئی آواز کے تاثر کو کم کر دیا تھا۔

آخری جملہ سننے کی دیر تھی اور حبا ہنس پڑی۔
"یار آپ کو پتا تو ہے ان کی عادت کا، دل کی ایسی نہیں ہیں وہ بس۔ دل پہ نا لیا کریں، معاف شعاف کر دیا کریں۔"
اشمل نے افسوس سے سر جھٹکا۔ تائی کو ڈیفینڈ کرنا حبا کی مجبوری تھی یا فرض۔ پر ہر شخص ایسے ہی تو کرتا ہے وہ کسی غلط رویے کو جسٹی فائی کرنے کے لیے جو پہلا جملہ استعمال کرتا ہے وہ یہی تو ہوتا ہے، وہ انسان دل کا ایسا نہیں ہے بس زبان کا تھوڑا بد لحاظ ہے۔

اشمل نے ایک گہری سانس لیے حبا کو اطمینان بھرے انداز میں دیکھا
کوئی ہیلپ چاہیے ہو تو بلا جھجک بتانا اوکے ؟
اوکے۔ وہ بے اختیار نرم پڑی

یار آپ کتنی اچھی ہیں قسم سے تھینک یو۔

ناٹ ویلکم مس حبا حسیب۔ وہ ہونہہ کہتی سنائی دی

کوئی بات نہیں مجھے پتا ہے یہ آپ کی لو لینگو تیج ہے۔اِٹس اوکے۔وہ خوش دلی سے بولی

ان کا تعلق ایسا ہی تھا ہفتے میں ایک دن اکٹھے بیٹھ کر دل کی ہر بات بانٹ لینے والا۔مگر اشمل صرف سنا کرتی تھی اپنے دل کی نہیں بتاتی تھی۔باتیں وہ بھی بہت کرتی تھی مگر دل کی کیفیت اُس نے آج تک کسی کے سامنے بیان نہیں کی تھی۔

''آپی آپ کو وہ گرین سوٹ کیسا لگا تھا؟''

میرا منہ تھک گیا ہے تمہیں منع کر کر کے مجھے آپی مت کہا کرو۔نام سے پکارا کرو عجیب۔وہ خفگی سے بولی

"اوہ،پر کیوں؟میں تو آپ کو عزت دینا چاہتی ہوں۔"

وہ شرارت سے بولی

اشمل نے اسے گھورا مجھ سے مار مت کھا لینا۔

حبا نے مسکراتے ہوئے وضاحت پیش کی یار آپ نہیں سمجھیں گی کہ آپ میرے لیے کس قدر قابلِ احترام ہیں۔

اشمل کو لگا وہ مذاق کر رہی تھی مگر حبا کا لہجہ بے حد سنجیدہ تھا۔

اشمل نے اطمینان سے کہا

مجھے پتہ ہے اس بات کا۔تب ہی دل کا دروازہ کھولنے والی آفر رکھی ہوئی تمھارے لیے۔اور اب کی بار حبا کے ساتھ اشمل کا قہقہ بھی گونجا تھا

دروازے والی بات پر وہ دونوں ایسے ہی ہنسا کرتی تھیں۔بے شمار،بے اختیار۔

اشمل کو خود بھی اس بات پر بہت ہنسی آتی تھی کہ تائی نے الگ پورشن ہونے کے باوجود دن میں دروازہ بند کرنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ کبھی کبھی ہم اپنے ٹراما سے ہیل کرنے کی بجائے اُس پہ جو کس کرنے لگتے ہیں۔ اشمل بھی وہی کر رہی تھی۔ پتا نہیں کتنے سالوں سے۔

وہی میں بھی سوچوں آپ کب سے دستیاب ہونے لگیں۔ اشمل ہاتھ اُٹھائے اس کی طرف بڑھی مگر حبا تیز رفتار سے دروازے تک جا پہنچی۔

''دادی کو سلام کر کے آپ کو چائے بنا کر دوں گی، پھر صلح کر لیجیئے گا۔''

وہ کہتے فوراً پلٹی۔

اشمل نے اُس کو جاتا دیکھ بہت سے آنسوؤں کو اندر اتارتے گہرا سانس لیا تھا۔ جب آپ کو پوری دنیا دھتکار رہی ہو اور کوئی ایک انسان آپ کو یہ احساس دلا رہا ہو کہ آپ ضروری ہیں تو انسان کو سمجھ نہیں آتا کے وہ ایسا کیا کرے کہ محبت کرنے والے کی محبت کا حق ادا ہو جائے۔ سرمئی آنکھوں والی باہر سے جتنی بھی پتھر تھی، اندر سے اتنی ہی موم تھی۔ اور یہ سچ تھا کہ اس بھاری پتھر کو حبا حسیب ہمیشہ اپنی محبت بھری کوششوں سے موم کر دیا کرتی تھی۔ وہ اشمل کی ناراضگی کی پرواہ کرتی تھی جو آج تک کسی نے نہیں کی تھی۔ وہ اس کا خیال رکھتی تھی جو کہ اب تک دنیا میں کوئی اور نہیں رکھ پایا تھا۔

وہ بالوں کا ڈھیلا جُوڑا بناتے بستر سے اُٹھتے ہوئے کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی۔

****

نوفل نے حفصہ کی ہدایات کے مطابق کلاس سے پہلے اشمل کے پاس آ کر اس سے ملاقات کی۔ کلاس میں داخل ہوتے ہی اُس کی نظر تھرڈ رو میں بیٹھی اشمل پر جا ٹھہری۔ وہ اس کی طرف بڑھا اور اشمل کے قریب جا رکا، سرمئی آنکھیں نوفل کی جانب اُٹھیں اور نوفل کو سرد مہری سے دیکھا گیا۔ مگر نوفل کو اس بات سے غرض نہیں تھی کہ وہ اُسے سخت نظروں سے دیکھ رہی تھی اُسے اس بات کی خوشی تھی کہ اشمل اُسے دیکھ رہی تھی۔ نوفل نے اُسے دیکھتے پورے ٹائم پلکیں نہیں جھپکیں تھی۔ نوفل کو خود کی طرف دیکھتا پا کر وہ جھنجھلا کر بولی

میں نے کہا بھی تھا وقت پر آنا۔ نوفل کو حیرت ہوئی وہ وقت سے پہلے آیا تھا۔ پھر بھی وہ اُسے بتا رہی تھی کہ وہ دیر سے آیا ہے۔

لیکن میں تو ٹائم پر آیا ہوں، آپ نے ہی کہا تھا نو بجے آنا۔

ہاں اور ابھی نو بجنے میں چار منٹ باقی ہیں۔ وہ پاس پڑے فون کو نوفل کے چہرے کے سامنے لہراتے بولی

کوئی اور اس لہجے میں بات کرتا تو نوفل اُس کو اس ٹون کا مزہ چکھا دیتا مگر یہ اشمل تھی۔ اس کا کیس الگ تھا۔ کیوں کہ دل میں اس کی جگہ الگ تھی۔

سوری۔ نوفل نے خود کو کہتے سنا

وہ سوری کہہ رہا تھا؟ پر کیوں؟ اگر اُس کی غلطی نہیں ہوتی تھی تو وہ سوری نہیں کہا کرتا تھا چاہے کچھ بھی ہو جائے، ایک دفعہ یونہی وہ اسکول سے نکال دیا گیا تھا کیوں کہ اُس کی غلطی نہیں تھی مگر پرنسپل نے اُسے ٹیچر سے معافی مانگنے کا کہا تھا۔ چونکہ نوفل کو اپنی غلطی نہیں لگی تھی اس لیے اُس نے اسکول سے نکل جانے کو ترجیح دی تھی، معافی مانگنے کو نہیں۔ اُس کے سرکل میں ہر انسان جانتا تھا کہ نوفل کی ایگو بہت زیادہ تھی اور اب وہ اس عورت کے ایٹی ٹیوڈ کے سامنے اپنی ایگو کو ریت ہوتا دیکھ رہا تھا اور اُسے رتی برابر بُرا نہیں لگا تھا۔ وہ تھی اس قابل کہ اُس پر سے انا کو وار کر پھینک دیا جائے۔ اُس کے ایک مرتبہ کہنے پہ دن کو رات کہہ دیا جائے۔

میرے منہ کا ایکس رے کر رہے ہو؟ وہ سختی سے بولی تو نوفل اپنی سوچوں سے باہر نکلا اور پاس آ بیٹھا۔

منہ کا بھی ایکس رے ہوتا ہے۔ وہ اب اُسے چھیڑ رہا تھا۔

مجھے یہ بات اچھی نہیں لگی کہ تم کسی اور کو انوالو کر کے مجھ سے کالز کرنے کی اجازت لو۔ وہ بنا کسی تمہید کے بولی

"اوہ پر مجھے لگا کہ وہ آپ کی دوست ہے تو بس اس لیے۔۔۔"

وہ سنبھل کر بولی، یہ بات نہیں ہے کہ حفصہ اچھی نہیں ہے، وہ بہت اچھی ہے مگر میں اپنے معاملات میں کسی دوسرے کو شامل کرنا مناسب نہیں سمجھتی، ہماری دوستی بس یونیورسٹی کے گیٹ تک ہے نوفل۔ میں ہر کسی پہ دوست کا ٹیگ نہیں لگا دیتی اور تمھیں میری بنائی لائنز کی عزت کرنی چاہیے۔ تمہیں میرے بارے میں جو بات کرنی ہے ڈائریکٹ مجھ سے آ کر کہو، بیس اور لوگوں سے نہیں۔

حفصہ بیس لوگوں کے حصے کا کھانا کھاتی ہے؟ وہ سوچتے ہوئے بولا

تب ہی تو اُس کی ٹرپل چِن گر۔۔۔ اس سے پہلے کہ وہ بات مکمل کرتا اشمل نے اُسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا

ہاں جی، آئی لائک یو ٹو۔ ویری مچ۔" اشمل غصے کی وجہ سے لال پیلی ہو گئی تھی اور وہ اس ڈر سے اُس کے پاس سے اُٹھ کھڑا ہوا کہ کہیں وہ اس کا سر ہی نہ پھاڑ دے .

شام کو وہ باتھ روم سے نہا کر نکلی تو فون کی گھنٹی بجی، سامنے نوفل کا ٹیکسٹ تھا جسے پڑھتے وہ بڑبڑائی
اس حرکت کے لیے سوری مجھے خیال رکھنا چاہیے تھا پر یقین کریں میں آپ کی حدود کی عزت ہی کر رہا تھا اس لیے منہ اُٹھا کر ڈائریکٹ فون نہیں کیا تھا۔

وہ خاموش رہی ، آئی نو میں نے بے وقوفی کی میرے پاس آپ کا نمبر تھا آل ریڈی، آپ کو ٹیکسٹ کر کے اجازت لے لینی چاہیے تھی۔

وہ ایک لمحے کے لیے رُکی پھر ٹائپ کرنے لگی۔

جب آپ کسی کو دوست کہتے ہیں مگر وہ آخر میں بس ایک کلاس فیلو ثابت ہوتا ہے تو بہت برا لگتا ہے۔ اس لیے بہتر ہے شروع سے کلاس فیلو کو بس کلاس فیلو کی حد تک رکھو۔ اس لیے میں ایسی خوش فہمیوں کا شکار ہو کر نہ خود کو ہرٹ کرتی ہوں اور نہ ان کو۔
I hope you understand.

فون سائیڈ پر رکھ وہ گیلے بالوں کے گرد لپٹا تولیہ بالوں سے الگ کرنے لگی کہ اچانک اسکرین پھر سے روشن ہوئی
آف کورس، میں نہیں سمجھوں گا تو کون سمجھے گا۔ ڈونٹ وری میڈم آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔

وہ کچھ بول نہ سکی اور جب بولی تو اس کی آواز سنائی دی

"ٹھر کی۔"

دوسری طرف نوفل کے پاؤں زمین پر ٹھہرنے کا نام نہیں لے رہے تھے وہ نوفل کو ہر گزرتے دن کے ساتھ پہلے سے زیادہ پسند آرہی تھی۔

****

اعتبار کا آئینہ
از علیہا زاہد

باب نمبر:4

کہتے ہیں اعتماد ٹوٹے ہوئے آئینے کی طرح ہوتا ہے

اگرچہ آپ اسے ٹھیک کر سکتے ہیں مگر پہلے جیسا نہیں

آپ ہمیشہ اس میں موجود دراڑیں دیکھ سکتے ہیں

مگر ان کے نشانات نہیں مٹا سکتے کیونکہ

وہ وہیں کے وہیں رہتے ہیں

تو پھر مجھ سے یہ مت کہو کہ میں تم پر بھروسہ کروں

کیونکہ انسان بھروسے کے لائق نہیں ہوتے

یہ وہ سادہ الفاظ ہیں جو مجھے

اپنے دل کی حفاظت کرنے پر مجبور کرتے ہیں

میں آپ سے سوال کر سکتا ہوں

آپ شاید جواب بھی دے دیں

مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ مجھے سچ بتائیں گے

تو کچھ اس لیے بھی اب میں سب کچھ

اپنے اندر ہی رکھتا ہوں

اندر رکھتا ہوں ہر وہ جذبہ جو

مجھے آہستہ آہستہ اندر سے ختم کر رہا ہے

ہر روز میں حالات کو مجبور کرتا ہوں

کہ وہ میری آواز کو دبا دے

یاں پھر میرا سہارا بنے کیونکہ

اب میں تھک گیا ہوں

میری خود سے چھڑی جنگ اب مجھے تھکا رہی ہے

اب میری خواہش ہے کہ یہ غم

تھوڑی جلدی کا مظاہرہ کرے اور مجھے مار ڈالے

کیونکہ جینے کی خواہش اب ختم ہو گئی ہے

اعتبار کا آئینہ ٹوٹ چکا ہے

****

تیمور آفس سے واپسی پر سیدھا انکل ظہیر کے گھر آیا تھا اور منسا کے پاس بیٹھتے ہی اس نے محسوس کیا کہ منسا کا موڈ کافی آف تھا۔ منسا منہ لٹکائے بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے کی پھیکی رنگت نے تیمور کو فوراً بتا دیا تھا کہ وہ آج کل ٹھیک سے کھا پی نہیں رہی تھی۔

کیسی ہو مینو؟ یار آج ہم کہیں باہر چلیں؟ کیا خیال ہے؟ ویسے بھی تم آج کل فارغ ہی ہو۔ بلکہ تم تو فارغ ہی ہو۔ وہ خوش دلی سے بولا مگر منساز خمی سا مسکرائی۔ تیمور نے جس لحاظ سے بات کی تھی منسا اُس کو اپنی مرضی کے معنی دے گئی تھی۔ کئی دفعہ ہم اپنی تکلیف میں اتنے ڈوبے ہوتے ہیں کہ کوئی مرہم رکھنے کی کوشش بھی کرنے لگے تو ہم خیال کرتے ہیں جیسے یہ زخم پہ نمک چھڑکنے آیا ہے۔

بلکہ تم تو فارغ ہی ہو۔ وہ خود سے بڑبڑائی

میرا ابھی دل نہیں چاہ رہا تیمور۔ وہ تھکے تھکے انداز میں بولی۔

اچھا چلو پھر رہنے دو میں یہیں چائے بنا لیتا ہوں۔ وہ کوٹ کو ایک طرف پھینکے، آستینوں کو اندر کی جانب فولڈ کرتا کہہ رہا تھا۔

کھانا کھایا ہے؟ رفیق کدھر ہے؟ اُسے آخر میں منسا کے ملازم کا خیال آیا

اس کی بیوی کی طبیعت نہیں ٹھیک، دو دن کی آف لے کہ گیا ہے۔

سمجھنے والے انداز میں وہ سر ہلاتا کچن کی طرف بڑھ گیا اور منسا کو مجبوراً اس کے پیچھے جانا پڑا۔ وہ چائے میں پتی انڈیلتے منسا کو کچھ بتا رہا تھا اور وہ ہنس بھی رہا تھا مگر منسا کا دماغ ایک بھی بات کو پراسیس نہیں کر پا رہا تھا۔

اگر چائے کے ساتھ کوئی بسکٹ وغیرہ بھی ہوں تو۔۔ تیمور کو یک دم خیال آیا

منسا اب بھی خاموش رہی اور دائیں طرف کی کیبینٹ میں پڑے ڈبے نکالنے لگی۔

تیمور کو بے چینی ہو رہی تھی کیوں کہ منسا خاموش تھی۔ اُسے منسا کی خاموشی سے زیادہ کوئی چیز خوفزدہ نہیں کرتی تھی۔ چبھتی تھی تو صرف منسا کی خاموشی۔

"چائے پینے کے بعد گانا سناؤں گا تمہیں۔"

زیادہ تم علی ظفر بننے کی کوشش نہ کیا کرو۔ منسا نے اس بار کچھ خفگی سے کہا۔

تیمور نے بہ مشکل اپنی مسکراہٹ دبائے، ترکیب کام کر گئی تھی۔ وہ کچن سے گئی تو تیمور فون پہ جھکا کچھ ٹائپ کرنے لگا۔

تائی سے میں نے وعدہ کیا تھا کہ میں آج آؤں گی۔ چائے پیتے منسا کو خیال آیا

تم جانا مت، یہیں رکو میں چینج کر کے آتی ہوں۔ وہ اسے ہدایات دے رہی تھی۔

"اوکے۔"

تقریباً آدھے گھنٹے بعد منسا نے لاؤنج میں قدم رکھا تو پورا منظر ہی بدل چکا تھا سامنے لال گلابوں کے کم از کم گیارہ گلدستے رکھے تھے ۔منسا نے بے یقینی سے نظر اُٹھا کر تیمور کو دیکھا جو سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

یہ سب کیا ہے؟ اور تم نے۔۔۔ تم نے اتنے سارے پھول کیوں منگوا لیے؟

سامنے پڑے لال گلابوں کو دیکھتے وہ سوال کر رہی تھی

because seeing you happy is my biggest wish

اس نے منسا کو دیکھا اور مسکرایا

اس کی یہ کوشش منسا کے چہرے پر بالآخر مسکراہٹ واپس لے آئی تھی۔

صوفے پر بیٹھتے منسا اور تیمور ایک دوسرے سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے۔

میں تمہیں کچھ باتیں سچ سچ بتانا چاہتی ہوں۔ بے حد دھیمی آواز میں وہ بولی

تیمور نے رنجیدگی سے منسا کی طرف دیکھا۔ وہ جانتا تھا منسا کونسا سچ سنانے والی تھی۔ بعض دفعہ انسان اس بات پہ بھی پچھتا رہا ہوتا ہے کہ اس کے حصے میں حقیقت کیوں آئی ہے؟ کاش وہ لاعلم رہتا، آج بھی اور آنے والے کل میں بھی۔ کاش۔

مگر آدھی دنیا لفظ کاش کے گرد ہی تو گھومتی ہے۔ اور لاعلم انسان دھوکے میں ہی سہی مگر تکلیف میں تو نہیں ہوتا ناں۔ بات کرتے کرتے منسا کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے مگر اس نے بات جاری رکھی تھی کیا ہمت تھی، کیا اذیت پسندی تھی۔ ایک لمحے کو تیمور کا دل چاہا تھا کہ وہ اسے روک دے منسا کو وہ باتیں نہیں کرنی چاہییں جو منسا کی آنکھیں نم کر دیتی ہوں مگر وہ بے بس تھا۔ ایگو وہ اُسے نہ سنتا تو منسا اپنا دل کسی کے سامنے بھی ہلکا نہ کر پاتی۔ اسے خود بھی منسا کو تکلیف میں دیکھ کے بہت تکلیف ہو رہی تھی مگر یہ زہر کا گھونٹ بھرنا تیمور کی مجبوری تھی۔ وہ بولتی چلی گئی اور وہ خاموشی سے اس کی باتیں سنتا رہا۔ منسا بھرائی آواز میں سر جھکائے تفصیلات بیان کر رہی تھی۔ آواز کو ماحول کی پر سکون فضا نے دھیرے دھیرے گُم کر دیا تھا۔

****

نوفل کا پیغام موصول ہوا تو اشمل کے فون کی اسکرین جگمگا اٹھی فون اٹھانے پہ اسے معلوم ہوا کہ نوفل نے اسے بھیجا تھا۔ جیسے ہی اشمل نے اسکرین پر ٹیپ کیا، نوفل کا بھیجا وائس نوٹ نمودار ہوا۔ وہ گنگنا رہا تھا، وہ اسے گانا سنا رہا تھا۔ مگر کیوں؟ اشمل نہ چاہتے ہوئے بھی خوش فہمی کا شکار ہونے لگی تھی کہ نوفل اس گانے میں موجود لفظوں کے ذریعے اشمل سے اپنے دل کا حال کہہ رہا تھا۔

وہ دل پھینک نہیں تھی بلکہ اُسے تو کوئی مرد پسند ہی نہیں آتا تھا سب سے چِڑ ہوتی تھی مگر یہ مرد اُسے باقی مردوں سے بہت مختلف لگا تھا۔ شائستہ، نرم اور پُر خلوص۔

نوفل کی آواز سے یونہی معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی اشمل کو اپنی زندگی میں اس کی اہمیت بتا رہا ہو۔ سرمئی آنکھیں چمک رہی تھیں اور گال نا جانے کیوں گلابی پڑ رہے تھے۔ وہ اُس کی آواز سے متاثر ہو رہی تھی۔ وہ پتھر نوفل کے لیے دھیرے دھیرے موم ہو رہا تھا۔

"I must say his voice is so soothing."

اس نے اعتراف کیا تھا۔

****

سارے دن کے بعد اُس نے کمرے میں قدم رکھا تو کمرے کی نرم روشنی نے ماحول کو پر سکون بنا رکھا تھا۔ دیواروں پر لگی خوبصورت تصاویر اور ہلکے رنگ کے وال پیپر نے کمرے کو قابلِ دید بنا رکھا تھا۔

نورین نے آرام سے قدم بڑھائے اور بستر پر بیٹھی، کراؤن پہ سر ٹکائے ماہین کی طرف دیکھا جو کتاب پڑھ رہی تھی یا شاید کسی گہری سوچ میں ڈوبی تھی۔

جیسے ہی نورین ماہین کے قریب پہنچی، ماہین سیدھی ہو کر بیٹھنے لگی اور نورین کو اپنے قریب بٹھانے کی کوشش کرتے اس کے لیے جگہ چھوڑ دی مگر نورین بستر پر نہیں بیٹھی۔ نورین نظر دوڑاتے سامنے موجود کرسی نما صوفے کی طرف بڑھی۔

اس نے کمرے کی فضا کا جائزہ لیتے ہوئے پُر سکون انداز میں سانس لیا اور ماہین کی طرف محبت بھری نظروں سے دیکھا۔ نورین ایک خوبصورت ساڑھی میں ملبوس نزاکت سے صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھی تھی۔

نورین نے اپنے چہرے پر ہلکا سا میک اپ کر رکھا تھا، جس میں نرم لپ اسٹک اور ہلکا سا آئی لائنر شامل تھا جو اس کے نقوش کو مزید ،اجاگر کر رہا تھا۔ حیدر کی آنکھیں اپنی ماں جیسی تھیں بالکل۔ اس بات میں کوئی شک نہیں تھا کہ نورین کی آنکھیں توجہ طلب تھیں گہری، بہت گہری، جھیل نما۔

ایسی جھیل جو سامنے کھڑے انسان کی آنکھوں کے آبی چکر میں اپنا کردار ادا کرتی تھی۔ چہرے پر جھریوں کی نرمی، عمر کے تجربے اور دانشمندی کی علامت تھی۔ اس نے اپنے بالوں کو ایک خوبصورت بن میں باندھ رکھا تھا۔ کچھ تھا اس میں جو سامنے والے کو اپنی طرف متوجہ کرتا تھا۔ ساڑھی کا پلو لہراتے ہوئے صوفے پر پھیل گیا۔ اس نے ماہین کی طرف دیکھا اور اس کے چہرے پر ایک پراسرار، طنزیہ مسکراہٹ ابھر آئی۔

وہ محبت بھری نگاہ جو کچھ لمحے پہلے اس کی آنکھوں میں تھی اب مکاری میں بدل گئی تھی۔ ماہین نے اپنے چہرے پر مٹھاس کی جھلک برقرار رکھنے کی کوشش کی۔ حالانکہ وہ جانتی تھی کہ بات چیت کا یہ مرحلہ خوشگوار نہیں ہوگا۔ نورین نے بنا کسی تمہید کے کہنا شروع کیا

پتا ہے ماہین۔ ایک دفعہ ایک تھری کلاس کے بچے کو اپنی ٹیچر پسند آگئی۔ پہلے تو اس کی ماں نے اتنا غور نہیں کیا، بات ٹالتی رہی اسے لگا بچہ چھوٹا ہے اسے پسند یدگی کا کیا پتا بھلا مگر ایک دن وہ گھر واپس آیا اور اس نے اپنے دن کی روداد سناتے سناتے اپنی ماں سے کہا

Miss Fareeha is important just like you

ماہین کا دل زور سے دھڑکا

بچے کی ماں نے اس کو کچھ نہیں کہا، بس مسکرا کر اوکے گُڈ کہہ دیا۔ اسکی ماں پوری رات سو نہیں پائی کہ اُس کے بچے نے ایسی بات کیوں کی، بچہ تو بھول بھی گیا تھا کہ اُس نے کیا بات کہی تھی مگر ماں، ماں تو پھر ماں ہوتی ہے نا، بچہ بھول بھی جائے ماں تو یاد رکھتی ہے ناں۔

ماہین کو اپنا سانس رُکتا محسوس ہو رہا تھا۔ نورین کے لہجے کی چبھن ماہین کے اندر الارم بجا رہی تھی مگر ماہین تو جیسے پتھر کی مورت بن گئی تھی۔

مگر اگلی صبح ایک حادثہ پیش آ گیا، اس بچے کی فیورٹ ٹیچر تو اسکول ہی نہیں آئی تھی پتا کروانے پر پتہ چلا کہ اس ٹیچر کا تو اسکول آتے آتے ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ بیچاری کو کسی گاڑی نے ٹکر ماردی تھی۔ اس عورت کا بچہ بہت رویا، آف کورس اپنی ٹیچر کے مرنے پر۔

وہ ماہین کی سفید پڑتی رنگ سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

اس عورت نے اپنے بچے کو زار و قطار رونے دیا۔ ایک مرتبہ بھی نہیں روکا۔ پھر جب وہ رو رو کر تھک گیا تو اس کی ماں نے اسے ایک بات سمجھائی تھی کہ زندگی میں اپنی ماں سے زیادہ ترجیح کسی عورت کو نہیں دیتے اور اس بچے نے بلکتے بلکتے اپنی ماں سے پرامس کر لیا تھا۔

وہ کھوئے کھوئے انداز میں بتا رہی تھی اور ماہین کا بس نہیں چل رہا تھا وہ کمرے سے بھاگ نکلے۔

اور اس کی ماں اس دن مکمل طور پر مطمئن ہو گئی مگر بیٹا ساری زندگی کے لیے ایک وعدے کا قیدی بن کر رہ گیا۔ ایک خوف کا شکار بچہ جس کو لگتا ہے کہ اگر وہ اپنی ماں سے زیادہ کسی عورت سے محبت کرے گا تو وہ عورت مر جائے گی۔

نورین کی باتوں کا انداز ایسا تھا کہ ہر لفظ تیر بن کر ماہین کی طرف جا رہا تھا۔

ماہین کو پتا تھا نورین یہ باتیں اسے کیوں بتا رہی تھی، وہ اس کو سلانے کی خاطر کوئی کہانی نہیں سنا رہی تھی۔ وہ ماہین کو وارن کرنے آئی تھی۔ ماہین تحمل سے یہ سب باتیں اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کر رہی تھی مگر ہاتھ مسلسل کانپ رہے تھے، کپکپاہٹ کم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

ماہین کے اُڑتے رنگ کو دیکھ نورین فخریہ انداز میں مسکرائی۔

****

زبیر شاہ کے کمرے سے نکلتے ہی، افرا بیگم بوجھل انداز میں بستر پر ڈھے گئیں۔

اشمل نے زبیر کو دادی کے کمرے سے نکلتے دیکھ لیا تھا۔ زبیر کے جاتے ہی وہ افرا کے کمرے کی طرف لپکی

کمرے میں پاؤں رکھتے اُس نے اپنی دادی کو جس حال میں دیکھا تھا" مسز شاہ" کہتی اس کی زبان رک گئی تھی۔ وہ فوراً آگے بڑھی اور ساتھ پڑی میز سے پانی کا گلاس اٹھا کے دادی کی طرف بڑھاتے بولی

"کیا ہوا ہے؟ طبیعت کیسے خراب کر لی اچانک؟"

زبیر بتانے آیا تھا کہ وہ لوگ نئی جگہ شفٹ ہو رہے ہیں، وہ بے ترتیب سانسوں کے ساتھ اسے اطلاع دے رہی تھیں کہ اس کا باپ اسے ایک مرتبہ پھر اپنی زندگی کی خاطر تنہا کر رہا تھا۔

"تو؟ یہ تو اچھی بات ہے۔ آپ نے اس بات پہ طبیعت خراب کر لی؟"
وہ لاپرواہی سے بولی۔

افرا بیگم نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ کیا جواب دیتیں؟ اگر اشمل ان سے اپنا دکھ نہیں بانٹ سکتی تو وہ بھی اپنی پریشانی سے اس کو پریشان نہیں کریں گی۔

آپ کو ہمت سے کام لینا پڑے گا۔ وہ انکے ہاتھ پر ہاتھ رکھتی نرمی سے کہہ رہی تھی۔

اور آپ کو تو میری خوشی میں خوش ہونا چاہیے۔ وہ خفگی سے بولی
تم کس بات پر خوش ہو؟، جھٹ سے سوال کیا گیا تھا
اس بات پر کہ میری فریال جیسی چڑیل سے جان چھوٹ رہی ہے۔ تھک گئی تھی میں اس گھر میں کھلم کھلا سانپوں کو گھومتا دیکھ، وہ بے حد اطمینان سے بولی تو افرا بیگم کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

شرارت سے بولے گئے آخری جملے نے دادی کو آگ بگولے کر دیا تھا۔ افرا بیگم نے سختی سے کہا

مانو میری طبیعت پہلے ہی ٹھیک نہیں اس لئے بکواس مت کرو۔

''ایک تو آپ آفینڈ بہت جلدی ہو جاتی ہیں، بھلا میں نے ایسا کیا کہہ دیا۔''

وہ کیا ہوتا ہے؟انھوں نے نا سمجھی سے سوال کیا

امم۔۔۔کیسے سمجھاؤں آپ کو۔۔وہ ٹھوڑی کے نیچے انگلی رکھے چھت کو دیکھتے سوچنے والے انداز میں بولی

مطلب جیسے کوئی بہت زیادہ سچی بات کر رہا ہو اور وہ سچ سن کر آپ کے سات پردوں میں آگ لگ جائے۔تو اس کا مطلب ہوتا ہے سامنے والے کا دل چھوٹا سا ہے، وہ سچ نہیں سہہ سکتا اس لیے وہ آفینڈ ہو گیا ہے۔اُس کے اندازِ بیان نے افرا بیگم کو مزید غصہ دلا دیا تھا۔

اشمل نے جملے کے آخر میں انکے غصے کو بھانپ لیا تھا۔

آہستہ سے افرا بیگم کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور اُن کی آنکھوں میں جھانک کر کہا''یہ وقت بھی گزر جائے گا، اور آپ اکیلی نہیں ہیں ۔میں ہمیشہ آپ کا خیال رکھوں گی اور میری شادی کی فکر نہ کریئے گا۔گھر داماد رکھ لیں گے اوکے ؟؟مسز شاہ۔''آنکھ دبائے وہ کہتی وہ اُٹھ کھڑی ہوئی کیونکہ اُس نے مسز شاہ کا اپنی چپل تک جاتا ہاتھ دیکھ لیا تھا۔

مزاق کر رہی تھی یار۔عجیب! غریب اب مزاق بھی نہ کرے؟

نہیں غریب فی الحال اپنی شکل گم کر لے، وہ ناراضی سے گھورتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

میں جاؤں گی تو آپ کو سکون مل جائے گا؟، معصومیت سے پوچھے اس سوال کا افرا بیگم پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

''ہاں۔''

''دیکھا! پتا تھا۔بھلا آپ کو کیوں سکون لینے دوں؟یہیں بیٹھوں گی اب میں۔''

وہ بیڈ پہ ٹیک لگائے ان کے پاس آ بیٹھی تھی اور ان کے بائیں بازو پہ سر ٹکائے اس نے کہنا شروع کیا

مجھے پتا ہے آپ ہرٹ ہیں، مگر آپ کو پتہ ہے نا کہ ہماری زندگی میں جب کوئی انسان آتا ہے تو اس کے رکنے کی مدت، اس کے چلے جانے کا وقت بھی اس کے ساتھ ہی لکھا آتا ہے، آپ کو تکلیف ہوئی ہے آئی نو مگر آپ کی زندگی میں ان کا کردار اتنا ہی تھا۔ اگر آپ اس بات کو دل سے لگالیں کہ فلاں دوست چھوڑ رہا ہے فلاں اولاد بدل رہی ہے تو آپ صرف اپنی صحت خراب کریں گی۔ اپنا ذہنی سکون تباہ کریں گی۔ سامنے والے کا کچھ نہیں جاتا میری جان۔ ویسے بھی آپ کو بس ایک چیز سے فرق پڑنا چاہیے وہ ہے صدقِ دل۔ آپ کے دل کی صداقت آپ کا سب سے قیمتی اثاثہ ہے۔ آپ نے اس کو کھونے نہیں دینا۔ آپ نے اپنا ہر رشتہ ''بہترین انداز میں نبھایا ہے اگر آپ کا دل اس بات کی گواہی دیتا ہے تو بس پھر باقی باتوں کی خیر ہے۔

اس کی باتوں کو سنتے وہ نم آنکھوں سے مسکرا دی تھیں۔ انھیں اشمل کی سوچ پر بے شمار رشک آیا تھا۔

اللہ نے ان کو بڑھاپے میں بالکل تنہا نہیں کیا تھا وہ بالکل اکیلی نہیں رہ گئی تھیں۔ کوئی تھا جس کو اب بھی اس بوڑھی عورت کی پرواہ تھی۔

اشمل نے افرا بیگم کی اداسی کو محسوس کرتے ہی ایک نرم سی مسکراہٹ کے ساتھ انھیں گلے لگالیا تھا۔

اب آپ نے میری خوشی سے جیلس نہیں ہونا اوکے؟ وہ تاکید کر رہی تھی

کونسی خوشی؟، افرا بیگم نے ناسمجھی سے سوال کیا

اوہو یہی کہ فریال چلی گئی۔ آپ بار بار کیوں بھول جاتی ہیں یار۔ وہ چِڑ کر بولی۔

یہ سن کر افرا بیگم کی آنکھوں میں ہنسنے کی جھلک نظر آئی تھی اور یہی تو اشمل چاہتی تھی۔

''مانو، تم یہ باتیں کہاں سے لیکر آتی ہو؟''

''آپ نہیں سمجھیں گی، خوبصورت لوگوں کا ہیومر ایسے ہی حسین ہوتا ہے۔''

اشمل نے ہنستے ہوئے جواب دیا

وہ انہیں چھیڑتے ہوئے بولی ،اور ویسے بھی اپنے سب راز آپ کو تھوڑی بتاؤں گی میں۔ ہونہہ۔

****

حبا کی آنکھیں ابھی آدھ کھلی تھیں اور چہرے پر نیند کی خماریت نمایاں تھی کہ اسے اس کے لگائے الارم کے مسلسل بولنے کی وجہ سے مجبوراً آنکھیں کھولنی پڑیں۔ بالوں کو دوپٹے سے ڈھانپ رکھا تھا۔ بستر کی نرم چادر میں لپٹی ہوئی وہ دنیا سے بے خبر رہنا چاہتی تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ اور تھکی تھکی لگ رہی تھیں شاید رات دیر تک جاگنے کے باعث۔

آنکھیں کھولتے ہی جو کام سب سے پہلے کرتی ہے وہ ہوتا ہے فون اُٹھانا تاکہ پہلے یہ دیکھ لیں کہ کس کی generation ہماری زندگی میں کیا چل رہا ہے۔ کس نے کیا اسٹیٹس لگایا۔ کون کہاں گیا، کہاں جا رہا ہے اور کس نے کس کو کیا بات کہی۔ اتنی ہمیں اپنی زندگی کی فکر نہیں ہوتی جتنی دوسروں کی زندگی میں ہوتی چیزوں کی پرواہ ہوتی ہے۔

حبا صاحبہ بھی اپنے واٹس ایپ پہ موجود کسی دوست کا رات میں لگایا گیا اسٹیٹس دیکھ رہی تھیں کہ اچانک اسے ایک میل موصول ہوئی۔ یونیورسٹی کی طرف سے میل نے حبا کے چہرے کی چمک میں ڈھیروں اضافہ کیا تھا۔ میل کھولنے پر سامنے ایک پیج کھل آیا جس میں یونیورسٹی کا لوگو جگمگا رہا تھا۔ اس میں یہ بات واضح لفظوں میں تحریر تھی کہ حبا کا نام بھی یونیورسٹی کی میرٹ لِسٹ میں آگیا ہے اور وہ مزید ڈیٹیلز کے لئے کیمپس آکر اپنی کلاسز کا شیڈول جان سکتی ہے۔

شکر الحمدللہ۔ ''اُس نے بے اختیار چھت کو دیکھتے کہا''

****

باب نمبر:5

آئینے کی عکاسی میں، ایک کہانی جواب تک بیان نہیں ہوئی
ایک روح جو سچائی کی تلاش میں ٹوٹی اور بکھری رہی

گہری نظر ڈالنا ان آنکھوں میں جو واپس دیکھتی ہیں
راستہ پالینا، شناخت کر لینا خود کی

کیونکہ خود شناسی میں دل کی راحت چھپی ہے
ہم کون ہیں، ہم کیا بن سکتے ہیں
ہر شخص اس حقیقت سے آشنا نہیں ہونا چاہتا
اُس دروازے کو کھولنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں
ایک سفر کرنے، منزل دریافت کرنے کے لیے
خود کو جلانا پڑتا ہے، خاک ہونا پڑتا ہے

اس تلاش میں، آئینہ ظاہر کرتا ہے اور دکھاتا ہے
تمھاری اک اک چھپی تہہ کو، ہر پردے کو
وقت آہستہ آہستہ ہٹاتا ہے
ایک عکاسی ترقی کی، تبدیلی کی
یاں پھر تباہی کی
خود کی تلاش میں، روح اپنی جگہ پاتی ہے

ہاں جسم ضرور جلاتی ہے مگر روح اپنی جگہ پاتی ہے

****

منسا اپنی کلاس کی وہ لڑکی تھی، جو اپنے بات کرنے کے انداز کی وجہ سے کیمپس کے پہلے تین مہینے میں ہی سب کی توجہ کا مرکز بن گئی تھی۔ وجہ اس کی خوبصورتی نہیں تھی اس کا دوستانہ انداز اور اس کا حد سے زیادہ مہربان ہونا تھا۔ گہری براؤن آنکھیں، شفاف مسکراہٹ اور لمبے، سیاہ بال، جو ہمیشہ پونی ٹیل کی صورت میں بندھے ہوتے، اس کی خوبصورتی میں مزید اضافہ کرتے تھے۔ منسا کی مسکراہٹ میں ایک خاص قسم کی جاذبیت تھی جو کسی کے بھی دل میں بھی اپنا گھر کر سکتی تھی۔ سامنے والا اگر ایک دفعہ اُس کو مسکراتا دیکھ لے تو وہ تب تک اپنی نظر منسا کے چہرے پر سے نہیں ہٹا سکتا جب تک منسا مسکرانا بند نہ کر دے۔

منسا اور اس کی دوست نیہال خوشگوار ماحول میں بیٹھیں، ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھیں کہ اچانک منسا کو کچھ یاد آیا "یار مجھے یاد آیا وہ نوفل، ہمارا سینئر جو سنگر تھا، مجھے اس سے ملنا ہے۔" اُس نے پُر جوش لہجے میں کہا

نیہال نے تعجب سے پوچھا، تم نے کیوں ملنا ہے بھئی؟

منسا نے اس کے سوال کو مکمل طور پر نظر انداز کیا اور اُٹھتے ہوئے بولی "اپنی زندگی میں تم نے سوال کرنے کے علاوہ کبھی کچھ کیا ہے؟ اب چلو۔" نیہال منہ بناتی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

دونوں جلدی سے اٹھیں ڈیپارٹمنٹ کے مختلف حصوں کی طرف بڑھنے لگیں۔ منسا نے جینز کے اوپر اجرک کا کرتہ پہن رکھا تھا۔ ذرا سا سر جھکتا تو سیاہ پونی اور اونچی لگتی تھی، سر اُٹھاتی تو پونی بھی ساتھ ہی جھولتی۔ نیہال کو منسا کی ایکسائٹمنٹ کی سمجھ نہیں آئی تھی۔ دونوں سیکنڈ فلور پہ پہنچیں تو منسا کی نظریں ہر طرف تلاش کی حالت میں گردش کر رہی تھیں۔ سیاہ آنکھیں کسی کو تلاش کر رہی

تھیں۔ وہ ساتھ ساتھ نیہال کو نوفل کے بارے میں بتاتی رہی اور نیہال بس ہاں، اچھا کہہ کر سرسری سا جواب دیتی رہی۔ کچھ قدم مزید چل کر وہ نوفل کی کلاس تک آ پہنچی تھی مگر اس سے ملنے کے لیے ہمت اور حوصلہ دونوں منسا ظہیر کے پاس نہیں تھے۔

منسا نے نیہال کی طرف دیکھا اور پوچھا

اندر کلاس میں میرے ساتھ چلو گی؟ ،اب کے وہ واقعی پریشان ہو گئی تھی۔

مجھے لگتا ہے ہمیں کلاس کے باہر ویٹ کرنا چاہیے ایسے ڈائریکٹ منہ اٹھا کے اندر چلے جانا مناسب نہیں۔ اس نے بے ساختہ نگاہیں چرائیں۔

منسا اب ہلکا سا مسکراتے ہوئے نوفل کی کلاس ختم ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

کلاس ختم ہوئی تو سب سے پہلے ایک لڑکا نکلا تھا منسا فوراً اس کی طرف لپکی اور بے ترتیب سانسوں کے ساتھ کہنا شروع کیا آپ نوفل ہیں؟ اس دن اس ایوینٹ میں۔۔ سامنے موجود لڑکے نے اسے بغور سر سے پیر تک دیکھا تھا۔ وہ نا سمجھی سے سر ہلاتا کچھ کہنے لگا اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا وہ پھر سے بولنے لگی، پتا ہے مجھے آپ کی پرفارمنس کے بعد اب عاطف اسلم بھی نہیں اٹریکٹ کرتا، آپ مجھے جانتے بھی نہیں ہوں گے کیوں کہ میں اس دن بہت اینڈ پہ موجود تھی۔

نوفل کو سمجھ نہیں آیا تھا کہ وہ سب کیا تھا؟ فین مومنٹ؟ منسا کا چہرہ لال ٹماٹر کی طرح سرخ ہو رہا تھا، جبکہ نوفل نے اُس کے جوش کو محسوس کرتے ہوئے آرام دہ انداز میں اُس کو مسکرا کے شکریہ کہا۔ اور آگے بڑھ گیا۔ منسا یونہی گلابی چہرے کے ساتھ اسے جاتا دیکھتی رہی۔

وہاں سے نکلتے ہی وہ دونوں کیفے کی طرف بڑھ گئیں منسا کو لگ رہا تھا جیسے اس کی کوئی خواہش، کوئی بہت بڑا خواب پورا ہو گیا ہو۔ جس کے پورے ہو جانے کے باعث اب اس کے پاؤں زمین پہ نہیں ٹکنے والے۔ نیہال کے ذہن میں بس ایک بات چل رہی تھی

منسا کو کیا ہو گیا؟ صرف ایک ملاقات ہی تو تھی۔ نیہال کو کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

مگر وہ ایک ملاقات صرف ملاقات نہیں تھی۔

کسی سے مُلاقات یا تو آپ کے اور اس کے سفر کا آغاز لکھتی ہے یاں اختتام آپ یا تو اس سے آئندہ ملتے رہتے ہیں یا پھر وہ آپ کو دوبارہ کبھی نظر نہیں آتا اور منسا ظہیر نے بھی یہ فیصلہ اکیلے ہی کر لیا تھا کہ یہ مُلاقات ان کے سفر کا آغاز ہے کیونکہ یہ کیسے ممکن تھا کے اسے اب نوفل نظر نہ آئے؟

****

کلاس میں خاموشی چھائی تھی، اور ہر طالب علم پروفیسر کی طرف متوجہ ہو کر لیکچر کو بغور سن رہا تھا۔ پروفیسر مہتاب نے اپنی ،انگلیوں میں قرآن مجید کا نسخہ تھام رکھا تھا، ایک نرم مگر واضح آواز میں انھوں نے قرآنی آیت کی تلاوت کرنا شروع کی

الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ

(QS. Ar-Ra'd 13: Verse 20)

انکا عربی لب ولہجہ کمال تھا، بالکل دل کو چھو لینے والا۔ تلاوت مکمل ہونے کے بعد، پروفیسر نے کتاب کو بند کیا اور طالب علموں کی طرف محبت اور شفقت سے دیکھا۔

پروفیسر مہتاب نے اپنے شائستہ انداز میں کہنا شروع کیا، "اس آیت کا ترجمہ یہ ہے... "انھوں نے الفاظ کو بڑے دھیمے اور سنجیدہ انداز میں چنا تاکہ ہر ایک کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ حبا کو یاد تھا ایک دفعہ اس نے میم مہتاب کو کہتے سنا تھا

بیٹا آسان لفظوں کی بات دل پر جلدی اثر کرتی ہے۔

"اور اُن کا طرز عمل یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے ساتھ اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں، اُسے مضبوط باندھنے کے بعد توڑ نہیں ڈالتے "

حبا کلاس کے ایک کونے میں بیٹھی، پروفیسر مہتاب کو بنا پلک جھپکے دیکھ رہی تھی۔ پروفیسر مہتاب کے الفاظ اُس کی روح میں گہرے اثرات چھوڑ رہے تھے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی خصوصیات بیان کی ہیں جو اپنے عہد اور وعدے کو پورا کرنے والے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کے ساتھ جو بھی وعدہ یا عہد کرتے ہیں، اُسے پورا کرتے ہیں اور کسی صورت اس وعدے کو نہیں توڑتے۔ وہ وعدے اس لئے نبھاتے ہیں کہ انھیں اللہ کو ناراض نہیں کرنا ہوتا حبا حسیب کے گلے میں آنسوؤں کا پھندا لگا۔

یہ آیت ہمیں سکھاتی ہے کہ ہمیں اپنے عہد اور وعدوں کو بڑی ایمانداری اور ثابت قدمی کے ساتھ نبھانا چاہیے، چاہے وہ اللہ کے ساتھ ہو یا کسی اور کے ساتھ۔ اس سے ہماری دیانتداری اور سچائی ثابت ہوتی ہے۔ سوچیں جس انسان کو اپنے وعدے کی اہمیت کا اندازہ ہی نہ ہو وہ اپنی زندگی میں کہاں اسٹینڈ کرتا ہے؟ اپنی بات مکمل کرنے کے بعد، انھوں نے کلاس میں سوالات اور وضاحت کی پیشکش کی، تاکہ ہر طالب علم آیت کے معانی کو مزید بہتر طریقے سے سمجھ سکے۔ انھیں لمحے بھر کو لگا کہ کسی کا کوئی سوال نہیں تھا اتنے میں اچانک ایک لڑکی چہرے پہ ڈھیروں امید لیے اپنی نشست سے اٹھی۔ اس نے ان سے سوال کرنے کی اجازت مانگی۔

پروفیسر مہتاب نے ایک نرم مسکراہٹ کے ساتھ سر اثبات میں ہلایا۔ ان کی آنکھوں میں موجود شفقت کی جھلک نے سوال کرتی لڑکی کو مزید حوصلہ دیا تھا۔

میم بعض دفعہ ہم جزباتی ہو کر بہت بڑے وعدے کر لیتے ہیں مگر بعد میں ان پہ ثابت قدم رہنا بہت مشکل ہوتا ہے، ایسا لگتا ہے کہ وعدہ ٹوٹ گیا تب بھی تکلیف ہو گی اور اگر نبھاتے رہے تو بھی دل کٹتا رہے گا۔ ایسے میں ہم وعدہ توڑ دیں اور بعد میں معافی مانگ لیں تو اللہ معاف کر دیتا ہے؟

دیکھو مناہل میں ایک بات بتاتی ہوں جب انسان کوئی وعدہ کرتا ہے ناں اللہ سے کہ وہ اب یہ کام چھوڑ دے گا، فلاں گناہ نہیں کرے گا، فلاں غلطی نہیں دوہرائے گا تو اس کا مطلب ہے وہ جانتا ہے کہ وہ غلطی پر ہے اور وہ اُسے ٹھیک کرنا چاہتا ہے اس لئے پھر وہ توبہ کرتے ہوئے اللہ کے سامنے روتے روتے بہت سے وعدے کر لیتا ہے کہ وہ اب یہ حرکت دوبارہ نہیں کرے گا، تو جب وہ وعدہ کر لیتا ہے ناں پھر اسے ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے کہ دنیا ادھر سے ادھر ہو جائے وہ اللہ تعالیٰ سے کیا وعدہ نہ توڑے لیکن اگر وہ وعدہ کسی وجہ سے ٹوٹ بھی جائے تو اسے دل برا نہیں کرنا چاہئے بس دوبارہ توبہ کر لے اللہ تو رحیم ہے وہ رحم کیوں نہیں کرے گا بھلا؟ حبا چونکی نہیں تھی وہ یہ سب خود بھی جانتی تھی مگر کبھی کبھی آپ کسی دوسرے کے منہ سے وہ بات سن کر زیادہ جلدی یقین کر لیتے ہیں بانسبت اپنی سوچ کے۔

وہ آرام دہ انداز میں، بغیر کسی جھجھک کے، سوال کا جواب دے رہی تھیں۔

مناہل ان کے جواب سے مطمئن ہو گئی تھی۔ البتہ حبا نے سر جھکائے نوٹس بناتے ہوئے، بہت سی باتوں کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کی تھی۔ اُس نے پروفیسر کی ہر بات کو دل و دماغ کی وادی میں اتارنے کی کوشش کی تھی۔ بلکہ کوشش کی تو ضرورت بھی نہیں تھی۔ پروفیسر مہتاب کی ہر بات نے اس کے ذہن میں گھر کر لیا تھا۔

پروفیسر مہتاب نے سوالات کا جواب دیتے ہوئے، طلباء کے مختلف نظریات اور تفاسیر پر غور کیا۔ اُنھوں نے ہر سوال کا دھیان سے جواب دیا، اور طلباء کی تفہیم کو بہتر بنانے کے لیے اضافی وضاحتیں بھی فراہم کی تھیں۔

کلاس کے آخر میں وہ جانے لگیں تو انہوں نے ٹھہر کر کہا

علم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ، ہمیں اپنے اعمال میں بھی اس علم کو عملی جامہ پہنانا ہوتا ہے۔ ورنہ اگر آپ صرف سن لیں عمل نہ کریں تو آپ کے سننے کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔

ان کے جانے کے بعد جب سب طلباء کلاس سے نکل گئے، حبا اپنے خیالات میں گم وہیں بیٹھ رہی۔ میز پر نوٹس اور کتابیں بے ترتیب پڑی تھیں۔ حبا کی نظریں خیالات میں گم ایک ہی جگہ پر مرکوز تھیں۔ سفید حجاب میں ملبوس لڑکی اب اپنی کنپٹی مسل رہی تھی، آنکھیں کبھی کھلتی، کبھی بند ہوتی، سر کا درد اب شدت اختیار کر گیا تھا۔

اس کے ہاتھ میں قلم تھا، جسے وہ بے ساختہ چلانے کی کوشش کر رہی تھی، لیکن سوچیں اتنی گہری تھیں کہ وہ صحیح سے لکھ نہیں پا رہی تھی۔ حبا کی نظریں کبھی نوٹس کی طرف، کبھی کلاس روم کی خالی جگہ کی طرف اٹھتی، اور وہ سوچتی رہی کہ اسے اس ہی کی تو ضرورت تھی۔ اسے اس کی بات کا جواب مل گیا تھا۔ اللہ نے ہمیشہ اس کی ہر دعا کا جواب دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے reminder اس کی سن لی تھی۔ اس نے اللہ تعالیٰ سے سائن مانگا تھا اور وہ اُسے مل گیا تھا۔ وہ رو رہی تھی مگر اس حالت میں آنسو بہنا خوش قسمتی ہوتی ہے، انعام ہوتا ہے۔ تو حبا حسیب کو بھی اپنے آنسوؤں کو بہنے دینا چاہیئے۔

****

چند سال قبل

حیدر حسیب ایک ذہین طالب علم تھا جس نے اپنی ایم بی اے کی ڈگری ایک نامور ادارے سے حاصل کی تھی۔ اس کی یونیورسٹی کے قصے اس کی ان تھک محنت، اعلیٰ گریڈز اور لگن سے بھرے پڑے تھے۔ کلاس میں وہ ان بچوں میں شمار کیا جاتا تھا جو سامنے کی نشست پر بیٹھتے، اور استاد کی ہر بات کو توجہ سے سنتے۔

کتابوں کے بوجھ تلے دبے، حیدر اکثر لائبریری میں بیٹھا نظر آیا کرتا، جہاں وہ دن رات مختلف کیس اسٹڈیز اور پروجیکٹس پر کام کرتا تھا۔ اس کی کام کرنے کی عادت نے اسے دوسرے طلباء سے ممتاز کر دیا تھا۔ اور یہ بات حیدر نے ہمیشہ اپنے جی پی اے سے ثابت کی تھی۔ یونیورسٹی کے پروفیسرز اور فیلو طالب علم اس کی ذہانت اور محنت کو سراہتے تھے۔

گروپ پروجیکٹس کے دوران، حیدر ہمیشہ سب کی اوّل ترجیح ہوتا تھا۔ وہ نہ صرف ایک شاندار طالب علم تھا، بلکہ اپنی اکڑ اور بدتمیزی سے بھرپور رویے کی وجہ سے سب کی توجہ کا مرکز بنا رہتا تھا۔ اس کی ذہانت اور محنت نے اس کی یونیورسٹی کی زندگی کو قابلِ ذکر بنا دیا تھا، اور یہ خصوصیات اس کے مستقبل کی کامیابیوں کی بنیاد بنی تھیں۔

بہت کم عرصے میں ہی حیدر کی ذہانت اور شوق نے پروفیسرز اور ہم جماعتوں کی توجہ حاصل کر لی تھی۔ اُس کے تحقیقی منصوبے اور ڈیٹا اینالسس کے طریقے ہمیشہ نئے اور مؤثر ہوا کرتے تھے۔ حیدر نے اپنی مہارت کو عملی میدان میں بھی آزماتے ہوئے مختلف انٹرن شپ پروگرامز میں حصہ لیا تھا۔

آہستہ آہستہ اس نے اپنی توجہ اسپیشلائزیشن ایریاز کی طرف مرکوز کی۔ اس دوران، اُس نے کامیاب کاروباری منصوبے تیار کیے اور نئی حکمت عملیوں پر بہت تحقیق کی تھی۔

ڈگری کے لیے فائنل پروجیکٹ کو مکمل کرتے، جس میں اُس نے ایک جامع کاروباری منصوبہ تیار کیا تھا۔ یہ منصوبہ نہ صرف تعلیمی معیار پر پورا اُترتا تھا، بلکہ حیدر نے اسے حقیقی دنیا کے چیلنجز اور مواقع کے مطابق بھی ڈھالا تھا

حیدر نے زندگی کے ہر مرحلے پر نئے علم اور چیلنجز کو قبول کیا تھا یہی وجہ تھی کہ اپنے تعلیمی سفر کے اختتام پر ایک کامیاب اور قابل بزنس پروفیشنل کے طور پر ابھرا۔

حیدر حسیب کی ڈگری کے سفر کا اختتام ایک نئے باب کا آغاز تھا۔ یونیورسٹی کے وسیع ہال میں، جہاں طالب علم اور ان کے اہل خانہ موجود تھے۔

حیدر حسیب اُس دن ڈگری حاصل کرنے کے بعد جب گھر واپس آیا تو اُس کے ہر منصوبے پر پانی پھر گیا تھا۔ ایک ہی جھٹکے میں۔

****

کھانے کی میز پر مختلف قسم کے لذیذ پکوانوں کی خوشبو فضا میں بکھری ہوئی تھی۔ ہنسی مذاق اور خوشگوار گفتگو کے درمیان، حسیب شاہ جو نہ صرف حیدر کے والد بلکہ ایک معروف کاروباری شخصیت کے حامل تھے۔

کھانے کے دوران، حسیب شاہ نے حیدر سے ایک سنجیدہ بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔اور وہاں موجود ہر شخص کو یہی لگا تھا کہ یہ بات سو فیصد حیدر کی شادی کی ہو گی مگر ہمارے معاشرے کے مردوں اور عورتوں کی باتوں میں یہی تو فرق ہوتا ہے ایک کی دنیا بس شادی، گھر داری کے گرد چکر کاٹتی ہے اور ایک کو بس نوٹ چھاپنے کی فکر کھائے جا رہی ہوتی ہے۔ حسیب شاہ نے حیدر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

حیدر، میں نے تمہاری محنت اور کامیابی کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔اب جب کہ تم نے اپنی ڈگری مکمل کر لی ہے، مجھے لگتا ہے کہ یہ وقت ہے کہ تم اپنے علم اور مہارت کو عملی طور پر بھی آزماؤ۔

حیدر نے دلچسپی کے ساتھ سوال کیا

یس کچھ آپشنز ہیں میری نظر میں، جلد ہی اپلائی کر دوں گا ابو۔

حسیب شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا، کیوں؟ کہیں اور کیوں جانا ہے، میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ ہمارے بزنس میں شامل ہو جاؤ۔ تمہاری تعلیم اور مہارت ہمارے بزنس کو نئی سمت میں لے جا سکتی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ ہم مل کر اس کاروبار کو نئی بلندیوں تک پہنچائیں۔ تمھیں کوئی اعتراض تو نہیں بیٹا؟ حیدر بھونچکا رہ گیا۔ وہ آتش فشاں بن کر آیا تھا اور ریت کا ٹیلا بن کر رہ گیا تھا ۔آج سے پہلے اُس نے خود کو کبھی اتنا بے بس نہیں محسوس کیا تھا۔

جیسا آپ چاہیں۔ حسیب نے نرمی سے اس کا کندھا تھپکا۔

ایسی بے بسی اس نے اپنی زندگی میں پہلی بار چکھی تھی۔اُسے اپنی قابلیت، مہارت اور مان سب پانی کی طرح بہتا نظر آیا تھا۔

****

کھانے کی ٹیبل سے واپس آ کر، جب اس نے اپنے کمرے میں قدم رکھا، تو اس کا دل بوجھل تھا۔ وہ اب ضبط کھو رہا تھا، ساؤنڈ پروف کمرے کے دروازے کو اندر سے لاک کیے وہ بے اختیار چیخیں مار رہا تھا۔ کمرے کی دیواروں پر لگی اس کی تصاویر اور تعلیمی اسناد جنہوں نے ہمیشہ اس کی کامیابی کی کہانی کو بیان کیا تھا آج اُسے اس لمحے میں خوشی کے بجائے اداسی کا احساس دلا رہی تھیں۔ ایسی اداسی جو دل میں چھید کر دیتی ہے۔

والد کے ساتھ بزنس میں شامل ہونے کے خیال نے ایک عدم مطابقت کا احساس پیدا کیا تھا جو اس کی توقعات اور خوابوں سے میل نہیں کھاتا تھا۔ مگر وہ ابو کو انکار بھی تو نہیں کر سکتا تھا۔ اچانک سے وہ ہر چیز کو لے کر حساس ہو گیا تھا۔ کمرے کے کونے میں پڑی کتابوں اور نوٹس کو دیکھتے وہ سوچنے لگا کہ اس کی ساری محنت کا مقصد کیا تھا؟ کیا اسے ابو کو سمجھانا چاہیے کہ بچہ اگر جاب کرنا چاہتا ہے تو اسے کرنے دینی چاہیے؟ اسے اس کی مرضی کے پلانز پہ کام کرنے دینا چاہیے پھر چاہے وہ آخر میں فیل ہی کیوں نہ ہو جائے کم از کم اس کے دل میں مرتے دم تک ایک حسرت، ایک نامکمل خواہش تو نہیں ہو گی ناں کہ وہ جو کرنا چاہتا تھا اُسے وہ کرنے کا موقع نہیں ملا۔ ''وہ ہمیشہ ایک کامیاب پروفیشنل بننے کا خواب دیکھتا تھا، اور اب جب کہ اس کے پاس ایم بی اے کی ڈگری تھی، تو وہ خود کو ایسے مخصوص راستے پر کھڑا محسوس کر رہا تھا جس میں اس کی اپنی خواہشات اور توقعات پوری نہیں ہو رہی تھیں۔

حیدر نے اپنے آپ کو اطمینان دینے کی کوشش کی، لیکن اس کے دل کی دھڑکن اور ذہن کی پریشانی اسے سکون نہیں لینے دے رہی تھی۔ اس نے اپنے والد کے ساتھ بزنس میں شامل ہونے کے امکان پر سوچتے ہوئے محسوس کیا کہ وہ اپنی حقیقی خواہشات اور خوابوں کو قربان کر رہا ہے۔ ''مگر ابو نے اتنی قربانیاں دی ہیں حیدر ایک قربانی تم بھی دے دو۔'' کوئی مسلسل اس کے اندر سے سر اٹھا کے جواب دے رہا تھا۔

اپنے خوابوں کی قربانی دینے کا خیال اسے دلگرفتہ کر رہا تھا، لیکن اس نے اپنی ذمہ داریوں کو بھی سمجھنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے خود کو ایک بات اچھے سے سمجھا لی تھی کہ حیدر شاہ کا خاندان اور اس کے والد اس کے لئے سب کچھ ہیں، سب سے اہم، سب سے

ضروری۔دل کے بوجھ کو کم کرنے کے لیے حیدر نے ایک نئی راہ پر قدم رکھنے کا فیصلہ کر لیا تھا اُس کے دل سے نکلی اب تک کی یہ سب سے عظیم قربانی تھی۔

ابو کی خوشی کے آگے تو یہ کچھ بھی نہیں۔''ایک اداس مسکراہٹ کے ساتھ کہتا وہ ٹیبل پر پڑے گلاس میں پانی انڈیلنے لگا۔''

****

اشمل کلاس میں حفصہ کے ساتھ بیٹھی تھی،دونوں کے درمیان ہنسی مذاق اور بات چیت کا سلسلہ کبھی رکتا، کبھی چلتا۔کلاس روم کی فضا میں ایک خوشگوار سا ماحول چھایا ہوا تھا۔

وہ ہلکے پیلے رنگ کے فراک میں ملبوس،گلابی لبوں سے لفظ ادا کرتی حفصہ سے اِدھر اُدھر کی باتیں کر رہی تھی کہ اچانک اشمل کی نظریں کلاس کے کونے میں بیٹھے فیصل پہ پڑیں جو کسی طرح کلاس کے باقی طلباء کی نظروں سے بچتے ہوئے ایک کونے میں چھپ کر بیٹھا تھا۔فیصل کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی،اور اُس کا ہاتھ آرام سے حرکت کر رہا تھا۔اشمل کی نظر فیصل کی طرف گئی تو اُس نے دیکھا کہ فیصل اپنے فون کے کیمرے سے اشمل کی خاموش تصویر بنا رہا تھا، جسے وہ لمحے بھر میں پکڑ رہا تھا۔

اشمل نے پلٹ کر حفصہ کی طرف دیکھا،جو ابھی تک باتوں میں مگن تھی،اور اُس نے آہستہ سے کہا،حفصہ،دیکھو،فیصل کیا کر رہا ہے۔

حفصہ نے حیرت سے فیصل کی طرف دیکھا اور پھر واپس اشمل کی طرف،حفصہ کی آنکھوں میں سوالیہ نشان تھا۔فیصل نے فوراً محسوس کیا کہ اُس کی حرکت پکڑی گئی ہے اور اُس نے جلدی سے اپنا اسمارٹ فون چھپانے کی کوشش کی۔

اشمل نے جب فیصل کو فون چھپاتے ہوئے دیکھا تو اُس نے فیصل کو ہتک آمیز نظروں سے دیکھا۔وہ اپنی گفتگو کو وہیں روک کر فیصل کی طرف بڑھنے لگی،اُس کے چہرے پر تجسس اور سنجیدگی ابھری تھی۔

اشمل نے ایک لمحے کے لیے فیصل کی طرف توجہ دی پھر اُس نے خود کو سنبھالا اور ایک دوستانہ انداز میں فیصل کے بیگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا

"فیصل، تمہیں کچھ چاہیے؟"

فیصل نے تھوڑا جھجھکتے ہوئے کہا، اوہ، نہیں، بس... میں سوچ رہا تھا کہ یہ اینگل کیسا رہے گا

Actually I was sending a streak you know

اشمل نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا

ٹھیک ہے، لیکن اگلی بار ہمیں بتا دینا کہ ہم کس اینگل سے بیٹھیں

I don't like my pictures taken from a weird angle you know

کہتی وہ لاپرواہی سے پلٹ گئی اُسے لگا تھا فیصل شرمندہ ہو گا اور وہ ہوا بھی تھا۔

اپنی سیٹ کا رخ کرتے کرتے وہ مڑی، فیصل، کیا تم اپنا فون مجھے دکھا سکتے ہو؟ مجھے دیکھنا ہے کہ تم نے کس چیز کی تصویر لی ہے۔

فیصل کے چہرے پر کئی رنگ آ کر گزرے۔ اُس نے فون پر گرفت مزید مضبوط کر لی اور ایک بدلحاظ مسکراہٹ کے ساتھ کہا

"کیوں؟ یہ تمہارا معاملہ نہیں ہے۔"

اشمل نے فیصل کے جواب پر حیرت اور مایوسی کا اظہار کیا

اوکے پر یہ بات تم پیار سے بھی کہہ سکتے تھے فیصل۔ اپنے چہرے پہ معصومیت لیے وہ دھیمے لہجے میں بولتی آگے بڑھ گئی۔ اُس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ فیصل سے بدتمیزی نہیں کرے گی۔

اُس کو یوں اداس جاتا دیکھ فیصل کو خود پہ ڈھیروں غصہ آیا تھا۔ کیا ضرورت تھی اشمل سے ایسے بات کرنے کی؟ ناراض کر دیا بلاوجہ بیچاری کو۔ ڈیم اِٹ وہ اب خود کو بیٹھا کوس رہا تھا۔

لیکچر ختم ہو گیا تھا اشمل نے فیصل کے قریب جا کر اس سے صبح والے معاملے پر ایکسکیوز کرنے کا سوچا۔ وہ اس کے قریب موجود کرسی پر بیٹھی

''آئی ایم سوری، میں نے تم پہ شک کیا۔ مجھے نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

فیصل اسے بس دیکھ کے رہ گیا۔ اسے کیا ہوا ہے؟

نہیں آپ سوری نہ بولیں پلیز، آپ بہت اچھی ہیں۔'' وہ صرف اتنا ہی کہہ پایا۔

آس پاس موجود دو تین لڑکوں کے گروپ کی آنکھیں بھی ان دونوں پہ جمی تھیں۔ اشمل نے کچھ غیر آرام دہ محسوس کیا۔

''فیصل کیا ہم باہر چل کے بات کر لیں اگر تم برا نہ مانو تو؟''

Sure

کہتا وہ اسے ساتھ لیے باہر نکل گیا۔ وہ دونوں کلاس سے نکلے تو حفصہ نے بڑی مہارت سے فیصل کے فون کو اُس کی کرسی سے اٹھا کر چُرا لیا۔

یہ پلان اشمل اور حفصہ نے بہت دھیمے اور خفیہ انداز میں تیار کیا تھا۔ یونیورسٹی کی کلاس میں دونوں نے فیصل کا فون چوری کرنے کا فیصلہ کیا تھا جسے وہ ہمیشہ یہاں وہاں بھول جایا کرتا تھا۔

دس پندرہ منٹ بعد جب فیصل اور اشمل واپس لوٹے تو اشمل اپنی سیٹ پر واپس بیٹھ گئی مگر فیصل کے تو پاؤں زمین سے اکھڑ کر شاید آسمان پہ لٹک گئے تھے۔ دانت ہی اندر نہیں جا رہے تھے فیصل صاحب کے تو۔

فون چوری کرنے کے بعد، حفصہ نے وہ فون اپنے بیگ میں رکھ لیا تھا، کلاس ختم ہوئی تو دونوں نے فوری طور پر ڈیپارٹمنٹ کے ٹاپ فلور کی طرف قدم بڑھایا۔ یہ فلور عموماً خاموش اور کم لوگوں کی موجودگی کے باعث ان کی سازش کے لیے مثالی تھا۔ وہاں پہنچ کر اشمل نے فون کو ہاتھ میں لیا۔ حفصہ نے دیکھا کہ کلاس میں کوئی نہیں ہے اور دونوں نے فون کو کھڑکی کے پاس لے جا کر باہر پھینکنے کا ارادہ کیا۔ اشمل نے فون کو اوپر پھینکنے کے لیے ہوا میں ہاتھ لہرایا۔

فون ہوا میں اچھلتے ہوئے نیچے کی طرف گرا اور زمین پر گڑ گڑانے کی آواز پیدا ہوئی۔ جتنی زور سے فون زمین پہ جا گرا تھا فون تو کیا اب تک تو فیصل کا ہر لڑکی کو بھیجا لال دل والا ایموجی بھی ٹوٹ گیا ہو گا۔ اشمل اور حفصہ نے فون کے گرنے کے بعد سکھ کی سانس لی

۔

تم چلو حفصہ میں آتی ہوں۔ ''حفصہ بیگ اٹھائے اثبات میں سر ہلاتی باہر نکل گئی۔''

تم نے ٹھیک کہا تھا فیصل، میں اچھی ہوں، میں بہت اچھی ہوں، مگر ایک مسئلہ ہے، میں بس وہاں تک اچھی ہوں جہاں تک سامنے والے کو اپنی اوقات نہ بھولے، اپنی حد یاد رہ جائے، لیکن اگر وہ اپنی حد بھول جائے تو پھر معاملہ اشمل زبیر کے دل سے نکل کر دماغ میں گھر کر لیتا ہے اور وہ اسے پھر اپنے طریقے سے فکس کر لیتی ہے۔

وہ بلڈنگ کی اونچائی سے نیچے نظر دوڑاتی خود کلامی کر رہی تھی۔

****

فرقان ولید کے گھر کا ہمیشہ ایک مخصوص ماحول رہا تھا، جو اکثر غیر محسوس انداز میں ایک سنجیدہ نوعیت کا حامل تھا۔ یہ ماحول ان کی عادتوں اور خیالات کی عکاسی بخوبی کرتا تھا خاص طور پر جب وہ اپنے اکلوتے بیٹے تیمور ولید کا اپنے دوستوں کے بچوں سے موازنہ کرتے تھے۔

اگر کوئی دوست یا مہمان آتا، تو گفتگو کے دوران اکثر فرقان اپنے بیٹے کی صلاحیتوں یا کامیابیوں کا موازنہ دوسروں کے بچوں سے کرتے۔ مثلاً جب کوئی دوست اپنے بیٹے کی حالیہ کامیابیوں کے بارے میں بات کرتا تو فرقان فوراً اپنے بیٹے کے حالیہ کارناموں کا ان کے ساتھ موازنہ کر لیتے۔

تیمور کا مسئلہ آج بھی وہی تھا جو پندرہ سال پہلے تھا بس اب فرق اتنا تھا کہ وہ ایسے مناظر کا عادی ہو چکا تھا۔ وہ اپنے والد کی نظر میں ہمیشہ کم تر رہا تھا، کیونکہ ہر موقع پر فرقان کے دوستوں کے بچوں کی کامیابیوں کا ذکر اسے ذاتی طور پر متاثر کرتا تھا۔ فرقان کی توقعات کا بوجھ تیمور پر ہر وقت طاری رہا تھا کسی سائے کی طرح۔

اُسے آج بھی وہ دن یاد تھا جب فرقان اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھے تھے اور انکل طیب ان سے اپنے بچوں کی کامیابیوں کا ذکر کر رہے تھے۔ تو تیمور نے فرقان کو کہتے سنا تھا

اچھی اولاد بہت بڑی نعمت ہوتی ہے، تم بہت لکی ہو طیب۔" اور تیمور کو اس ایک ہی جملے نے چھلنی کر دیا تھا۔ اپنی اکلوتی اولاد کو "ڈی گریڈ کرنا فرقان کا پسندیدہ مشغلہ تھا اس لیے ہر ڈنر کے بعد چائے پہ فرقان کی گفتگو میں یہ ٹاپک لازمی شامل ہوتا تھا کہ کیسے دوسرے بچے بڑی کمپنیوں میں اہم عہدوں پر پہنچ گئے ہیں یا کیسے انہوں نے حیرت انگیز تعلیمی کامیابیاں حاصل کر لی ہیں۔ فرقان یہ سب باتیں تیمور کے سامنے رکھتے ہوئے بڑے فخر سے بیان کرتے جو اکثر تیمور کی اپنی ذات کے متعلق احساسِ کمتری اور دل شکستگی کا سبب بنتی۔

حالانکہ تیمور نے ولید ایمپائر کا سارا ذمہ اپنے کندھوں پر اُٹھا رکھا تھا مگر فرقان کے منہ سے کبھی اُسے تعریف یاں خوصلہ افزائی کا بول نصیب نہیں ہوا تھا۔ اُس کا باپ اُن لوگوں کی فہرست میں شمار ہوتا تھا جن کو اپنی اولاد زہر اور دوسروں کی اولاد شہد لگتی تھی۔

تیمور نے ہمیشہ اس سب کو دل سے قبول کیا اور خاموشی سے برداشت کیا تھا۔ اسے یہ سب سننا اب برا نہیں لگتا تھا یا پھر اسے اس لیکچر کی اتنی عادت ہو گئی تھی کہ اس نے ان باتوں کو کہیں نہ کہیں سچ ماننا شروع کر دیا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ اپنے والد کی توقعات کا بوجھ اٹھانا اور دوسروں سے بہتر ثابت ہونا اُس کی ذاتی ذمہ داری ہے۔ تیمور کی کوششیں، چاہے وہ ذاتی زندگی میں ہوں یا پیشہ ورانہ میدان میں، ہمیشہ اس کے باپ کے ہاتھوں نظر انداز ہو جاتی تھیں۔

جب کوئی آپ کو بار بار کہتا ہے ناں کہ تم نالائق ہو تم کچھ نہیں کر سکتے تو ایک مقام آتا ہے انسان اس منفی بات کو سچ ماننا شروع کر دیتا ہے، پھر اس میں لاکھ صلاحیتیں سہی، وہ نہ کچھ کر پاتا ہے نہ کچھ بن پاتا ہے۔ اس کے مقابل اگر آپ ایک کم ذہن کو کہیں کہ مجھے تم پہ پورا یقین ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ گے تو پھر وہ آپ کو کامیابی کے سمندر میں ڈوب کر دکھاتا ہے اور آخر میں جیت جاتا ہے ۔اسے اپنی تھیراپسٹ کی بات اچانک یاد آئی تھی۔

اس طرح، فرقان کی توقعات اور موازنہ کا یہ سلسلہ تیمور کی زندگی میں ایک مستقل سایہ بن چکا تھا۔ ایک طرف تو فرقان کی چاہت اور محبت تھی، لیکن دوسری طرف یہ موازنہ اُس کے بیٹے کے دل و دماغ پر مسلسل اثر ڈالتا رہا تھا اور فرقان کو خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ تیمور اپنے باپ کی وجہ سے سَفر کر رہا تھا۔ ہمیں سب سے زیادہ ڈیمج ہمارے قریبی لوگ ہی کرتے ہیں۔

فرقان کی توقعات کے بوجھ نے تیمور کی خود اعتمادی کو متاثر کیا تھا اور وہ ہمیشہ اپنے والد کی نظروں میں قابل قبول ثابت ہونے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ بچپن سے اب تک۔
یہی وجہ تھی کہ وہ بہت عرصے سے تھیراپی لیتا رہا تھا۔ اُسے اینٹی ڈیپریسنٹس کے بنا آرام نہیں آتا تھا۔ وہ سکون کی عار میں ان دوائیوں کا عادی ہو چکا تھا۔

تیمور کی پیشہ ورانہ زندگی میں یہ دباؤ اسے ہر قدم پر محسوس ہوتا تھا۔ جب وہ اپنے دفتر میں کام کر رہا ہوتا تو اکثر اُس کے ذہن میں اپنے والد کی توقعات اور موازنہ کی باتیں گردش کرتی رہتیں۔ پتا نہیں کون خوش نصیب ہوتے ہیں جن کو باتیں بھول جاتی ہیں یہاں تو باقاعدہ کانوں میں جملے گونجتے ہیں۔ اُس کی ہر کامیابی کا موازنہ فرقان کے دوستوں کے بچوں کی کامیابیوں سے کیا جاتا تھا اور ہر ناکامی اسے مزید حوصلہ شکنی کا شکار بناتی۔ تیمور کی خاموشی، اُس کی اندرونی جنگ کی عکاسی کرتی تھی۔ وہ ہر لمحے کوشش کرتا کہ وہ اپنے والد کی توقعات پر پورا اُترے، لیکن ان توقعات کے بوجھ تلے اُس کی خود اعتمادی پر اثر پڑتا رہا۔ شاید حساس رہتے رہتے وہ بے حس بن چکا تھا۔
اُس نے بہت بار سوچا تھا کہ وہ اپنے باپ سے اس بارے میں دوٹوک بات کرے گا پر روبینہ اُسے ہمیشہ یہ کہہ کر روک لیتی تھیں بیٹا وہ تم سے بہت پیار کرتے ہیں، تم ان سے ایسی بات کرو گے تو ان کو ہرٹ ہو گا۔ اسی ایک جملے نے تیمور کو ہمیشہ اپنے دلی جذبات خود تک محدود رکھنے پر مجبور کیا تھا۔
تیمور جانتا تھا کہ اس کی خاموشی اُس کے والد کی رائے کا احترام کرنے کی علامت تھی۔ لیکن جب ہم جائز باتوں پہ بھی خاموش رہتے ہیں تو ہم صبر نہیں ظلم کرتے ہیں۔ کبھی خود پہ تو کبھی سامنے والے پہ۔ اُس کا ظلم سہتے سہتے ہم اپنی دنیا خراب کر لیتے ہیں اور اُس کی آخرت۔

دوسروں کا دل رکھتے رکھتے وہ روز اپنے دل کا ایک نیا حصہ کاٹ لیا کرتا تھا۔ وہ قربانیاں دیتا تھا مگر وہ قربانیاں رائیگاں چلی جایا کرتی تھیں۔ پھر اُس نے منسا کی ذات میں وہ سکون حاصل کر لیا تھا جو اُسے اپنے گھر سے نہیں ملا تھا۔ اُس نے پھر منسا سے اتنی محبت کی جتنی محبت وہ چاہتا تھا کہ کوئی اس کے لیے اپنے دل میں محسوس کرے۔ منسا کی بات کو ویسے ہی حرفِ آخر مانا جیسے وہ چاہتا تھا کہ کوئی اُس کی بات مانے۔ تیمور منسا سے وہ محبت کرتا تھا جو اُسے کبھی نصیب نہیں ہوئی تھی۔ سب سے بڑی بات وہ ہوتی ہے جو الفاظ میں نہیں کہی جاتی، بلکہ دل کی گہرائیوں میں محسوس کی جاتی ہے۔ بالکل ایسے ہی سب سے زیادہ تکلیف اُس زخم کی ہوتی ہے جو لاعلاج ہوتا ہے اس لیے اُس کو خاموشی سے سہنہ پڑتا ہے۔

****

اعتبار کا آئینہ
از علیہا زاہد

باب نمبر:6

خاموش کمروں میں جہاں سائے چھاتے ہیں

لوگ بعض دفعہ نہ چاہتے ہوئے بھی پلٹ آتے ہیں

زخم باقی ہیں سرگوشیاں گہری ہیں

تعلق ٹوٹ گیا یادیں باقی ہیں

،وہ ہنسی، وہ کہانیاں

اب آہستہ آہستہ، سرد ہو گئی ہیں

رنگتیں درد سہنے کے باعث

اب زرد ہو گئی ہیں

وہ ہاتھ جو تھامے رہتے تھے کبھی مجھے

اب سکون سے اپنے آشیاں میں ہیں

ہر تصویر، ایک کہانی ہے

کسی سے چھپانی تو کسی کو سنانی ہے

وہ کڑوا میٹھا نشان

وہ روح پہ لگا بہتان

وقت کی بے رحم، نرم آغوش

رہی ہی کہاں ہے اب بنتِ حوا کو اپنی ہوش

سچ بتاؤں تو میں

رات میں تسلی تلاش کرتا ہوں

خوابوں میں، جہاں محبت چمکتی ہے

اگرچہ لوگ چلے گئے پر ان کی یادیں رہتی ہیں

میری ہنر مند طریقے سے رہنمائی کرتی ہیں

مگر وہ راز جو تھے وہ راز نہیں رہے

جو ہمسفر چُنے تھے، وہ ساتھ نہیں رہے

مجھ سے کہا تھا اک بشر نے

میں ساتھ ہوں تمہارے

کاٹ رہا تھا کلائی جب اپنی

رِستہ خون بولا مت کرو جذبات ہیں تمہارے

جو کھائی میں چھلانگ لگانا چاہے

تم دو گی اُسے پیچھے سے آواز؟

تم رکھو گے اُس کے راز؟

مگر تم ان رازوں کو کیوں رکھو گے راز؟

تم تو ہو انسان اور عموماً انسانوں کا

،رازوں کی حفاظت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا

پھر بھی تم رکھنا یاد ایک بات کہ

کسی کی دنیا اجاڑنے کے لیے اس کا راز اُچھالنا کافی ہے۔

****

رنگین لائٹس نے ایک دلکش ماحول تخلیق کر رکھا تھا۔ اسٹیج پر ایک خوبصورت سیٹ اپ تھا جس پر نوفل کا مائیکروفون اور گٹار رکھا ہوا تھا۔ پسِ منظر میں ہلکی پھلکی موسیقی چل رہی تھی اور مہمانوں کا جوش و خروش بڑھتا جا رہا تھا۔

نوفل نے جب اسٹیج پر قدم رکھا تو لوگوں نے تالیوں کی گونج سے اس کا استقبال کیا۔ اس کی پرفارمنس نے سب کو مسحور کر دیا تھا۔

اشمل اور حبا نے اپنے لئے مخصوص جگہ پر بیٹھتے بغور اطراف میں نظر دوڑائی۔ حبا نوفل کی پرفارمنس پر کچھ خاص متوجہ نہیں تھی کیونکہ اس قسم کے میوزیکل ایوینٹس اس کی سرگرمیوں کا حصہ نہیں تھے مگر اشمل کی وجہ سے اُسے آنا پڑا تھا۔ جبکہ اشمل کی نظر نوفل پر ٹھہر گئی تھی۔

آپ اِسے آنکھیں پھاڑ کر کیوں دیکھ رہی ہیں؟ حبا نے حیران ہوتے ہوئے سوال کیا۔

منہ بند رکھو، ایسا کچھ نہیں ہے۔ وہ پھر اُسے ویسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اس بار حبا اشمل کی بات پر کھل کے مسکرائی اور سر کو خم کیا۔

اشمل کی آنکھیں اور الفاظ ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ آنکھیں کچھ اور بیان کر رہی تھیں جبکہ لفظ کچھ اور کہہ رہے تھے۔

گانے کے اختتام پر، اسٹیج پر تالیوں کی گونج اور کچھ لوگوں کی آنکھوں میں خوشی کی جھلک صاف دیکھی جا سکتی تھی۔ نوفل کی پرفارمنس نے ماحول کو بے حد خوشگوار بنا دیا تھا۔

نوفل کی آواز سن کر ایک لمحے کے لیے اشمل کے چہرے پر موجود فخر کی جھلک صاف دیکھی جا سکتی تھی۔ وہ نوفل کی پرفارمنس کو اتنی محبت سے دیکھ رہی تھی کہ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے سرمئی آنکھوں کی چمک بڑھنے لگی۔

حبا نے نوفل کی پرفارمنس کے دوران اشمل کی جانب دیکھا اور اس کے چہرے پہ خوشی کی جھلک دیکھی۔ جب گانا ختم ہوا، حبا نے اشمل کی طرف رخ کیا اور مسکرا کر کہا، نوفل کی آواز واقعی بہت خوبصورت ہے اس میں کچھ خاص بات ہے۔

میں بھی یہی سوچتی ہوں۔ اشمل نے سر ہلا کر حبا کی بات کی تصدیق کی۔ اور اس ہی لمحے حبا کا شک یقین میں بدل گیا تھا۔ صرف نوفل ہی نہیں اشمل بھی نوفل کو پسند کرتی تھی۔

وہ خوش تھا کہ اشمل نے اس کے انویٹیشن کو سیریئسلی لیا تھا۔ اشمل نے جب اُن دونوں کا انٹروڈکشن کروایا تو نوفل کی آنکھیں بات کرتے زمین کی جانب تھیں۔ اُس نے آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا حبا کی طرف اور یہ بات حبا کو بہت اچھی لگی تھی۔

آج کے زمانے میں ایسے کون ٹریٹ کرتا ہے، آنکھوں میں اتنی حیا۔ آئی مسٹ سے بہت اچھی تربیت کی ہے نوفل بھائی کی اُن کے گھر والوں نے۔ وہ وہاں سے نکلتے نوفل کی تعریف کر رہی تھی اور اشمل کو نوفل پہ فخر محسوس ہو رہا تھا۔

****

گھر واپس آتے ہوئے اس کا دماغ ایک ہی بات میں اٹکا تھا وہ ایک سوچ وہ ایک سوال اسے بار بار سوچنے پر مجبور کر رہا تھا۔ وہ پورے سفر ایک ہی بات سوچتی رہی تھی۔ نوفل کی آواز، نوفل کا گٹار، اُس کا نظر جھکا کر بات کرنے کا انداز۔ کیا کوئی انسان صرف آواز کی بنا پر پسند آ سکتا ہے؟ وہ نا سمجھی سے اِدھر اُدھر چکر کاٹ رہی تھی۔

بعض آوازیں دل پر اتنا گہرا اثر ڈالتی ہیں کہ آپ کے کانوں میں پڑنے والی دوسری ہر آواز کے راستے کو بند کر دیتی ہیں۔ پھر بس وہ ایک آواز کانوں میں گونجتی ہے، صرف وہ سنائی دیتی ہے۔ جب کسی کی آواز دلکش ہوتی ہے، تو اس کا اندازِ گفتگو اور لہجہ انسان کی روح کو اپنی طرف کھینچ لینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ آواز کا سحر صرف سننے کی حد تک محدود نہیں رہتا بلکہ وہ آواز سننے والے کے دل میں ایک خاص جگہ بناتی ہے۔ یا پھر شاید وہ انسان بھی۔

ہمیں کسی کی آواز اتنی کیسے پسند آ جاتی ہے کہ ہم بس اس ہی کو سننا چاہتے ہیں؟ وہ حبا کی جانب رخ موڑے بولی۔ سامنے بیٹھی حبا اُسے پچھلے دس منٹ سے چکر کاٹتا دیکھ رہی تھی اور جب اُس نے یہ سوال کیا تو حبا ایک گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

حبا کو پتہ تھا اشمل کا اشارہ کس طرف تھا اس نے پر سکون انداز میں کہنا شروع کیا، **دیکھیں، جب کسی کی آواز دل کو پسند آتی ہے، تو یہ دراصل اُس کی شخصیت کی ایک جھلک ہوتی ہے۔ ہم جو دیکھتے ہیں، ہم جو سنتے ہیں اس کا اثر ہماری ذات پہ ہوتا ہے۔ اور دل پہ وہ چیز اثر کرتی ہے جس کی وجہ سے جذبات میں تبدیلی آتی ہے پھر چاہے وہ منفی ہو یا مثبت۔ ہم جو سنتے ہیں اُس کا ہمارے دلوں پر بھی اثر ہوتا ہے۔ ویسے آپ اتنا کیوں سوچ رہی ہیں؟** اشمل کو حبا کی ہر بات بخوبی سمجھ آئی تھی پر اُسے منفی اور مثبت اثر والی بات قدرے ناگوار گزری تھی۔

حبا اس کی آواز میں اتنی نرمی اور وقار۔۔۔کچھ ہے جو اٹریکٹ کرتا ہے اس کی جانب وہ مزید کہتی گئی میں اس کی بات سن رہی ہوتی ہوں تو مجھے لگتا ہے مجھے دوسری کوئی آواز نہیں آرہی باقی دنیا جیسے خاموش ہو گئی ہو۔

آپ نوفل کو پسند کرتی ہیں؟ بلآخر اس نے پوچھ ہی لیا تھا۔

"اسے پسند کرنے کا تو نہیں پتہ پر۔۔۔اس کی آواز۔۔۔میں نے آج تک کسی مرد کی اتنی پر کشش آواز نہیں سنی۔"

حبا گہرا سانس لیے خاموش ہو گئی۔اسے پتہ تھا اشمل کبھی اعتراف نہیں کرے گی اگر ایسا کچھ ہوا بھی تو۔

****

اس شام جب وہ گھر آیا تو اس نے نورین اور ماہین کو بحث کرتے دیکھا۔ مگر وہ دونوں حیدر کو دیکھ فوراً سنبھل گئی تھیں۔

حیدر نے دونوں کے درمیان آکر نرم لہجے میں کہا

آپ دونوں کس بات پہ لڑ رہی ہیں؟،اس کی آواز میں اتنی فکر تھی کہ دونوں خاموش ہو گئیں۔

ارے نہیں، میں اپنی بیٹی سے کیوں لڑوں گی۔نورین ماہین کو اپنے ساتھ لگائے محبت سے بولی اور ماہین نے ویران نظروں سے سامنے کھڑے حیدر کو دیکھا جو اب مسکرا رہا تھا۔

تم کیوں چاہتے ہو کہ خدانخواستہ کبھی ہماری لڑائی ہو۔نورین نے خفگی سے کہا۔ماہین نے محسوس کر لیا تھا کہ نورین نے بات کا رخ کس سوچ سے بدلا تھا۔اگر وہ ماں تھی اور اسے اپنے بیٹے کی نیچر کا علم تھا تو پھر ماہین بھی اپنے شوہر کی طبیعت کو سمجھتی تھی۔

حیدر نے کہا ممی میں ایسا کیوں چاہوں گا میں تو بہت خوش ہوں کہ آپ نے ایک دوسرے کے ساتھ اتنی آسانی سے ایڈجسٹ کر لیا ۔میں نے تو اسے کہا تھا کہ ممی کی طرح تم بھی اپنی سوشل لائف پہ توجہ دو گھر رہنے سے بور ہو جاؤ گی

اوہ تو اُس کو اسکی اوقات بھول جانے میں تم ہیلپ کر رہے ہو ہنی۔اندر سے کسی نے سرگوشی کی۔

میں رابعہ کو دیکھ لوں کہ کھانے میں کتنی دیر ہے۔ماہین خود کو نورین سے الگ کرتی زبردستی مسکراتے اُٹھ کھڑی ہوئی۔
وہ چلی گئی تو حیدر کوٹ اتارے صوفے کے کنارے پر رکھتے نورین کی جانب دیکھنے لگا۔
ممی آپ کی محبت ہمیشہ میری سب سے بڑی سپورٹ رہی ہے۔میں چاہتا ہوں کہ آپ ماہین کو بھی ویسے ہی پیار کریں جیسے مجھ سے اور حبا سے کرتی ہیں۔اور اگر وہ کوئی غلطی کرے تو آپ اُسے پیار سے سمجھائیں وہ ضرور سمجھے گی آپ کی بات کو،وہ اس کے سامنے بیٹھا بغور اس کی آنکھوں میں دیکھے کہہ رہا تھا۔
آف کورس ہنی۔نورین نے خوشدلی سے بولا اور پھر حیدر نے میز پر سے ایک میگزین اُٹھاتے دیکھا۔

****

نوفل کلاس میں داخل ہوا تو اس کی نظریں فوراً اشمل پر ٹھہر گئیں۔وہ اپنے دوستوں کو نظر انداز کرتے ہوئے سیدھا اشمل کی طرف بڑھا۔

اشمل نوفل کو دیکھ کر ہلکی سی چونکی۔
کیا ہوا؟ ،وہ سر اُٹھائے نوفل کو دیکھنے لگی۔

آپ کی فیصل سے کیا بات ہوئی؟وہ کل بوائز گروپ میں کہہ رہا تھا کہ وہ آپ سے کوئی خاص بات کہنا چاہتا ہے۔وہ دھیمی آواز میں بولا

اشمل نے کتاب بند کر کے نوفل کی طرف دھیان دیا۔"نہیں،میری تو ایسی کوئی بات نہیں ہوئی کیا ہوا؟"وہ اب فکر مندی سے پوچھ رہی تھی۔

نوفل نے اپنی آواز کو مزید مدھم کرتے ہوئے کہا

" he said you two are interested in each other "

اشمل کو لگا اُسے سننے میں غلطی ہوئی ہے پھر وہ بلند آواز میں بولی

اس نے اپنا منہ دیکھا ہے؟

Ask him to see his face in the mirror like for once at least, stupid

نوفل نے گردن گھما کر دیکھا کہ کوئی اور سن تو نہیں رہا پھر احتیاط سے بولا

"ایک دو دن یونیورسٹی نہ آؤ تو ادھر کی دنیا ہی بدل جاتی ہے عجیب، فیصل کی بات سن کر میں سوچ رہا تھا کہ شاید۔۔"

تمھاری سوچ سے بھی فرق نہیں پڑتا مجھے نوفل اور وہ آئے گا تو اسے میں خود دیکھ لوں گی خبیث کہیں کا۔ وہ جواباً ایسے بولی کہ نوفل کھڑا کا کھڑا رہ گیا اس نے کبھی اشمل کو ایسے بات کرتے نہیں دیکھا تھا۔

نوفل نے کچھ سوچتے ہوئے کہا

لیکن اگر وہ کوئی غلط قدم اٹھالے تو؟ آپ چاہیں تو میں اس سے اپنے طریقے سے بات کر سکتا ہوں۔

"تاکہ وہ میرا نام اس بار تمھارے نام کے ساتھ جوڑ دیں؟"

I'd be the happiest

مسکراتا وہ اپنے دل کی بات کہہ گیا تھا۔ اور اشمل کو سمجھ نہیں آیا تھا کہ وہ کیا جواب دے۔

نوفل، میرے معاملات سے دور رہو۔ وہ بے رخی سے سرد لہجے میں بولی۔

لیکن میں صرف آپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں، اس نے بوکھلا کر بات سنبھالنا چاہی

"میری زندگی، میرے فیصلے میری ذمہ داری ہیں۔ تمہیں ان میں مداخلت کرنے کی ضرورت نہیں۔"

نوفل کے دل میں ایک چوٹ سی لگی۔ وہ جانتا تھا کہ اشمل کبھی کبھی سخت ہو جاتی ہے مگر آج اس کی بے رخی نے اسے جھنجھوڑ دیا۔
میں صرف فکر مند ہوں۔ اس نے اپنی بات رکھنا چاہی"

فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، اشمل نے اس کی بات کو کاٹتے ہوئے کہا۔ اور کیوں ہو تم فکر مند؟ میں کیا لگتی ہوں تمہاری؟ بہتر ہے تم اپنے معاملات پر توجہ دو۔

نوفل لمحے بھر کے لیے خاموش رہا پھر سر جھکائے واپس اپنی سیٹ پر چلا گیا۔ کبھی کبھار مدد کرنے کا بہترین طریقہ صرف خاموش رہنا ہوتا ہے۔ سامنے والے کو اس کے حال پر چھوڑ دینا۔

جگہ پر واپس جاتے اُس نے خود کو یہ وضاحت دی تھی کہ اشمل غصے میں تھی اس لیے اُس نے وہ سب باتیں نوفل کو سنا دیں۔ ہم دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر کبھی کبھی اپنی عزتِ نفس کو اس حد تک مجروح کر دیتے ہیں کہ ہوش آنے پر ہم خود کو بھی پہچاننے سے انکاری ہو جاتے ہیں۔
اس نے اپنی سوچوں پر استہزایہ سر جھٹکا۔

آپ کو اسپیس چاہیے نہ مجھ سے؟ میں اب تنگ نہیں کروں گا آپ کو۔ اگر آپ آواز دیں گی تو ٹھیک ورنہ میں خود سے نہیں آؤں گا
۔

****

نیہال نے منسا کے ساتھ بیٹھتے ہوئے اس کی توجہ اپنی طرف کھینچی۔

منسا، تمہیں پتہ ہے ؟، نیہال نے دھیرے سے کہا، نوفل کو سٹاک کرتے مجھے ایک بات پتا چلی وہ اپنے مین اکاؤنٹ پر کسی کو ریپلائے نہیں دیتا۔ وہ وہاں بالکل بھی ایکٹیو نہیں رہتا۔

کیا؟ تمہیں یہ کس نے بتایا؟ ،وہ چونک کر پلٹی

میرے تایا کا بیٹا ہے ناوسیم اس نے بتایا۔ کہہ رہا تھا نوفل سوشل میڈیا پر بہت پرائویٹ ہے۔ کوئی اینائمس اکاؤنٹ ہے اس کا شاید جہاں وہ دوستوں کو ایڈ کرتا ہے بس۔

لیکن کیوں؟ ،منسا کا تجسس آسمان کو چھو رہا تھا۔"

"شاید اسے سوشل میڈیا کی دنیا سے دور رہنا پسند ہے۔ ورنہ وہ مین اکاؤنٹ پہ ایکٹیو ہوتا۔"

،دل ایک عجیب سی بے چینی میں ڈوبا تھا۔ اب کیسے بات کرے گی وہ نوفل سے ؟ نوفل تو جواب ہی نہیں دیتا کسی کو مین پروفائل پہ اُف۔۔۔۔

"تمہارے کزن نے اس کے اینائمس اکاؤنٹ کا **یوزر نیم** بتایا؟"

نہیں مجھے خیال ہی نہیں آیا، اب پوچھ دیتی ہوں۔ نیہال فون اُٹھاتے میسج کرنے ہی لگی تھی کہ منسا نے اُسے روک دیا۔

نہیں رہنے دو، میں خود ڈھونڈ لیتی ہوں۔ ایسے تمھارا کزن بھی ہمیں ڈیسپرٹ سمجھے گا۔

ہمیں نہیں تمہیں۔ میرا تو مڑ کر دیکھنے کو دل نہیں چاہا اُس کو۔ بس آواز ہی۔۔۔ نیہال نے تصیح کی

تھپڑ نہ کھالینا۔ وہ گھورتے ہوئے بولی

نیہال زیرِ لب مسکرائی

منسا نے وہیں بیٹھے سوچ لیا تھا کہ وہ نوفل کے بارے میں مزید جاننے کی کوشش کرے گی چاہے اس کے لیے کتنے دن بھی کیوں نہ لگ جائیں۔

کمرے میں روشنی ہلکی تھی کمرے میں سکوت تھا اور اس کی سیاہ اونچی پونی ہوا میں جھول رہی تھی۔ منسا اسکرین کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی لیپ ٹاپ کی روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ ہر بار جب وہ سر کو ہلکا سا جھکاتی یا اوپر اٹھاتی تو اس کی پونی ایک دلکش لہروں کی طرح پیچھے کی طرف سرک جاتی۔

اس نے نوفل کا مین انسٹا گرام اکاؤنٹ کھول رکھا تھا۔ وہ اِدھر اُدھر کی چیزیں دیکھ رہی تھی، اس کی پروفائل کو اسٹالک کر رہی تھی۔ تجسس بڑھتا جا رہا تھا خاص طور پر اس کے پرائیویٹ اکاؤنٹ کے بارے میں۔ اُسے اس بارے میں پتا لگوانا تھا اور پچھلے ایک گھنٹے سے وہ یہی کر رہی تھی۔

اس نے نوفل کی پوسٹس کو ایک ایک کر کے دیکھا۔ ہر تصویر میں ایک ایموجی کا کیپشن، ایک کوٹ، ایک سطر جو منسا کو مزید متوجہ کر رہی تھی۔

وہ اس کی حالیہ پوسٹ پر رک گئی جس میں نوفل نے اپنی نئی گٹار کلاس کا ذکر کیا تھا۔ منسا نے تصویر کو زوم کیا سامنے نوفل مسکرا رہا تھا۔

کتنا ہینڈسم ہے۔اس نے دل میں اعتراف کیا۔وہ واقعی ہینڈسم تھا یا کم از کم منسا کو وہ ہینڈسم لگا تھا۔

منسا نے کچھ دیر تک نوفل کی پروفائل کا جائزہ لیا، پھر ایک گہری سانس لی۔اور فالو کے بٹن کو دبا دیا۔اب وہ منسا کے قریب تھا کیوں کہ منسا اس کی پروفائل کا حصہ تھی۔
اس کی فالوئنگ کو دیکھتے ہوئے اس کی سیاہ پونی ایک طرف جھک گئی تھی،اور وہ اپنے ہونٹوں کو چبانے لگی۔

منسا نے نوفل کی فالوئنگ کی فہرست کو کھولا۔اس کی آنکھیں تیزی سے ناموں کو تلاش کر رہی تھیں شاید وہاں کوئی ایسا نام ہو گا جو نوفل کے پرائیویٹ اکاؤنٹ کا اشارہ دے سکے۔

وہ بار بار پیچھے جاتی اور مختلف ناموں پر کلک کرتی دل میں ایک چھوٹا سا امید کا دیا جلائے ہوئے۔ایک لمحے کو اس نے سوچا کہ کیا یہ سب کرنا صحیح ہے؟لیکن کیوروسٹی اسے آگے بڑھنے پر مجبور کر رہی تھی۔

اچانک اس کی نظر ایک نام پر رکی اس نے دل کی دھڑکن کو سنبھالتے ہوئے اس پروفائل پر کلک کیا۔

ہر چیز گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی دلچسپی اور بڑھتی گئی اور اس نے اپنے اندر کی بے چینی کو محسوس کیا۔منسا جانتی تھی کہ یہ سب شاید غلط ہے لیکن نوفل کی زندگی میں چھپی ہوئی چیزیں جاننے کی خواہش نے اسے بے چین کر رکھا تھا۔

منسا کی آنکھیں چمک اٹھیں۔اس نام نے اس کے دل کی دھڑکن تیز کر دی تھی اسے اپنی تلاش کا جواب مل گیا تھا۔

اسکرین پر اکاؤنٹ کھلتے ہی، منسا نے فوری طور پر پروفائل پکچر کو غور سے دیکھا۔یہ ایک سادہ سی تصویر تھی۔نوفل اور اس کا دوست ایک ہی اکاؤنٹ کو فالو کر رہے تھے سو اس نے یہ اکاؤنٹ بھی فالو کر کے ہائے۔کا ڈی ایم کر دیا۔
اسکرین پر

@Anonymous_17

چمک رہا تھا۔

اسے اب نوفل کے جواب کا انتظار کرنا تھا۔ بعض دفعہ انتظار آپ کو موت سے زیادہ مشکل لگنے لگتا ہے۔

پر اُس نے کہیں پڑھا تھا

"لا تستعجل، فكل شيء يأتي في وقته"

".Don't rush, everything comes in its own time"

رات کو وہ کھانا کھا کر کمرے میں واپس آئی تو اس نے فون اٹھایا جیسے ہی اس نے انسٹا گرام کھولا اس اکاؤنٹ نے ریکویسٹ ایکسیپٹ کر لی تھی منسا کے ''ہائے'' کا جواب بھی آ چکا تھا۔

منسا کے چہرے پہ موجود مسکراہٹ اس بات کا ثبوت تھی کہ اس کی محنت رنگ لائی تھی۔ کبھی کبھی اللہ تعالیٰ آپ کی کتنی جلدی سن لیتا ہے ناں جیسے بس منہ سے بات نکلی ہو اور عرش والے نے کن بول دیا ہو۔ منسا کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔

****

ماہین کمرے میں اکیلی بیٹھی تھی، اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس کا چہرہ اداس اور تھکا ہوا لگ رہا تھا۔ کمرے کی خاموشی میں صرف اس کی سسکیاں سنائی دے رہی تھی۔

اچانک حبا کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کی نظر فوراً ماہین پر پڑی۔ حبا نے ماہین کے چہرے پہ ایک عجیب سا اضطراب دیکھا۔ ماہین نے جلدی سے اپنے آنسو پونچھنے کی کوشش کی مگر حبا نے اُس کی آنکھوں میں موجود آنسو دیکھ لیے تھے۔

کیا ہوا، بھابھی آپ ٹھیک ہیں؟ ، حبا نے نرمی سے پوچھا۔ وہ ماہین کے قریب بیٹھ گئی۔

ماہین نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی، کچھ نہیں، حبا۔ میں ٹھیک ہوں۔ آواز کی لرزش اس کے جھوٹ کو بے نقاب کر رہی تھی۔

کیا آپ کچھ شیئر کرنا چاہتی ہیں؟ آپ مجھ سے کہہ سکتی ہیں اپنے دل کی بات۔ وہ فکر مند ہو رہی تھی۔

ماہین نے ایک لمحے کے لیے خاموشی اختیار کی پھر اپنی آنکھیں رگڑتے ہوئے سچائی کا سامنا کرنے کی ہمت جمع کی۔ حبا کا ساتھ اس لمحے کی شدت کو کچھ کم کرنے لگا اور ماہین کو احساس ہوا کہ وہ اکیلی نہیں ہے۔

حبا، میں واقعی ٹھیک نہیں ہوں۔ مجھے۔۔ وہ کہتے کہتے رُکی

وہ ایک لمحے کے لیے خاموش رہی۔ پھر اس نے ہمت جمع کی **پتا ہے حبا عورت سسرال میں ہر رشتہ بنا لیتی ہے، کسی کی بہو، کسی کی دیورانی، کسی کی بھابی، مگر ایک رشتہ وہ کبھی نہیں بنا پاتی، ایک دوست، دوست نہیں بن پاتی وہ کبھی کسی کی۔ نہ اس کا کوئی دوست ثابت ہوتا ہے۔**

یہ آپ سے کس نے کہہ دیا؟ خود بتائیں کیا ہم دونوں دوست نہیں ہیں؟
ہم دوست ہیں؟ نہیں ہم دوست نہیں بن سکتے، تمھارا اور میرا رشتہ ایسا نہیں ہے شاید۔ بہ مشکل سانس لے کر اُس نے حبا کو دیکھتے بولا
حبا نے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا
دوست نہیں ہوں تو کیا ہوا دشمن بھی تو نہیں ہوں۔ بھابھی ہم اگر آج دوست نہیں ہیں تو کل بن جائیں گے۔ یقین کریں میں آپ کی دشمن کبھی ثابت نہیں ہوں گی پکا پرامس۔

تھینک یو۔

حبا نے محبت بھری آنکھوں سے ماہین کی طرف دیکھا۔پہلے تو آپ تھینک یو کہہ کر شرمندہ کرنا بند کریں،اور رویا نہ کریں اتنی پیاری آنکھیں ہیں۔

ماہین نے مسکرا کر کہا
تمھارے بھائی اور تمھاری باتوں میں زیادہ فرق نہیں ہے ویسے۔
ہاں جی وہ مجھ پہ چلے گئے ہیں۔ماہین نہ چاہتے ہوئے بھی ہنس دی تھی۔

ماہین نے ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔غلط کہتے ہیں لوگ کہ سب بیٹیاں اپنی ماؤں پہ جاتی ہیں۔سب کی خصلت اپنی ماں جیسی نہیں ہوتی اور سامنے بیٹھی حبا اس بات کا منہ بولتا ثبوت تھی۔اُس میں اور اس کی ماں میں زمین آسمان کا فرق تھا۔

****

حبا حسیب عشاہ کی نماز کے بعد جائے نماز پر بیٹھی تھی۔کمرے کی روشنی مدھم تھی اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ زار و قطار رو رہی تھی۔

دل دکھی اور بوجھل تھا۔جائے نماز کے گرد خاموشی چھائی ہوئی تھی اور صرف اس کی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔
"یااللہ،مجھے ہمت دے"

وہ سوچ رہی تھی کہ زندگی کے مسائل نے اسے کتنا کمزور کر دیا ہے۔اپنی ذات کی خاموشی اور اپنے احساسات کا بوجھ اُٹھانا،دونوں نے اس کے دل کو توڑ دیا تھا۔اس کی سوچیں بھٹک رہی تھیں۔

کچھ لمحے اور گزرے حبا نے اپنے آنسوؤں کو پونچھنے کی کوشش کی مگر اس کا دل اب بھی بھرا ہوا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ یہ وقت گزر جائے گا مگر اس لمحے کی شدت اسے بے حد دکھی کر رہی تھی۔

حبا جائے نماز پر بیٹھی ہوئی، اللہ تعالیٰ کے سامنے زار و قطار روتے ہوئے دوہرا رہی تھی ''میں اس کی محبت میں جائے نماز پہ بیٹھی ہوں اور وہ، اللہ تعالیٰ وہ اپنی دنیا میں گم ہے۔

اس کی آواز مدھم اور بھرائی ہوئی تھی۔

وہ لڑکی اللہ تعالیٰ کو اپنی داستان سنا رہی تھی۔

کیا اسے میری حالت نظر نہیں آتی؟

آنسو اس کے رخساروں سے بہتے ہوئے جائے نماز پر ٹپکتے رہے۔

وہ چاہتی تھی کہ اللہ تعالیٰ اسے سمجھیں، اسے سنیں اور اس کی حالت پر رحم کریں۔ آنکھیں بند تھیں اور چہرے پر شدید اضطراب تھا۔

یا اللہ، اس انسان کو میرا ہمسفر بنا دیں اسے حبا حسیب کا محرم بنا دیں۔ پلیز اُس کے دل میں میرے لیے محبت ڈال دیں۔
میں چاہتی ہوں کہ وہ میری زندگی کا حصہ بنے، میرے راستے کا ساتھی بنے۔ میں نے آج سے پہلے کبھی کسی مرد سے ایسی محبت نہیں کی۔

یا اللہ میں نے اپنی محبت کو آپ کے حوالے کر دیا ہے۔ اس نے بے بسی سے اگلا جملہ بولا
"مجھے یقین ہے کہ آپ میرے دل کی بات کو سمجھتے ہیں۔"

****

منسا اداس چہرہ لیے بیٹھی تھی کہ اچانک تیمور دروازے پر نمودار ہوا۔

کیسی ہو؟، منسا کی طرف بڑھتے ہوئے بولا

تیمور نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے دیکھا کہ وہ اب تک خاموش تھی۔ تیمور نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

"ابھی تک اس بات پہ پریشان ہو؟ صرف ایک اسائنمنٹ ہی تو ہے تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں بنا دوں گا۔"

"تیمور سب کچھ بہت مشکل ہے۔ یہ فیلڈ۔اُف"

تیمور نے سر ہلایا

''میں جانتا ہوں۔ تمھارے سر پہ موجود 4 بال بھی ڈگری کے آخر تک نہیں ہوں گے لکھوالو۔"

چاہے کچھ بھی ہو، میں یہ ڈگری چھوڑنے والی نہیں ہوں۔'' وہ خفگی سے بولی"

"تو پھر اتنی اتنی سی بات پر منہ بھی مت بناؤ۔ کم آن یار دوسرا سمیسٹر ہے ابھی۔"

''اچھا اب اسائنمنٹ کب بناؤ گے؟ رات تک؟''

ہاں میں وعدہ کرتا ہوں، پکارات کو اسائنمنٹ تمہارے سامنے ہو گی۔ تیمور نے اعتماد دلاتے کہا۔

منسا کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔

تیمور نے منسا کے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا

"تمہارے لیے ہر قدم پر کھڑا رہوں گا"

تمھارے لیے تو پوری دنیا کو آگ لگا دوں گا یہ تو پھر ایک فضول سی اسائنمنٹ ہے۔ وہ اس جملے پر بے حد نروس ہو رہی تھی مگر بظاہر ہمت کر کے بولی

اچھا اب بکواس مت کرو زیادہ۔ وہ جب بد تمیزی کرتی تھی تو اس کا مطلب ہوتا تھا کہ اس کا موڈ ٹھیک ہے تیمور کو منسا کی بد تمیزی سے نہیں اس کی تمیز سے ڈر لگتا تھا کیوں کہ وہ جب ناراض ہوتی تھی تو وہ فارمل ہو جایا کرتی تھی، سامنے والے کو غیر کر دیتی تھی۔ منسا کا موڈ ٹھیک تھا اس لئے تیمور مطمئن تھا۔

****

اشمل لائبریری کی خاموشی میں کتابوں کے درمیان گم آنکھیں صفحات پر مرکوز کیے بیٹھی تھی۔ کمرے میں ایک سکوت تھا جو صرف کبھی کبھار صفحے پلٹنے کی آواز سے ٹوٹتا تھا۔ وہ اپنی سوچوں میں محو تھی جب اچانک فیصل اس کے ساتھ والی کرسی پر آ بیٹھا۔

اس نے سر اٹھا کر فیصل کی طرف دیکھا

فیصل نے مسکرا کر کہا، کیا میں آپ کے ساتھ بیٹھ سکتا ہوں؟

اشمل نے تھوڑی ہچکچاہٹ کے بعد سر ہلایا۔ "جی۔" مگر اس کی آواز میں ایک ہلکی سی بیزاری تھی۔

فیصل نے ایک لمحے کے لیے خاموشی اختیار کی پھر کہنے لگا

"یہاں پڑھنے کا ماحول کتنا اچھا ہے، ہے نا؟"

اشمل نے سر ہلایا، ہاں، بالکل۔ لیکن اگر کوئی واقعی ہی پڑھنا چاہے تو۔ اشمل نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

فیصل نے آہستہ سے کہا، "مجھے لگا تم اکیلی ہو، تو میں آیا۔" اس کی آواز میں ایک دوستانہ نرمی تھی۔

اچھا تمھیں لگا میں اکیلی ہوں؟ اتنے سارے لوگ نظر نہیں آئے؟، وہ اپنی کتاب کو ایک طرف رکھ کر فیصل کی طرف دیکھتے آس پاس کے لوگوں پہ نظر دوڑاتی بولی۔

فیصل نے سر کو ہلکا سا خم دیا، کہا کچھ نہیں۔ وہ اس کے سامنے پڑی کتاب کو اٹھاتے اشمل کے ہاتھ پر اپنی انگلیاں پھیر گیا تھا۔ وہ ایک لمحے کے لیے ٹھٹکی، اس کی آنکھیں فیصل کی طرف گھوم گئیں۔

فیصل نے مسکراتے ہوئے کہا

"کیا آپ کو کبھی ایسا نہیں لگا کہ زندگی میں کچھ خاص ہونا چاہیے؟"

اشمل نے فوراً اپنی جگہ سے ہٹتے ہوئے کہا، "تم یہ کیا کر رہے ہو، فیصل؟" اس کی آواز میں ایک واضح برہمی تھی۔

فیصل نے اپنے ہاتھ کو ہٹا لیا مگر اس کی مسکراہٹ برقرار تھی۔ "میں نے تو صرف بات کی ہے۔" اشمل کے چہرے پر غصے کی لکیریں واضح تھیں۔

یہ بات نہیں ہے، اشمل نے اپنی بات جاری رکھی، تم اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہو؟ میں یہاں پڑھنے آتی ہوں۔ نہ کہ تمہاری تفریح کا سامان بننے۔ ہر لڑکی کو اپنے باپ کی پراپرٹی نہیں سمجھ لیتے۔ وہ غرائی تھی۔ فیصل کے اطمینان میں کمی نہیں آئی تھی۔

اشمل نے مزید کہا

میں یہ سب برداشت نہیں کروں گی۔اگر تمہیں مجھ سے بات کرنی ہے تو احترام سے کرو، بہتر ہے تم اپنی حد میں رہو اور یہ حرکتیں اپنے گھر کی خواتین کے ساتھ کیا کرو۔

خدا کی قسم آپ کی جگہ یہاں کوئی اور لڑکی ہوتی تو میں اسے حد کا اصل مطلب سمجھاتا''کہتے اس کی مسکراہٹ آہستہ آہستہ غائب ہونے لگی۔وہ تنبیہ کرتا اُٹھ گیا۔اشمل کو اس بات کی تسلی تھی کہ اس نے فیصل کو یہ بات واضع الفاظ میں بتادی تھی کہ وہ کسی بھی غیر آرام دہ رویے کو برداشت نہیں کرے گی۔
ایک بات تو طے تھی وہ اپنی عزت نفس کو کبھی بھی نظر انداز نہیں کرے گی، چاہے حالات کتنے ہی غیر متوقع کیوں نہ ہوں۔

****

افرا بیگم کمرے میں شدید غصے میں داخل ہوئیں۔ہاتھ میں پکڑے خط کو وہ اشمل کے سامنے تقریباً پھینکنے کے انداز میں رکھ رہی تھیں۔

"یہ لو"افرا بیگم نے سختی سے کہا"یہ خط تمہارے لیے ہے۔"

اشمل نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔چہرے پر ایک سوالیہ نشان تھا۔

تم نے کیا سوچا تھا؟ مجھے یہ سب پتا نہیں لگے گا؟،افرا بیگم نے آگے بڑھتے ہوئے کہا میں مر جاتی تو یہ سب کرنا زیب بھی دیتا تمھیں اشمل مگر ابھی میں زندہ ہوں، تم نے ذرا خیال نہیں کیا میرا۔
غصے کی جگہ اب افسوس نے لے لی تھی۔

اشمل نے خط کی طرف جھک کر اسے اٹھانے کی کوشش کی، مگر افرا بیگم نے اسے روک دیا۔ پہلے مجھے بتاؤ کہ کیا سوچ کر تم نے یہ قدم اٹھایا ہے؟

اشمل کی آنکھوں میں خوف اور بے یقینی تھی۔ میں نے کچھ نہیں کیا، افرا بیگم، اس نے بد دقّت کہا

"میں صرف اپنی زندگی گزار رہی ہوں۔"

افرا بیگم نے افسوس سے اسے دیکھا

"زندگی گزارنے اور عزت اچھالنے میں فرق ہوتا ہے"

اشمل نے ناسمجھی سے سوال کیا

"آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں؟ مجھے بتائیں کہ اس میں کیا لکھا ہے۔"

افرا بیگم نے خط کو اشمل کے سامنے لاتے ہوئے کہا

اس میں ہر اس مالی تنگی کا ذکر ہے جس کا تم شکار تھی اور تم سے کسی کو اتنی محبت ہے کہ وہ تمھارے سب اخراجات اٹھانے کو تیار ہے

اشمل بی بی۔ کسی کو اس بات کا پتا چلا تو لوگ تھو تھو کریں گے ہم دونوں پہ

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

دادی، میں نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی، آپ۔۔۔ آپ قسم لے لیں مجھ سے، اس نے جواب دیا مگر اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

دادی نے بے اختیار اس کی بات کاٹی

قسم اٹھوالوں؟ ایک اور ناپسندیدہ عمل اپنے آنکھوں کے سامنے ہوتا دیکھ لوں؟، اشمل نے بے حد غیر یقینی سے افرا بیگم کو دیکھا۔

دادی کو اس پر یقین نہیں آیا تھا اور یہ بات اس کے دل کو چوٹ پہنچا گئی تھی۔

آپ کو اس بات کا یقین نہیں ہے کہ میں یہ سب نہیں کر سکتی؟، اس کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔

اس نے اپنی آنکھیں بند کر کے ایک گہرا سانس لیا۔ پھر ٹوٹے بکھرے لہجے میں بولی

کوئی میرے بارے میں کیا سوچتا ہے مجھے اس بات نے کبھی پریشان نہیں کیا میں نے ہمیشہ کوشش کی کہ آپ کا سر نہ جھکے، بس آپ اعتبار کرتی رہیں میرا ہمیشہ لیکن آپ نے میرا اعتبار نہیں کیا، مجھے برا بھی لگ رہا ہے اور خود پر ہنسی بھی آرہی ہے، آپ کو کم از کم اپنی تربیت پہ یقین رکھنا چاہیے تھا دادی، اور لوگوں کا کیا ہے انھوں نے تو حضرت مریم (علیہا السلام) پہ بھی الزام لگائے تھے وہ تو بہتان تراشنے سے باز نہیں آتے۔

کہتی وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔

دادی کی باتوں نے آج اسے شدت سے یہ احساس دلایا تھا کہ وہ اکیلی ہے۔ مسکین دن کے آخر میں مسکین ہی ثابت ہوتا ہے۔ اس کی باتوں کا کوئی اعتبار نہیں کرتا۔ اس پر کوئی رحم نہیں کرتا۔ اسے لگا تھا صرف وہ اس کی اپنی ہیں مگر۔۔۔۔۔

****

رات کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اور منسا کی سانسیں تیز ہو رہی تھیں۔ خواب کی تلخی نے اس کے دل کو تیز تیز دھڑکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ ایک سنسان جگہ پر تھی، جہاں ایک سایہ دار شخصیت اس کے قریب آرہی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں چمکتی ہوئی چھری تھی۔ جو اس کے دونوں ہاتھوں کی طرف بڑھ رہی تھی۔ کوئی اُس کے ہاتھ باندھ رہا تھا۔ منسا کی آنکھیں خوف سے پھیلی ہوئی تھیں۔ اور اس کا دل جیسے سینے سے باہر آنے کو تھا۔

وہ اچانک جاگ گئی۔ گھڑی کی ٹک ٹک سنائی دے رہی تھی۔ اس نے گہرا سانس لیا، دل کی بے ترتیب دھڑکنوں کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ دل کے خوف نے اس کے جسم کو جکڑ لیا اور وہ خود کو تسلی دینے لگی کہ یہ محض ایک خواب ہے لیکن اس کے اندر کی بے چینی اسے سکون سے نہیں بیٹھنے دے رہی تھی۔ وہ اپنی آنکھوں کو کھولے رکھنا چاہتی تھی، تاکہ خواب کا وہ حصہ اس کی نظروں کے سامنے پھر سے نہ آسکے۔

اسے شدید خوف محسوس ہو رہا تھا اور اسے خیال آ رہا تھا کہ یہ جگہ محفوظ نہیں ہے۔

کیا وہ اپنے خوابوں کی دلدل میں گرتی جا رہی تھی؟ بُرے خوابوں کا یہ سلسلہ اب بڑھ گیا تھا۔ منیبہ اور ظہیر تو خالہ الماس کے گھر ان کے بیٹے کی شادی اٹینڈ کرنے اسلام آباد گئے تھے۔

وہ آہستہ سے بیڈ سے اٹھی۔ سامنے پڑے صوفے پر موجود اپنا فون اُٹھا کے تیمور کو میسج کرنے لگی۔

تیمور میں نے بہت بُرا خواب دیکھا ہے، تم پلیز فوراً مجھے لینے آ جاؤ۔

میں آ رہا ہوں، ڈونٹ وری۔ ''تین سیکنڈ کے بعد جواب آ گیا تھا۔''

منسا نے خود کو تسلی دی **"یہ صرف ایک خواب ہے، ریلیکس"** وہ بے ترتیب سانسوں کے ساتھ آیت آلکرسی پڑھتے واپس بیڈ پر آ گئی ۔اس نے خواب کی تلخی کو بھولنے کی کوشش کی لیکن خواب میں کوئی اس کے ہاتھ کاٹ رہا تھا یہ بات بھولنا اتنا آسان نہیں تھا۔

****

حیدر نے دروازہ کھولا تو آفس کی تھکن اس کے چہرے پر صاف نظر آ رہی تھی لیکن اس عورت کو دیکھ وہ اپنی ساری تھکاوٹ بھول جاتا تھا۔ ہاتھوں میں سفید گلابوں کا گلدستہ لیے وہ جیسے ہی اندر آیا ماہین نے نظر اُٹھا کر اس کی جانب دیکھا ماہین کی آنکھوں میں خوشگوار حیرت اُبھری۔

"یہ تو میرے پسندیدہ ہیں"

ہاں جی مجھے تو جیسے یہ بات پتا ہی نہیں تھی ناں۔ حیدر نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

وہ جانتا تھا کہ اس کی بیوی کو سب سے زیادہ سفید پھول خوشی دیتے ہیں۔اور اپنی بیوی کی خوشی کے لیے تو حیدر شاہ کسی بھی حد تک جا سکتا تھا۔

ماہین نے پھولوں کا گلدستہ اپنی میز پر رکھ دیا اور پھر حیدر کی طرف مڑ کر بولی آؤ، چائے بنانے چلیں۔

حیدر نے مسکراتے ہوئے کہا، ہاں جی چلیں۔

چائے پیتے اب دونوں باتیں کر رہے تھے۔

حیدر نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے لمحے بھر کو خاموشی اختیار کی پھر سنبھل کر بولا

"ماہین، مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے۔"

ماہین اس کی جانب متوجہ ہو کر بولی، کیا بات ہے؟

"کل ہم عمرہ کرنے جا رہے ہیں۔"

واقعی؟! تم مذاق کر رہے ہو؟،اس کی آواز میں حیرت، خوشی اور جوش تھا۔

حیدر نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا اس بات پہ کون جاہل مذاق کرتا ہے۔ میں نے کچھ دن پہلے ہی ٹکٹ بک کرائے تھے۔ سوچا تمھیں سرپرائز دوں گا ایک ہی دفعہ سب ڈن کر کے۔

ماہین نے بے ساختہ اس کا ہاتھ تھامتے کہا

حیدر میں اس لمحے کا پتا نہیں کب سے انتظار کر رہی تھی۔ حیدر اپنی بیوی کو یہ نہیں بتا سکا کہ اس نے بھی بہت چکر کاٹے تھے اس سفر کو طے کرنے کے لیے۔

ماہین نے چہرے پر ایک سکون بھری مسکراہٹ کے ساتھ کہا

میں ہمیشہ چاہتی تھی میں اللہ کے گھر جاؤں مگر کوئی نہ کوئی رکاوٹ آجاتی تھی مجھے کیا پتا تھا اللہ تعالیٰ نے میرا یہ سفر تمھارے ساتھ لکھا تھا۔

حیدر نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا

چلو پھر ہم جلدی جلدی سے پیکنگ کرتے ہیں، کل رات کی فلائٹ ہے اور ہاں کل کچھ ضروری چیزوں کی شاپنگ کے لیے چلیں گے، تیار رہنا۔

ماہین نے خوشی سے سر ہلایا۔

****

اشمل کے کمرے کی دیواریں ہلکے نیلے رنگ سے رنگی ہوئی تھیں۔ کمرے کے ایک کونے میں ایک بڑی کتابوں کی شیلف تھیجس پر مختلف قسم کے ناولز، ادبی کتابوں کو سجا کر رکھا گیا تھا۔ ہر کتاب کی جلد پر مختلف رنگ اور ڈیزائن تھے۔

شیلف کے سامنے ایک نرم سی کرسی رکھی تھی، جس کے پاس ایک چھوٹا سا میز تھا۔ میز پر ایک کتاب کھلی پڑی تھی اور اس کے قریب ایک چائے کا کپ رکھا تھا۔

اشمل اکثر اس جگہ بیٹھ کر نئی کتابیں پڑھتی تھی۔ اشمل کتابوں کی الماری کے قریب سے گزرتی ہوئی اپنے بستر پر آلیٹی۔ پھر اس نے دائیں طرف موجود دراز کو کھولا جہاں مختلف چیزوں کے درمیان ایک فریم پڑا تھا۔

اس فریم میں موجود عورت اُسکی ماں تھی جو چہرے پہ ایک بھرپور مسکراہٹ لیے کھڑی تھی۔ وہ روز کی طرح کچھ لمحے اسی طرح تصویر کو دیکھتی رہی جیسے اپنی ماں کی محبت کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔

سر مئی آنکھیں بند ہوئیں اور وہ اپنی ماں کی نرم آواز کو اپنے قریب محسوس کرنے لگی جیسے وہ واقعی وہاں موجود ہو۔

اشمل نے فریم کو مزید اپنے قریب کیا اور نم آنکھوں سے تصویر کی طرف دیکھا۔ اب وہ فریم کو خود سے الگ کیے روتے روتے آہستہ آہستہ اپنی کہانی سنانے لگی۔

امی میں آپ کو آج ایک راز بتاتی ہوں... اس کی آواز رندھ گئی۔ کمرے کی خاموشی میں صرف اس کی سرگوشی سنائی دے رہی تھی۔ **جب آپ کی ڈیتھ ہو گئی تھی ناں تو میں نے کسی کو نہیں بتایا تھا کیونکہ مجھے تب لگتا تھا کہ اگر میں ان کو بتاؤں گی کہ میری ماما اب اللہ تعالیٰ کے پاس چلی گئی ہیں، تو وہ سب مجھ سے دوستی ختم کر دیں گے، میں نے کسی کو نہیں بتایا کہ آپ چلی گئیں، میں نے اپنے اسکول میں سب کو افرا بیگم کو بطورِ والدہ پیش کیا، میں نے سب سے کہا کہ یہ میری ماما ہیں۔ جیسے وہ خیال رکھتی تھیں، سب کی ماما بھی ایسے ہی ان کا خیال رکھتی تھیں سب مجھ پہ رشک کرتے تھے کہ میرے پاس کتنی اچھی ماما ہیں۔ پر ایک دن علی کو پتا چل گیا کہ آپ کی ڈیتھ ہو گئی تھی اور میں دو سال سے دادو کے پاس رہ رہی ہوں، میں نے اس سے پرامس کیا کہ میں اس کا سارا ہوم ورک کروں گی بس وہ کسی کو سچ نہ بتائے، آپ یقین کریں امی، میں نے چار مہینے ہر روز خود سے پہلے اس کا ہوم ورک کیا لیکن ۔۔۔۔** ''جیسے ہی وہ بولتی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے۔

لیکن ایک دن اس نے وہ بات فاطمہ کو بتادی اور کلاس میں سب کو پتا چل گیا کہ میں نے جھوٹ بولا تھا ہر وہ انسان جو میری قسمت **پہ رشک کرتا تھا وہ میری باتوں پہ شک کرنے لگ گیا تھا۔ میں کس منہ سے ان کو بتاتی کہ میری امی اب اس دنیا میں نہیں رہتیں؟ کوئی نہیں سمجھتا تھا، علی نے میرا راز نہیں رکھا تھا، مجھے تب پتا ہی نہیں تھا کہ انسانوں کا رازوں کی حفاظت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ۔آپ کی اشمل کو تب بھی کوئی نہیں سمجھتا تھا، آج بھی کوئی نہیں سمجھتا۔ وہ تب بھی ذلیل ہوئی تھی وہ آج بھی ذلیل ہو رہی ہے**

۔لوگ ایک جھوٹ کھل جانے پر ساری وفاداری کو ٹھوکر کیوں مار دیتے ہیں؟ شاید علی کو بھی تب نہیں پتا تھا کہ کسی کی دنیا اجاڑنے کے لیے اس کا راز اچھالنا کافی ہے۔

وہ راز جو اس نے خود سے چھپایا تھا آج اس نے اس کا کھلم کھلا اعتراف کر لیا تھا۔

میں نے خود کو کبھی آپ کی طرح مضبوط محسوس نہیں کیا سب بس ہمیشہ مجھے اپنی سناتے رہے لیکن میں چاہتی تھی کہ کبھی کوئی مجھے بھی سنے۔ میں اپنا انجام خود سے الگ لکھنا چاہتی تھی پر اب میں آپ کی طرح بننا چاہتی ہوں جس کو کوئی بیماری کھا جائے اور وہ جوانی ہی میں مر جائے۔ وہ پتا نہیں انھیں اب کیوں بتاتی گئی۔

مجھ سے اب نہیں ہوتا امی۔۔ میں تھک گئی ہوں واللہ میری بس ہو گئی ہے اب۔"

اس کے الفاظ کمرے کی خاموشی میں گونج رہے تھے۔

"اپنی حالت پر ترس آتا ہے مجھے جب دکھاوا کرنا پڑتا ہے کہ میں سب سے خوشگوار زندگی گزار رہی ہوں۔"

****

گاڑی کے اندر وہ دونوں خوشگوار گفتگو میں مصروف تھے۔ ہنسی مذاق کے درمیان وہ دنیا کی تمام پریشانیوں کو بھول چکے تھے۔

اچانک سامنے سے ایک ٹرک ان کی گاڑی کی طرف بڑھتا ہوا نظر آیا۔ وقت جیسے تھم گیا۔

ایک زوردار آواز کے ساتھ گاڑی ٹرک سے ٹکرا گئی۔ ایک جھٹکا لگا اور گاڑی اچھل کر سڑک کی دوسری طرف جا گری۔ ہر چیز جیسے ایک لمحے کے لیے ساکت ہو گئی تھی پھر سب کچھ تیزی سے بکھر گیا۔

وہ دونوں اپنی نشستوں سے اچھل کر دور جا گرے زمین پر گرنے کے بعد ان کی آنکھوں میں ٹوٹے شیشے کی کرچیاں دکھائی دیں مگر سانسیں بند ہوتی محسوس ہو رہی تھیں۔ درد کی شدت نے ان کے جسموں کو جکڑ لیا تھا اور بے چینی میں وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

چہرے پر خوف اور بے یقینی تھی۔ گاڑی کا اندرونی منظر بکھر چکا تھا شیشے ٹوٹے ہوئے اور ہر طرف چنگاریوں کی گونج سنائی دے رہی تھی۔ زخمی عورت نے اپنے ساتھ موجود آدمی کی طرف دیکھنے کی کوشش کی مگر اس کی آنکھوں میں وہی بے بسی تھی جو اس کے دل میں تھی۔ آنکھوں کا منظر دھندلا پڑ گیا تھا۔

ان دونوں کی سانسیں آہستہ آہستہ رک رہی تھیں۔ سڑک پر ایک خوفناک ہنگامہ چھا گیا تھا۔ آس پاس کے لوگوں کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے لوگوں کی ایک بھیڑ جمع ہو گئی جو حیرت اور خوف سے گاڑی کی طرف دیکھتے آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے۔ کچھ لوگ ایک دوسرے کو سنسنی خیز انداز میں بتا رہے تھے کہ کیا ہوا ہے۔

کوئی جلدی سے ایمبولینس بلائے!، ایک شخص چلاتا ہوا آیا۔ دوسرا شخص فوراً اپنے موبائل پر ایمرجنسی نمبر ملانے لگا۔ شور بڑھتا گیا
۔

کچھ لوگوں نے ان کے قریب آ کر ان کی حالت چیک کی۔
ان کو ہسپتال لے جانا ہوگا!، ایک خاتون نے کہا اس کی آواز میں تشویش تھی۔
جلدی کرو کوئی ایمبولینس بلاؤ!، موت اور زندگی کا جھگڑا جاری تھا۔
ہر ایک کی آنکھوں میں خوف اور بے بسی تھی مگر ساتھ ہی امید کی ایک کرن بھی کہ شاید وہ بچ جائیں گے۔

ایمبولینس کا سائرن دور سے سنائی دیا۔ ہجوم میں شور و غل تھا، لیکن ایک لمحے کے لیے سب کچھ خاموش ہو گیا جب ایک شخص نے اس زخمی آدمی کی کلائی کو چیک کرنے کے بعد افسردہ لہجے میں کہا

"اس کی سانس نہیں چل رہی۔"

اس آدمی کی بات سن کر سامنے سڑک پر پڑی زخمی عورت کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ایک لمحے کے لیے دنیا کو بھولتے ہوئے اس نے اپنے شوہر کی طرف دیکھا۔اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا اور وہ اس سے اس لمحے کی حقیقت کو قبول نہیں کیا جا رہا تھا۔ اس کا ساتھی مر گیا تھا؟اس کے چہرے پر بے یقینی کا سایہ تھا۔

ایمبولینس پہنچ چکی تھی۔اب وہ لوگ دونوں زخمی وجود اُٹھائے انھیں ایمبولینس میں منتقل کر رہے تھے۔

****

اعتبار کا آئینہ
از علیہا زاہد

باب نمبر:7

میری پیاری اماں

میں جانتی ہوں کہ آپ کو تکلیف اور دھوکہ دیا گیا تھا، لیکن آپ نے مجھے وہی تکلیف کیوں دی؟ میں ایک چھوٹی سی لڑکی تھی جو کچھ نہیں چاہتی تھی سوائے اس کے کہ اس کی ماں اس سے محبت کرے۔

مجھے آپ کی ضرورت تھی، مجھے ضرورت تھی کہ آپ نرمی سے میری رہنمائی کریں پر آپ نے نہیں کی، میں نے بہت دفعہ سوچا کہ کاش آپ نے اگر مجھے مارنے کے بجائے پیار سے سمجھایا ہوتا تو آج سب کچھ مختلف ہوتا۔ اماں کیا اولاد کو پیار دینا اتنا مشکل ہوتا ہے؟ کیا اس کو پالنا مشکل اور پیدا کرنا آسان ہوتا ہے؟

میں اکثر سوچتی ہوں کہ اگر آپ صحت مند ہوتیں تو ان سب مشکلات سے بچا جا سکتا تھا، ہے ناں؟ مجھے تو نہ آپ کی صحت ملی نہ آپ کا پیار، آپ کی بیٹی دونوں چیزوں سے محروم رہی اور سب سے تکلیف دہ بات یہ ہے کہ آپ کی اس بیٹی کو آج بھی آپ سے زیادہ محبت کسی انسان سے نہیں ہوئی، کتنی عجیب بات ہے آپ نے اپنی بیٹی کے علاوہ ہر رشتے سے محبت کا تعلق نبھایا اور آپ کی بیٹی نے صرف آپ کی خاطر ہر محبت فراموش کر دی۔ مجھے آپ سے اتنی گہری محبت کرنے کے لیے خود سے نفرت ہے۔ کاش آپ وہ ہر زخم وہ ہر درد دیکھ سکتیں جو آپ کی غلط شادی نے میری روح پر چھوڑ دیا مگر ہر کسی کے پاس وہ نگاہ نہیں ہوتی جو اپنے سوا کسی دوسرے کا دکھ دیکھ سکے۔

کہتے ہیں آپ کو اپنے پیاروں کو تکلیف نہیں دینی چاہئے۔ پھر آپ نے کیوں دی؟ آپ کو میں پیاری نہیں لگی کبھی؟ کتنا آسان سوال ہے، جواب مجھے پہلے سے پتا ہے پر میں سالوں اسی امید پہ جیتی رہی کہ کیا پتا ایک دن مجھے اپنی مرضی کا جواب سننے کو ملے، چھوڑیں آپ بس اتنا یاد رکھیے گا کہ ایک بچی تھی جسے دیکھ بھال کی ضرورت تھی۔

افسوس نہ آپ نے اپنا خیال رکھا نہ میرا

آپ نے میرا بچپن شروع ہونے سے پہلے ہی لے لیا اماں

!آپ سے بہت پیار کرتی ہوں میں، آج بھی

اللہ حافظ

آخری لفظ لکھتے اشمل کا ایک آنسو آنکھ سے لڑھک کر کاغذ پہ جا گرا۔

****

آج ان دونوں کو ایک دوسرے سے بات کرتے دو ہفتے ہو گئے تھے اور منسا کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔

چیزیں تیزی سے آگے بڑھ رہی تھیں، خیر منسا یہی تو چاہتی تھی۔

اس نے منسا سے گزشتہ دنوں میں بے شمار باتیں کی تھیں اور منسا پھولے نہیں سما رہی تھی۔

کیا میں آپ کو کال کر سکتی ہوں؟ بے چینی سے میسج بھیجا

Anytime

فوراً سے جواب آیا تھا اور اس نے مسکراتے نوفل کو کال ملالی۔

چند گھنٹوں کال چلی مگر نوفل کو سنتے سنتے منسا کا دل نہیں بھرا تھا۔ کال پہ پورا ٹائم وہ مسکراتی رہی تھی۔ اسے اندازہ ہی نہیں تھا کہ یہ سب اتنا آسان ہے۔ کسی کو پسند کرنا، اس سے بات کرنے کی چاہ رکھنا اور پھر بات کر بھی لینا

دو شکرانے کے نوافل تو نوفل کی خاطر بنتے تھے نا

****

نوفل نے صبح سویرے اپنا موبائل اٹھایا اور اشمل کے لیے ایک خوبصورت گڈ مارننگ پیغام لکھا۔

جب اشمل نے اپنا فون چیک کیا تو اس نے پیغام دیکھا اور جیسے ہی اس نے پڑھنا شروع کیا اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ آ گئی۔
نوفل نے لکھا تھا کہ

“I know you’re sleeping right now but I wanted you to know that you’re the prettiest girl I’ve ever seen”

اشمل نا چاہتے ہوئے بھی بلش کر گئی۔

وہ دل ہی دل میں مسکرانے لگی جیسے وہ کوئی حسین خواب دیکھ رہی ہو۔ مگر ہر خواب اتنا حسین نہیں ہوتا پر جب آپ کے حصے میں کوئی حسین خواب آتا ہے تو پھر آپ کا بس نہیں چلتا کہ خود پر نیند کی حالت ہی طاری کیے رکھیں۔

اُس نے نوفل کو صاف لفظوں میں بتا دیا تھا کہ وہ اور نوفل صرف دوست ہیں۔ مگر کیا یہ صرف دوستی تھی؟ شاید نہیں وہ دوست سے کچھ زیادہ تھے کم از کم نوفل اشمل کو یہی تاثر دے رہا تھا۔ اپنی سب سوچیں جھٹک کر نوفل کے میسج پر سٹار لگانے لگی۔ اُس نے خود کو بھی سمجھا دیا تھا کہ ایسا کچھ نہیں ہے مگر اُف یہ اتنا آسان نہیں تھا جتنا نظر آتا تھا۔
کچھ لمحے اسکرین کو دیکھتے اُس نے لکھنا شروع کیا
ایک بات کا تو مجھے آئیڈیا ہو گیا ہے کہ تم یقیناً بہت بڑے فلرٹ ہو تو آئی ہوپ تمہیں مجھ سے شئیر کرنے میں کوئی پرابلم نہیں ہو گی کہ یہی بات تم اور کتنی لڑکیوں کو کہتے رہے ہو۔
نوفل اُس کا میسج پڑھ کر زیرِ لب مسکرایا۔

“This version of Nofil only exists for you”

اُس کا جواب پڑھ کر سرمئی آنکھیں بے ساختہ چمکی تھیں۔

Stupid but cute

وہ بڑبڑائی۔

****

ماہین اور حیدر جہاز کی آرام دہ نشستوں پر بیٹھے تھے،ان کی آنکھیں جہاز کی کھڑکی سے باہر کی جانب تھیں۔نیلا آسمان اور سفید بادل، جیسے ایک حسین خواب ان کے سامنے پھیلا ہوا تھا۔

ماہین نے خوشی سے کہا" مجھے تو اب تک یقین نہیں آرہا کہ ہم عمرہ کرنے جارہے ہیں۔"حیدر نے مسکراتے ہوئے اس کی جانب دیکھا وہ اس کیفیت کو بخوبی سمجھتا تھا کیوں کہ وہ خود بھی یہی محسوس کر رہا تھا۔

us

وہ دونوں ایک دوسرے سے اپنے خوابوں اور خواہشات کا ذکر کر رہے تھے۔ماہین نے کہا" میں ہمیشہ سے چاہتی تھی کہ خانہ کعبہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔"حیدر نرمی سے مسکرایا"اور میں چاہتا تھا کہ میں اللہ اور اس کے محبوب کے پاس جا کر گڑگڑاؤں ہمارے پرانے گھر کے سامنے جو مسجد تھی نا وہاں ہر جمعہ دو لوگ نعت پڑھتے تھے،سب نعت خواں الگ الگ نعتیں یاد کرتے تھے کہ وہ اگلے جمعہ کو آکر وہ نعت پڑھیں گے مگر میں ہر جمعہ ایک ہی نعت پڑھتا تھا۔

اے صبا مصطفیٰ (صلی اللہ علی ــــہ وآلہ وسلم) سے کہہ دینا غم کے مارے سلام کہتے ہیں
یاد کرتے ہیں اُن کو شام و سحر دل ہمارے سلام کہتے ہیں

زائرِ کعبہ تُو مدینہ میں پیارے آقا سے اتنا کہہ دینا
آپ کی گردِ راہ کو آقا بے سہارے سلام کہتے ہیں

(ہر مصرعے کی ادائیگی پہ اس کی آواز مزید دھیمی ہو گئی تھی)

میں اس نعت کو پڑھتے وہیں رونے لگ جاتا تھا ماہین، مجھے لگتا تھا میں ایک دفعہ مدینہ چلا جاؤں بس میں سب حاصل کر لوں گا، میں نے زندگی میں کم دوست بنائے صرف اس لیے کہ میں اللہ سے دوستی کروں گا، اللہ کے محبوب کو اتنا راضی کر لوں گا کہ آقا مجھے روزِ محشر اپنے سے دور نہیں بیٹھنے دیں گے۔ لیکن میں لوگوں کو کچھ نہیں سمجھتا تھا میں نے بہت سے لوگوں کا دل دکھایا، ان کو حقیر جانا۔ پھر مجھے احساس ہوا کہ آقا ایک ایسے شخص سے

کیوں ملنا چاہیں گے جس کو حسنِ سلوک کا مطلب ہی نہیں پتا میں نے خود کو بدلنے کی بہت کوشش کی، ہر دعا میں کہتا تھا آقا میں بس ایک دفعہ روضہ رسول اللہ ﷺ پہ آ جاؤں، ایک دفعہ مجھے وہ جگہ دیکھنا نصیب ہو جائے تو میں وہاں جا کر اپنی دعاؤں کو قبول کرواؤں گا اور ہر اس چیز پر شکر ادا کر لوں گا جو مجھے نہیں ملی، ہر انسان سے بے رخی کی معافی مانگ لوں گا بہت سال لگ گئے مگر میں نہیں آ پایا، کچھ نہ کچھ ہو جاتا تھا اور میں ہمیشہ خالی ہاتھ رہ جاتا تھا۔ مگر مجھے اس در پہ آنا تب نصیب ہوا جب حیدر شاہ کو سب حاصل ہو گیا تاکہ وہ آ کر یہ نہ کہہ سکے کہ فلاں چیز نہیں ملی، فلاں چیز کی کمی ہے۔

وہ رو رہا تھا اور ماہین نم آنکھوں کے ساتھ اپنے شوہر کے کندھے پر آہستہ سے ہاتھ رکھا۔ بلاشبہ وہ ایک نیک آدمی تھا جو خود کو نیک نہیں سمجھتا تھا۔

****

کلاسز کے بعد جب وہ نوفل کے ساتھ لنچ پہ گئی تو دور کہیں اس کے ذہن میں یہ بات گردش کر رہی تھی کہ اس نے یہاں آ کر غلطی کر دی ہے۔ دونوں ریسٹورانٹ کے ایک کونے میں موجود ٹیبل پہ بیٹھے تھے۔

''آپ ڈیسائڈ کر لیں، میں تو کچھ بھی کھا لیتا ہوں۔''

وہ مینیو اشمل کی طرف بڑھاتے بولا

اشمل نے سر کو ہلکی سی جنبش دی اور نظریں نیچے جھکا لیں۔

جب وہ گھر آئی تو حبا کے اُس سے تین سو دفعہ پوچھنے کے بعد بلآخر وہ بول ہی پڑی۔

یار ہم نے اپنی پڑھائی کے بارے میں بات کی، ہنسی مذاق کیا، اور اس کے ساتھ وقت گزارتے ہوئے احساس ہوا کہ اس کا ساتھ مجھے اچھا لگتا ہے۔ میں گلٹی فیل کر رہی تھی مسز شاہ کی وجہ سے، ان سے جھوٹ بولا پر، پر

"I think Miss Hiba it was worth it"

اور آخری جملے پر حبا بس اسے دیکھ کے رہ گئی۔ یہ کونسا زون ہوتا ہے جس میں انسان ایک ہی وقت میں خوش بھی ہوتا ہے اور گلٹی بھی؟

یہ لمحات واقعی اس کی زندگی کے حسین پلوں میں شامل ہونے والے تھے، جنہیں کبھی بھولنا ممکن نہیں ہوتا جن سے انسان کبھی آگے نہیں بڑھ پاتا۔

وہ پہلی دفعہ کسی کے ساتھ لنچ پر گئی تھی۔ اُس نے پہلی مرتبہ کسی لڑکے کو چانس دیا تھا۔

ہماری گفتگو کا سلسلہ جاری رہا، اور نوفل نے کچھ دلچسپ کہانیاں سنائیں جو اس کی روزمرہ زندگی سے متعلق تھیں۔ وہ ایک غیر معمولی طریقے سے اپنی باتیں بیان کرتا رہا، میں اتنی سیریس تھی، مجھے خود پر شدید غصہ آرہا تھا پر اس کی باتوں نے مجھے مسکرانے پر مجبور کر دیا۔

کھانے کے دوران، میں نے محسوس کیا کہ ہر لقمہ وہ میری بائٹ کے بعد لے رہا تھا۔

I don't know if it is obsession or love but it is what it is

حبا کو پتہ تھا باتوں کا یہ سلسلہ اب کبھی ختم ہونے والا نہیں تھا اشمل بات شئیر نہیں کرتی تھی لیکن اگر کر لیتی تھی تو پھر اس کا بس نہیں چلتا تھا سب ہی بتا دے۔

کہہ رہا تھا وعدہ کر لیں، کہ آپ مجھے کبھی نظر انداز نہیں کریں گی۔ وہ مگن انداز میں بتا رہی تھی۔

نوفل سحر زدہ انداز میں اشمل کو مسلسل دیکھ رہا تھا۔ جیسے اس کی آنکھوں کو بس ایک ہی منظر دیکھائی دیتا ہو۔ جب اشمل نے کسی بات پہ ہنستے ہوئے نوفل کی طرف دیکھا تو اس کو مسکراتا دیکھ نوفل کی مسکراہٹ بھی گہری ہوئی۔

نوفل کا دماغ صرف اشمل کی جانب مرکوز تھا۔

نوفل نے ہاتھ کے اشارے سے ویٹر کی توجہ حاصل کی تھی، ویٹر نے مسکراتے ہوئے ان کی طرف دیکھا اور قریب آیا۔
نوفل نے بل لانے کا کہا ویٹر نے فوری طور پر اثبات میں سر ہلایا اور بل تیار کرنے کے لیے چلا گیا۔
جب ویٹر واپس آیا اور بل میز پر رکھا، نوفل نے اپنی جیب سے کچھ نوٹ نکالے۔
جب ویٹر چلا گیا تو اشمل، نوفل کی طرف چہرہ کیے کہنے لگی

" I'd like to pay my own bill "

، لیکن نوفل نے فوراً اپنا ہاتھ اٹھا کر کہا

"نہیں، یہ میری طرف سے ہے۔"

''اور آپ امریکہ میں نہیں رہتیں بی بی۔''

ہاں تو میں کونسا تمہارے حصے کا بھی بل دوں گی، بس اپنی سائیڈ کا پے کر رہی ہوں۔'' اشمل نے اصرار کیا تھا مگر وہ نہیں مانا تھا۔
میں اتنا بھی غریب نہیں ہوں جتنا آپ مجھے سمجھتی ہیں۔ وہ رسانیت سے بولا

Right now, You're in your struggling era so you better save it all instead of being so generous.

وہ نزاکت سے بولی تو وہ مسکرانے لگا۔ چند لمحے پہلے احساسِ کمتری کا وہ جذبہ اب ہوا ہونے لگا تھا۔
میں واپسی کے پورے راستے خود سے سوال کرتی رہی کہ ''اشمل زبیر۔ میں سمجھتی ہوں کہ اس کے ساتھ تم لنچ پہ چلی گئی اٹس اوکے لیکن کیا تم نے کبھی سوچا ہے کہ ہماری اس چھوٹی سے ملاقات کا تمہارے دل اور دماغ پر کیا اثر ہو گا؟

حُب میں اُسے پسند کرنے لگی ہوں۔ اس نے اعتراف کیا تھا۔

اب آپ کیا کریں گی؟ حبا کی آنکھوں میں ایک گہرائی تھی۔

کچھ بھی نہیں، وہ کرے گا جو بھی کرے گا ہمارے لیے۔

اشمل بالوں کو جوڑے کی صورت میں لپیٹتے بولی۔

ہمارے لیے؟؟؟؟ یعنی اشمل نے نوفل کا اعتبار کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

حبا بس چپ چاپ اس کی باتیں سنتی گئی۔

اعتبار کا آئینہ
از علیہا زاہد

****

حبا حسیب بستر پر منہ اوندھے لیٹی تھی۔ مسکراتے ہوئے وہ بار بار اپنے فون کی سکرین کی طرف دیکھ رہی تھی۔

ذہن خوشگوار خیالوں میں محو تھا۔ اپنی دنیا میں خوشیوں کے پل باندھ رہی تھی۔

کمرے کی خاموشی میں صرف اس کے فون کی ہلکی سی بیپ سنائی دے رہی تھی۔ وہ کبھی کبھار ہنستی، جیسے کسی مزاحیہ پیغام کو پڑھ رہی ہو۔

اُس شخص سے بات کرتے حبا حسیب کو لگا جیسے ہر دوسری چیز غیر اہم تھی۔ بس وہ ضروری تھا صرف وہ اہم تھا۔

وہ جانتی تھی کہ یہ لمحات ہمیشہ اُسے یاد رہیں گے جیسے کسی خواب کی تصویر جو کبھی مٹ نہیں سکتی۔ایک کھڑکی جو کبھی بند نہیں ہو سکتی لیکن اچانک حبا حسیب کے چہرے کی مسکراہٹ ایک لمحے میں غائب ہو گئی جب اس کے فون پر آنے والا میسج۔۔۔۔۔وہ میسج حبا حسیب کے دل کی دھڑکن روک دینے کے لیے کافی تھا۔

اُس دن اُسے برف کا مجسمہ ہونا سمجھ آیا تھا۔

اسے اپنا سانس رُکتا محسوس ہو رہا تھا۔
اس کا دل دھڑکنے لگا اور آنکھیں بے یقینی سے پھیل گئیں جیسے اسے کوئی صدمہ لگا ہو۔آنکھیں کسی حد تک نم ضرور ہوئی تھیں مگر آنسو؟وہ تو نہیں آئے تھے۔

وہ پتھر کی مورت کی طرح بستر پر بیٹھی رہی۔تمام خوشیاں اور امیدیں ایک جھٹکے میں ختم ہو گئی تھیں۔اس کی انگلیاں بے حس و حرکت ہو گئی تھیں،اور وہ اپنی جگہ پر ہی جم کر رہ گئی۔کمرے کی خاموشی اس کے اندر کی طوفانی کیفیت کو اور بڑھا رہی تھی۔
اسکرین پہ چمکتا میسج حبا کی آواز چھین کر لے گیا تھا۔سوچا کیا تھا اور ہوا کیا تھا۔محل بنانے کا ارادہ کرتے کرتے خود کو کھنڈر میں پھنسا لیا تھا۔
''مجھ سے اگلے ہفتے کسی ہوٹل کے کمرے میں ملو،ورنہ آج کے بعد مجھ سے رابطہ مت کرنا۔''
اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا تھا۔
مجھ سے اگلے ہفتے کسی ہوٹل کے کمرے میں ملو،ورنہ آج کے بعد مجھ سے رابطہ مت کرنا۔دوبارہ پڑھنے پر بھی جملہ نہیں بدلا تھا اور نہ ہی حبا کی کیفیت۔

کاش زمین پھٹ جاتی اور حبا اسی لمحے اس میں غرق ہو پاتی۔وہ اسے تہجد میں مانگتی رہی تھی پہلے دن سے اور وہ اس سے کیا مانگ رہا تھا؟؟؟؟

اس کا ذہن بے شمار سوالات اور خیالات میں بھٹک رہا تھا۔

اوہ حبا شرم سے ڈوب مرو تم

کوئی اس کے اندر سر اُٹھائے بولا تھا، شاید اس کا ضمیر۔ اتنی ذلت، اتنی تذلیل، اتنی رسوائی۔ حبا کو آج پہلی مرتبہ خود پر شرم آئی تھی وہ حافظِ قرآن ہونے کے باوجود کیا کرتی پھر رہی تھی۔ ایک نامحرم سے محبت نبھا رہی تھی۔ ایک دفعہ اس نے اپنی استاد کو کہتے سنا تھا کہ حرام ایک وقت پہ آپ کو ثابت کر جاتا ہے کہ وہ حرام کیوں تھا اور حبا حسیب کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا اُسے بتا دیا گیا تھا کہ ایسے تعلقات سے اللہ تعالیٰ نے منع کر کے ان کو حرام کیوں قرار دیا تھا۔ دل میں بے پناہ درد اُٹھا تھا۔

کوئی خوشی، کوئی امید باقی نہیں تھی سب۔۔۔ سب کچھ ختم ہو گیا یا اللہ۔۔۔؟

اُس میسج نے حبا کی دنیا اُلٹ دی تھی۔ اُس کو اپنی نظروں میں گرا دیا تھا۔ آج سے پہلے کسی نے حبا سے ایسی بات نہیں کی تھی مگر آج سے پہلے حبا نے کسی سے محبت بھی تو نہیں کی تھی۔

وہ ساری رات روتی رہی تھی۔ آنکھیں رونے کی شدت اے گلابی پڑ گئی تھیں مگر اُسے اپنی آنکھوں پر ترس نہیں آیا تھا۔

حبا بکھرے دل سے اس آدمی سے بحث کر رہی تھی اور اب اُس بحث سے تنگ آ کر وہ اپنا فون آف کر گیا تھا۔ گزشتہ گھنٹوں میں وہ جتنا مسکرائی تھی اب اتنا ہی رونا پڑ رہا تھا۔ جذبات کیسے بھی ہوں قیمت چکانی پڑتی ہے۔

حبا کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس نے کیا سوچ کر ایسی بات کی تھی حبا سے؟

میں نے اسے ایسا تو کوئی تاثر نہیں دیا تھا، ہم، ہم تو قرآن اور احادیث پہ بھی باتیں کرتے تھے، مجھے تو اس انسان سے محبت ہوئی تھی جو مجھے بتاتا تھا کہ مجھے کس ایپ سے کس شخص کی تحریر کی گئی قرآنی تفسیر پڑھنی چاہیے کس ایپ کو انسٹال کرنا چاہیے تاکہ میری فجر بھی کبھی نہ چھوٹ سکے۔

لوگ کیا ہوتے ہیں؟ اور وہ آپ کے سامنے کیا بننے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں؟

حبا نے بے اختیار اپنی آنکھیں بند کر لیں، گہرے سانس لیے، مگر پھر بھی دل کی دھڑکن کو سن نہیں پا رہی تھی۔ کبھی کبھی گہرے سانس والا طریقہ بھی کام نہیں کرتا آپ کو لگتا ہے جوں ہی گہرا سانس لیا، گیم ختم۔ایک لمحے کے لیے وہ خاموشی میں ڈوبی، مگر دل کی گہرائیوں سے ایک درد کی لہر ابھر کر آئی۔اس نے سوچا کہ یہ کیسا لمحہ ہے جہاں خوشی کا کوئی سراغ نہیں، بس ایک سرد خاموشی ہے۔خود کو سب سے بڑی سزا دینی ہو تو بس خاموش ہو جاؤ، نہ کسی سے کچھ کہو نہ خود سے، بس اپنے اندر کے شور کو سنتے رہو، دل کی اور دماغ کی جنگ لڑتے رہو، جلدی موت آجائے گی۔اور حبا نے وہی طریقہ آزمانے کی کوشش کی تھی۔

****

اشمل جب تائی کے پورشن میں داخل ہوئی تو اس نے نورین اور حبا کو ایک ساتھ بیٹھے دیکھا۔کمرے کی نرم روشنی میں حبا اپنی ماں کی گود میں سر رکھے ہوئی تھی۔نورین مسکراتے ہوئے حبا کی باتیں سن رہی تھی۔

حبا اپنے ہاتھوں سے اشارے کرتے ہوئے دنیا بھر کی باتیں سنا رہی تھی۔اپنے دوستوں کی کہانیاں، کبھی کلاس کی اَپ ڈیٹ۔حبا اپنی داستانوں میں پوری محو تھی۔

حبا کی آوازیں کمرے میں گونجتی رہیں اور نورین اسے محبت سے دیکھتی رہی۔
اشمل ان دونوں کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔دل میں ایک ٹیس سی اُٹھی۔وہ ساکت کھڑی رہی۔آس پاس کے لوگوں کے پاس وہ نعمتیں تھیں جو اشمل زبیر کے پاس نہیں تھیں وہ ہمیشہ سوچتی تھی کہ وہ پڑھ لکھ کر، جاب کر کے پیسہ بنا لے گی۔ اس دن اس پر یہ انکشاف ہوا تھا کہ وہ یہ رشتہ کسی پیسے سے کبھی نہیں خرید پائے گی۔وہ مسکین تھی اور اس حقیقت کو کوئی نہیں بدل سکتا تھا۔کچھ سال پہلے جب اس کی ماں مر گئی تھی تو لوگ اُس پر ترس کھاتے تھے۔آج اُسے ان کے اشمل پر ترس کھانے کی وجہ سمجھ آئی تھی۔

نورین اور حبا کی دنیا میں وہ ایک غیر ضروری سایہ کی مانند محسوس کر رہی تھی جہاں اس کی کوئی جگہ نہیں تھی۔اس کی جگہ تو خیر کہیں بھی نہیں تھی۔

کاش اس کی ماں بھی زندہ ہوتی، تو اس کی زندگی میں یہ خلا کبھی نہ ہوتا۔ یہ خیال آتے ہی سرمئی آنکھوں میں آنسو جمع ہونے لگے۔ وہ اپنے آنسو روکنے کی کوشش کرتی باہر نکل گئی۔

الفاظ اس کے حلق میں پھنس گئے تھے مائیں کیوں مر جاتی ہیں؟
وہ کسی کو نہیں بتا سکتی تھی کہ وہ کتنی اذیت میں تھی۔ وہ سب کو سننے والی تھی اور جو سب کو سننے والے ہوتے ہیں ناں ان کو سننے والا کوئی نہیں ہوتا۔

بوجھل قدموں کے ساتھ کمرے میں آتے ہی وہ کونے میں پڑی ٹیبل کے سامنے جا بیٹھی۔

سامنے کاغذ رکھے وہ خط لکھنے لگی

میری پیاری اماں

میں جانتی ہوں کہ آپ کو تکلیف اور دھوکہ دیا گیا تھا، لیکن آپ نے مجھے وہی تکلیف کیوں دی؟ میں ایک چھوٹی سی لڑکی تھی اور کچھ نہیں چاہتی تھی سوائے اس کے کہ اس کی ماں اس سے محبت کرے۔
مجھے آپ کی ضرورت تھی کہ آپ نرمی سے میری رہنمائی کریں، پر آپ نے نہیں کی، میں نے بہت دفعہ سوچا کہ کاش آپ نے اگر مجھے مارنے کے بجائے پیار سے سمجھایا ہوتا تو آج سب کچھ مختلف ہوتا۔اماں کیا اولاد کو پیار دینا اتنا مشکل ہوتا ہے؟ کیا اس کو پالنا مشکل اور پیدا کرنا آسان ہوتا ہے؟

میں اکثر سوچتی ہوں کہ اگر میری صحت مند ماں ہوتی تو ان سب سے بچا جا سکتا تھا، ہے ناں؟ مجھے تو نہ آپ کی صحت ملی نہ آپ کا پیار، آپ کی بیٹی دونوں چیزوں سے محروم رہی اور سب سے تکلیف دہ بات یہ ہے کہ آپ کی اس بیٹی کو آج بھی آپ سے زیادہ محبت کسی انسان سے نہیں ہوئی، کتنی عجیب بات ہے آپ نے اپنی بیٹی کے علاوہ ہر رشتے سے محبت کا تعلق نبھایا اور آپ کی بیٹی نے صرف آپ کی خاطر ہر محبت فراموش کر دی، مجھے آپ سے اتنی گہری محبت کرنے کے لیے خود سے نفرت ہے۔ کاش آپ وہ ہر زخم وہ ہر درد دیکھ سکتیں جو آپ کی غلط شادی نے میری روح پر چھوڑ دیا مگر ہر کسی کے پاس وہ نگاہ نہیں ہوتی جو اپنے سوا کسی دوسرے کا دکھ دیکھ سکے۔ کہتے ہیں آپ کو اپنے پیاروں کو تکلیف نہیں دینی چاہئے۔ پھر آپ نے کیوں دی؟ آپ کو میں پیاری نہیں لگی کبھی؟ کتنا آسان سوال ہے، جواب مجھے پہلے سے پتا ہے پر میں سالوں اسی امید پہ جیتی رہی کہ کیا پتہ ایک دن مجھے اپنی مرضی کا جواب سننے کو ملے، چھوڑیں آپ بس اتنا یاد رکھیے گا کہ ایک بچی تھی جسے دیکھ بھال کی ضرورت تھی۔

افسوس نہ آپ نے اپنا خیال رکھا نہ میرا

آپ نے میرا بچپن شروع ہونے سے پہلے ہی لے لیا اماں

آپ سے بہت پیار کرتی ہوں میں، آج بھی

اللہ حافظ

ایسا لگ رہا تھا کسی نے اس کے دل کو تپتی آگ میں پھینک دیا تھا یا پھر کسی نے اس کی روح میں کیل ٹھوکنا شروع کر دیے تھے۔ مگر بعض دفعہ دوسرے ہمیں تکلیف نہیں دیتے، ہم خود کو خود ہی ہرٹ کرتے ہیں۔

****

تیمور ولید ایمپائر کے آفس میں بیٹھا کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ نظریں سامنے موجود کھلے والٹ پر مرکوز تھیں۔ والٹ میں رکھی تصویر میں منسا سیاہ رنگ کے خوبصورت لباس میں تھی، آنکھوں میں کاجل، ہونٹوں پہ موجود لِپ گلوز جو اس کی شخصیت کو اور بھی نمایاں کر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ منسا کی آنکھوں کی طرح ہی چمک رہا تھا۔
اس نے آج تک اُس سے حسین لڑکی نہیں دیکھی تھی۔

منسا کا ہنستا ہوا چہرہ تیمور کو اپنے ارد گرد کی دنیا کو بھولنے کا احساس دلا رہا تھا۔ وہ منسا کے لیے اپنا سب لُٹا سکتا تھا بنا سوچے، بنا سمجھے صرف ایک اشارے پہ، صرف ایک اشارہ۔

وہ کچھ لمحوں کے لیے اپنے مسائل بھول گیا۔ منسا کے سامنے تیمور کو کچھ دِکھتا بھی کہاں تھا؟ وہ جانتا تھا کہ اس کی زندگی میں منسا کی اہمیت کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔

آفس کی روشنی مدھم تھی، مگر اس کی سکرین کی روشنی منسا کی تصویر کو مزید روشن کر رہی تھی۔ تیمور کے دل میں ایک خواہش جاگی تھی کہ کاش وہ بھی اس لمحے میں اس کے قریب ہوتا، جہاں وہ اس کی مسکراہٹ کی اصل وجہ جان سکتا۔ کیا وہ بھی اس کے دل میں جگہ رکھتا ہے؟ یہ سوال اس کے ذہن میں گردش کرنے لگا۔

"! منسا، میں تم پہ گو آپ نہیں کروں گا... کبھی بھی نہیں"

وہ دھیرے سے بولا

"تم کبھی نہیں سمجھ پاؤ گی کہ تم میرے لئے کیا ہو اور شاید میں کبھی سمجھا بھی نہیں پاؤں گا۔"

منسا اس کی وہ ادھوری خواہش تھی جس سے ملتی تکلیف بھی تیمور ولید کو سکون دیتی تھی۔ وہ شاید منسا سے اپنی محبت کا اظہار نہیں کر پائے گا۔

"شاید کبھی کبھی، خوابوں میں رہنا ہی بہتر ہوتا ہے۔"

وہ زخمی انداز میں بڑبڑایا۔

"بس یونہی میں بھی تمہیں اپنی زندگی میں رکھوں گا، خاموشی سے، دور سے۔"

تیمور نے تصویر پر ایک آخری نگاہ ڈالتے کہا۔

****

ایک عرصے کے بعد آج فیصل صاحب کو احساس ہوا تھا کہ وہ ایک عدد یونیورسٹی کا حصہ ہے۔ جو عید کا چاند ثابت ہوتا کلاس میں داخل ہوا۔ اس کی نظریں اشمل کی کرسی پر ٹھہر گئیں۔

جب فیصل اس کے قریب پہنچا تو ایک لمحے کے لیے رک گیا۔

ہیلو اشمل

اس نے مسکراتے ہوئے کہا

اوہ تم یہاں، وہ حیرت سے بولی

خاص تم سے معافی مانگنے آیا ہوں، اُس دن کے لیے سوری۔ وہ اس پر جھکتے سر گوشی کرنے کے انداز میں بولا۔ اشمل کو اس سے بے پناہ گھِن آئی تھی۔ وہ خاموش رہی۔

آپ نے معاف کر دیا نہ مجھے ؟ ، وہ معصومیت سے سوال کر رہا تھا۔

مجھے فورس نہ کرو فیصل کہ۔۔۔۔ ، وہ چباتے ہوئے بولی پھر اس نے اپنے کندھے سے فیصل کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا۔

فیصل پر رتی برابر اثر نہ ہوا۔ وہ مذاق بناتا آگے بڑھ گیا۔

****

اعتبار کا آئینہ
از علیہا زاہد

باب نمبر:8

وہ ہنگامہ دل دہلا دینے والا تھا۔لوگ بے یقینی اور خوف میں کھڑے تھے۔

ایمبولینس کی آواز پر لوگوں کے دل پریشان نظر آرہے تھے۔پر کیا واقعی؟لوگوں کو کہاں فرق پڑتا ہے سڑک پہ کسی کی زندگی ختم ہو جانے سے،وہ تو مطمئن انداز میں آگے بڑھ جاتے ہیں ایک نظر دیکھ لینے کے بعد۔بہت سے لوگ یونہی آگے بڑھ گئے تھے بس کچھ لوگ سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر مدد کی کوشش کر رہے تھے،جبکہ کچھ نے اپنے فونز نکال کر صورت حال کی ویڈیو بنانا شروع کر دی۔

"جلدی کرو!"ایک شخص چلا رہا تھا۔"یہ وقت کسی کی ویڈیو بنانے کا نہیں ہے"

میڈیکل ٹیم زخمیوں کی طرف بڑھتے انھیں مدد فراہم کرنے لگی۔

زخمی حالت کے باوجود وہ اپنے اندر زندگی کی امید اور موت کی حقیقت کے درمیان لڑائی کو محسوس کر رہی تھی۔ہر لمحہ ایک طویل سفر کی مانند محسوس ہو رہا تھا جہاں وہ اپنی تمام یادوں کو ذہن میں تازہ کر رہی تھی ان لمحوں کو جو انہوں نے ایک ساتھ گزارے تھے۔

ایمبولینس کی میڈیکل ٹیم نے جلد ہی زخمیوں کو اسٹریچر پر منتقل کیا۔لوگ خاموشی سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

جب زخمی عورت کو ایمبولینس میں لے جایا جا رہا تھا تو اس نے اپنے شوہر کی طرف ایک آخری نظر ڈالی جو بے ہوشی کی حالت میں پڑا تھا۔یہ وہ تسلی تھی جو وہ عورت خود کو دے رہی تھی پر دور کہیں اس کا دل ٹوٹنے لگا۔**"میں آپ کو اکیلا نہیں چھوڑوں گی!"**اس نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔

ایمبولینس کے دروازے بند ہونے کی آواز آئی اور سب اپنی اپنی دنیا میں واپس آ گئے۔

ہجوم آہستہ آہستہ چھٹنا شروع ہوا لیکن ایک سوال سب کی زبان پر تھا کیا وہ دونوں سروائیو کر پائیں گے ؟ شوہر تو موقعے پر ہی دم توڑ گیا تھا خیر۔ کچھ افراد ابھی بھی وہاں کھڑے تھے۔ وہ فکر مند چہرے لیے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

ایک نوجوان لڑکا جس نے اس حادثے کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا زمین پر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔
"یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے" اس نے خود سے کہا، "اگر میں انہیں راستہ دے دیتا تو شاید یہ نہ ہوتا۔"

"ایک بوڑھی خاتون نے نوجوان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ یہ حادثہ ہے، کوئی بھی اسے روک نہیں سکتا تھا وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔
اس کی آواز میں تسلی تھی مگر خود بھی اس کی آنکھوں میں خوف جھلک رہا تھا۔

سڑک پر بکھری ہوئی شیشہ کی چکنی چمک اور ٹرک کا دھواں ایک عجیب منظر پیش کر رہا تھا۔ جیسے ہی پولیس کی گاڑی وہاں پہنچی افسران نے صورتحال کا جائزہ لینا شروع کیا۔ ایک افسر نے ہجوم کی طرف آ کر کہا
"ہمیں آپ کے بیانات کی ضرورت ہے، جو کچھ بھی آپ نے دیکھا ہے براہ کرم بتائیں۔"

ایک لڑکی نے ہمت کرتے ہوئے کہا
ہم ہنستے ہوئے جا رہے تھے پھر اچانک ٹرک آ گیا.. اس کی آواز کانپتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی جیسے وہ ابھی بھی واقعے کے اثرات سے باہر نہیں نکل سکی تھی۔

پولیس نے لوگوں کے بیانات لینے کے بعد حادثے کی جگہ کو محفوظ کرنا شروع کر دیا۔

چند گھنٹوں بعد، ہسپتال کے اندر، وہ دونوں زخمی ایک دوسرے سے الگ بستر پر تھے۔ایک کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا جبکہ دوسرا بے ہوش پڑا تھا۔ ہسپتال کے عملے نے فوراً علاج شروع کر دیا۔

منیبہ نے آنکھیں کھولیں، مگر روشنی نے اس کی آنکھوں کو دوبارہ بند ہو جانے پر مجبور کر دیا تھا۔اسے اپنی کمر میں شدید درد محسوس ہو رہا تھا۔اس کی نظریں ظہیر کو ڈھونڈنے کی نیت سے اِدھر اُدھر بھٹک رہی تھیں مگر وہ وہاں نہیں تھا۔

کیا وہ ٹھیک ہیں؟اس نے ایک نرس سے پوچھا۔
اس کی آواز لڑکھڑائی۔

نرس نے مسکراتے ہوئے کہا، ہم کوشش کر رہے ہیں۔آپ فکر نہ کریں۔

کیا وہ اپنے شوہر کو دوبارہ دیکھ پائے گی؟

اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔وہ چاہتی تھی کہ وہ گھڑی واپس لوٹ آئے۔ مگر وقت کی یہی تو بات سب سے انوکھی ہے کہ وہ مڑ کر نہیں آتا چاہے انسان کتنے ہی ہاتھ پیر کیوں نہ مارے۔
اُس نے آنکھیں بند کر لیں اور منظر دھندلاتے دھندلاتے مکمل طور پر غائب ہو گیا۔

تقریباً چھ گھنٹے بعد دو بیڈز پر میاں بیوی کی لاشیں پڑی تھیں۔ان کے چہرے پر ایک سفید چادر سی تھی جیسے وہ کسی طویل سفر پر نکلے تھے اور اب تھکاوٹ دور کرنے کی خاطر ہمیشہ کے لیے سو رہے تھے۔ان کی آنکھیں بند تھیں، لیکن ان کے چہرے باوقار تھے۔

ایک ڈاکٹر نے اندر آ کر کمرے کی حالت کا جائزہ لیا اور پھر خاموشی سے باہر نکل گیا۔ پھر، اچانک، ایک رشتہ دار کمرے میں داخل ہوا، اور اس کے پیچھے سست قدموں سے چلتی لڑکی، جس کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔جب تیمور نے اپنے چچا چچی کو

دیکھا تو وہ ٹوٹ گیا۔ **"یہ کیسے ہو گیا چاچو؟"** اس نے بے بسی سے کہا۔ اور منسا۔ منسا بس تیمور سے چپکی بت بنے کھڑی تھی۔ اُسے یقین نہیں آیا تھا۔ آتا بھی کیسے اس کے ماں باپ تو کزن کی شادی اٹینڈ کرنے اسلام آباد آئے تھے۔

تیمور نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا مگر اس نے اپنے کندھے سے اُس کا ہاتھ ہٹا لیا۔

وہ بستر پر پڑی اپنی ماں کے قریب جا کھڑی ہوئی

"اماں"۔۔۔۔ وہ محبت سے پکار رہی تھی مگر سامنے سے جواب نہیں آیا تھا

اماں۔۔ آنکھیں کھولیں۔۔ آپ تو کہہ رہی تھیں کہ آ کر بہت سی باتیں بتاؤں گی۔ وہ کرب سے بولی

اب میں آ گئی ہوں اب کریں نہ مجھ سے بات۔ جملے کے آخر میں وہ بے بسی سے چِلائی۔ تیمور کے ہاتھ کانپ رہے تھے یہی وجہ تھی کہ اُس نے منسا کو روکا نہیں تھا۔

بابا۔۔ بابا آپ تو بات کر لیں یار۔ میں اپنا فون بھی سائلنٹ نہیں کروں گی آج کے بعد۔۔ پلیز مجھ سے بات کر لیں۔ وہ گڑگڑا رہی تھی۔ وہ بھیک مانگ رہی تھی اپنے ماں باپ سے ایک جواب کی۔ بس ایک جواب۔ وہ اپنی اکلوتی اولاد کو دنیا کے حوالے کر گئے تھے۔ وہ منسا کو درندوں کی دنیا میں اکیلا چھوڑ گئے تھے۔

اس کی حالت بگڑ رہی تھی۔ وہ روتے روتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑی تو تیمور نے مضبوطی سے اُس کے کندھوں کو تھام کر اُسے جگانے کی کوشش کی مگر اُسے ہوش نہیں آیا تھا۔ وہ اُس کو اپنے بازوؤں میں اُٹھائے کمرے سے باہر نکلا۔

چند منٹ بعد وہ نارمل ہوئی تو وہ اس کے قریب بیٹھتے بولا

تم یہ جوس پی لو پھر ہم گھر چلتے ہیں۔ وہ ساکت سی اسے دیکھے جا رہی تھی۔

کونسا گھر؟ میرا گھر تو ختم ہو گیا۔ میری دنیا تو اُجڑ گئی تیمور۔ تیمور کا دل زور سے دھڑکا۔

آدھے گھنٹے بعد وہ اس کا ہاتھ تھامے وہاں سے نکلتا لاہور ڈیڈ باڈیز لے جانے کے انتظامات کرنے لگا۔

فرقان کے گھر میں موجود ہر ایک کی آنکھوں میں درد تھا۔ مگر یہ تکلیف، یہ درد ہمیشہ کے لیے ان کی یادوں میں زندہ رہ جائے گا۔
ہر کوئی منسا ظہیر کو ترس کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔
رشتہ داروں کے چہرے پر گہرے افسوس کے آثار تھے اور آنکھوں میں آنسو۔

فرقان دھیرے دھیرے آگے بڑھے اور اپنے بیٹے جیسے بھائی کی لاش کے قریب جا کر اس کے ہاتھ کو چھوا۔
میرے بچے، ان کا دل رو دیا" اتنی جلدی ہمیں چھوڑ کر کیسے چلے گئے تم؟" ان کی آواز رندھ گئی، اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔
کمرے کے کونے میں روبینہ کے گلے لگی منسا مسلسل آنسو بہا رہی تھی۔ ٹھیک کہا تھا اُس نے تیمور سے۔ اُس کی دنیا اجڑ گئی تھی اور اُسے کوئی بھی فکس نہیں کر سکتا تھا۔ تیمور ولید بھی نہیں۔
وہ ویران آنکھوں سے اپنے والدین کی طرف دیکھتی رہی جو اس کی ایک مسکراہٹ پہ سب لُٹا دیتے تھے

وقت گزرنے کے ساتھ، لوگ ایک ایک کر کے باہر جانے لگے اور ہال نما کمرہ خالی ہوتا گیا مگر اس کی زندگی میں جو خالی پن آیا تھا اس کا بھرنا اب ناممکن تھا۔

محبت کبھی ختم نہیں ہوتی، وہ ہمیشہ ہمارے دلوں میں زندہ رہتی ہے۔ جیسے ایک خواب جو کبھی نہ ٹوٹتا ہو اور نہ کبھی حاصل ہوتا ہو کیوں کہ ہر خواب کا حقیقت سے تعلق بھی تو نہیں ہوتا کوئی۔

****

نوفل اشمل کے لیے سفید گلابوں کا گلدستہ لایا تھا کیوں کہ آج اشمل کا برتھ ڈے تھا۔ وہ نیلی شرٹ کے ساتھ گرے جینز پہنے ہشاش بشاش سا اشمل کی طرف بڑھا۔

اشمل نے سفید کرتا پہن رکھا تھا، گلابی گال جن پر ہلکی سی چمک تھی۔اور کمر سے نیچے آتے بال جن کو سیدھا کیا گیا تھا۔نوفل نے ہمیشہ اُسے جوڑے میں دیکھا تھا۔آج جب اس نے اشمل کو کھلے بالوں میں دیکھا تھا تو وہ اُسے اور بھی زیادہ پسند آئی تھی۔

نوفل نے گلابوں کو آہستہ سے سامنے لاتے ہوئے کہا

"یہ آپ کے لیے۔"

اوہ، کتنے خوبصورت ہیں !اس نے خوش دلی سے کہا۔

اور آپ کے فیورٹ بھی۔اشمل نے ذرا سا چونک کر نوفل کو دیکھا۔

''حیران ناہوں آپ ہی نے بتایا تھا۔''

"اور تم نے یاد رکھ لیا؟ واہ"

تھینک یو۔میرا دن بہت بُرا جارہا تھا تم نہ ہوتے تو۔۔۔اس سے پہلے کہ وہ بات مکمل کرتی نوفل جلدی سے بولا

"میں ہمیشہ آپ کے لیے یہاں ہوں گا مس اشمل چاہے جیسا بھی وقت ہو۔"

اشمل نے جواب نہیں دیا تھا۔وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔

اشمل نے گلابوں کو دیکھتے ہوئے کہا، یہ صرف پھول نہیں ہیں۔

نوفل نے ناسمجھی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، مطلب؟

سب بتادوں؟ بیسٹ فرینڈ بنالوں؟، وہ ڈپٹ کر فوراً بولی،

نوفل کے ساتھ کی خوشی ہی ایسی تھی کہ دنیا کی تمام پریشانیاں بھلا دیتی تھی۔پر اشمل کا اعتبار کرنا بنتا نہیں تھا۔

پھر اشمل نے اچانک کہا چلو، کلاس کا ٹائم ہو گیا ہے۔

نوفل نے اثبات میں سر ہلایا، جی، چلیں۔

وہ ساتھ چلتے تھے تو ہر کوئی اشمل کو دیکھتا تھا مگر وہ صرف نوفل کی طرف دیکھتی تھی۔ ٹھیک کہا ہے کسی نے سب کی اپنی اپنی آنکھیں، سب کا اپنا اپنا چاند

****

ماہین حرم میں ظہر کی نماز ادا کر رہی تھی اور سورج جیسے اس کے سر پر کھڑا تھا۔ ماہین پر دھوپ پڑ رہی تھی۔ سورج کی تیز کرنیں جیسے آتش فشاں کی طرح پھوٹ رہی تھیں۔ حیدر اس کے اور سورج کی روشنی کے درمیان آ کھڑا ہوا تا کہ وہ سکون سے نماز ادا کر سکے۔ اس عورت کی حفاظت کرنا اُس کا فرض تھا۔ وہ اس کی منکوحہ تھی۔ اس کی پسندیدہ عورت۔ اسکی واحد محبت۔

ماہین نے سلام پھیر کر سر اٹھایا اور حیدر کی موجودگی کو محسوس کیا۔ اس کی آنکھوں میں شکر گزاری کی جھلک آئی۔

شکریہ۔ اس نے مسکراتے ہوئے ایک لمحے کے لیے حیدر کی طرف دیکھا۔

"یہ میرا فرض تھا۔"

تم میری کسی نیکی کا صلہ ہو۔ وہ خوشدلی سے اعتراف کر رہی تھی۔
وہ ایک ہی جملے سے اُسے لاجواب کر گئی تھی۔

اور یہ بات تو صرف حیدر کا خدا ہی جانتا تھا کہ اس نے ماہین سے یہ جملے سننے کے لیے کتنی دعائیں مانگیں تھیں اور آج اس مقدس جگہ پر لا کر اس کی ہر دعا کا جواب اسے دیا جا رہا تھا۔

وہ دونوں حرم کے صحن میں ایک ساتھ آ بیٹھے۔

حیدر نے جواب دیا **میں چاہتا ہوں کہ ہم ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ رہیں، جیسے کہ آج ہیں۔ میں نے تمہیں اپنی بیوی بنایا تا کہ مجھے جنت میں بھی تمہارا ساتھ ملے یہ زندگی ایک سفر ہے، تھوڑی مشکلیں آئیں گی پر میں چاہتا ہوں کہ ہم اس سفر کو ایک ساتھ طے کریں۔**

آمین۔ماہین نے جواباً کہا

پر مجھے لگتا ہے کہ تم مجھ سے بہت بہتر ڈیسرو۔۔۔اس سے پہلے کے وہ جملہ مکمل کرتی حیدر نے اُسے ٹوک دیا وہ جانتا تھا کہ وہ کیا کہنے والی تھی۔

اوور تھینکنگ کی دکان۔

بد تمیزی نہ کرو، ہونہہ۔وہ خفگی سے بولی۔

تو پھر ایسی بے تُکی باتیں مت کیا کرو۔اس بار وہ خاموش رہی۔

اچھا چلو ہوٹل چل کے کچھ کھاتے ہیں، بہت بھوک لگی ہے۔وہ اٹھ کھڑا ہوا تو وہ بھی اس کے بڑھائے ہوئے ہاتھ کو تھامے اٹھ کھڑی ہوئی۔

مسئلے حیدر کی زندگی میں بھی بہت تھے مگر ماہین اس کے ساتھ تھی، یہ وہ نعمت تھی جو ہر مشکل کو مٹانے کے لیے کافی تھی۔

****

وقت نے اس کا وجود منجمد کر دیا تھا۔اُس نے بہت دل سے چاہا تھا کہ کاش یہ کوئی بُرا خواب ہو جو آنکھیں کھول لینے پر ختم ہو جائے اور وہ بس جاگ جائے۔ مگر جب حقیقت کا احساس ہوا تو اس کی حالت اور بھی بد تر ہو گئی تھی۔ہر برا خواب آنکھیں کھول لینے کے بعد ختم نہیں ہو جاتا، کچھ بُرے خواب حقیقت کا روپ اختیار کر لیتے ہیں اور ساری زندگی ساتھ چلتے ہیں، یہ خواب بھی ساتھ چلنے والا تھا۔ ہمیشہ تنگ کرنے والا۔ منسا کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔

اس کی زبان جیسے بند ہو گئی تھی الفاظ اس کے حلق سے نہیں نکل سکے تھے۔ جیسے وہ بھی اپنے ماں باپ کے ساتھ ہی دفنائی گئی تھی۔ اُسے ہر لمحے اپنے والدین کی مسکراہٹیں، ان کی شفقت، اور ان کی محبت بھری باتیں یاد آتی تھیں۔ ہر یاد نے اس کے دل میں ایک نئے درد کی لہر پیدا کی تھی۔ وہ خود کو اس کرب سے آزاد نہیں کر پا رہی تھی۔ وہ ان کی موجودگی کے بغیر ایک سنسان ویرانے میں کھڑی تھی۔

اس نے آہستہ سے سر جھکایا آنکھوں سے آنسو پھر سے بہنے لگے۔ایک لمحہ اُس کی زندگی کی بساط پلٹ کر رکھ گیا تھا۔

کچھ لوگ یتیم ہو جاتے ہیں، کچھ مسکین ہو جاتے ہیں پر جو لوگ ایک ہی وقت میں یتیم اور مسکین ہو جاتے ہیں، وہ کہاں جاتے ہیں؟
اُسے اپنے سوال کا جواب نہیں مل پا رہا تھا۔
سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔اس کی روح، اس کا وجود، سب کچھ صرف ایک درد بھرا خواب بن چکا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ یہ درد ہمیشہ اس کے ساتھ رہے گا۔ منسا جب اپنی تائی کے پاس پہنچی تو وہ جیسے خود کو سنبھال نہیں پا رہی تھی۔ روبینہ نے فوراً اسے گلے لگا لیا۔

منسا نے ان کے گلے میں سر چھپاتے ہوئے رونا شروع کر دیا۔تائی نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے اپنے آنسو بہاتے ہوئے کہا ایسے نہ رؤو بیٹا، منیبہ اور ظہیر بھائی کو بہت تکلیف ہو گی

منسا کی سسکیاں آہستہ آہستہ بلند ہونے لگیں۔

وہ مجھے چھوڑ کر چلے گئے تائی امی... میں، میں کیسے رہوں گی۔ میں کس کی خاطر سانس لوں گی۔اس کی آواز مدھم تھی مگر درد کی شدت ہر لفظ میں واضح تھی۔

وہ چاہتی تھی کہ وہ اپنی ہر تکلیف کو بھول جائے مگر کچھ زخم کبھی نہیں بھرتے۔

شام کا وقت تھا منسا کمرے میں نڈھال سی کونے میں بیٹھی تھی جب تیمور نے دروازے پر دستک دی۔ وہ ہاتھ میں کھانے کی ٹرے پکڑے کھڑا تھا۔

مجھے نہیں کھانا، وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

وہ اندر آیا اور اس کے برابر میں کارپٹ پر بیٹھ گیا۔ کھانے کی ٹرے اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا

"بھوکی رہو گی تو بیمار ہو جاؤ گی"

تو ہونے دو بیمار اچھا ہے بیمار رہ کر جلدی مر جاؤں گی، وہ تلخی سے بولی

چلو صرف ایک نوالہ ہی کھالو۔اس نے نرم لہجے میں کہا۔

تیمور نے کھانا اپنے ہاتھوں سے نوالے بنا کر منسا کی طرف بڑھایا۔اس نے محبت سے کہا

"تمہیں تو بریانی ویسے بھی بہت پسند ہے۔ایک نوالہ تو لے لو۔"

منسا نے ایک لمحہ کے لیے اسے دیکھا

بریانی پسند ہے، مگر اپنے ماں باپ کے مرنے کی نہیں۔ تیمور کے حلق میں کانٹے اُگنے لگے تھے مگر اُس نے کہا کچھ نہیں،

منسا نے اس کی طرف سنجیدگی سے دیکھا پھر آہستہ سے تیمور کے ہاتھ میں موجود نوالہ لیا۔اس نے چاولوں کو منہ میں چبانا شروع کیا لیکن اس کے کہے ایک جملے نے تیمور کی روح کھینچ لی تھی۔**"میں جانتا ہوں کہ یہ وقت کتنا مشکل ہے، مگر تمہیں اپنی صحت کا خیال رکھنا ہوگا۔"**منسا خاموش رہی

تم نے بس یہ سوچنا ہے کہ منسا اکیلی نہیں ہے اور تیمور اس کے ساتھ ہے۔وہ موم ہو رہی تھی۔

یہ دیکھ تیمور نے مزید نوالے بنا کر اسے کھلانے کی کوشش کی۔

"دیکھو، اگر تم کھاؤ گی نہیں تو بیمار ہو جاؤ گی"

یہ تکلیف کبھی کم نہیں ہونی تھی مگر اس کے دوست کی موجودگی اس کے دکھ کو کچھ کم کر رہی تھی۔

تیمور نے مسکراتے ہوئے کہا، جب بھی تمہیں ضرورت ہو، میں یہاں ہوں۔

"تم جانتی ہو" تیمور نے نوالہ بناتے ہوئے کہا،**"تمہیں حالات کا سامنا کرنا ہوگا ہمت کر کے۔"**

اور جو سامنا نہ کرنا چاہتا ہو؟ ،وہ دھیرے سے بولی اور تیمور کو لاجواب کر گئی۔

وہ جانتا تھا کہ اس کا دکھ ختم نہیں ہوا تھا مگر وہ ٹھیک ہو جائے گی کیونکہ تیمور اس کی مدد کرے گا واپس زندگی کی طرف آنے میں۔

منسا نے اپنی آنکھیں جھکائے رکھی تھیں دل کی عجیب سی حالت تھی۔

کبھی کبھی زندگی ہمیں سخت امتحانات میں ڈال دیتی ہے، تیمور نے بات جاری رکھی

"مگر ہم ایک دوسرے کا ساتھ دے کر ان مشکلات کا سامنا کر سکتے ہیں۔"

منسا نے ایک لمحے کے لیے نظر اُٹھا کے اسے دیکھا

"میں جانتی ہوں، تیمور۔ مگر کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ یہ درد ختم نہیں ہو گا۔"

تیمور نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔ **منسا۔ تم اکیلی نہیں ہو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔**

تیمور۔ اگر تم نہ ہوتے تو میں شاید۔۔۔" وہ کہتے کہتے رُکی۔ لفظوں نے ساتھ نہیں دیا تھا اور تیمور نے بات مکمل کرنے کے لیے فورس نہیں کیا تھا۔

وہ جانتی تھی اس سفر میں تیمور ہمیشہ اس کا ساتھ دے گا۔ وہ جانتی تھی کہ وہ اکیلی نہیں ہے مگر پھر بھی دنیائے فانی میں اب وہ اکیلی ہی ہے۔

****

نورین بے چینی سے کمرے میں چہل قدمی کر رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بار بار گھڑی کی طرف جا رہی تھیں۔ وقت کا گزرنا اس کی بے قراری کو مزید بڑھا رہا تھا۔ تقریباً آدھے گھنٹے سے وہ حیدر کو فون کر رہی تھی مگر اس کا اب تک کوئی جواب نہیں آیا تھا۔ دماغ میں الگ الگ قسم کے وسوسے آ رہے تھے جنہیں وہ کب سے جھٹک رہی تھی۔

کیا وہ واقعی مجھے بھول گیا ہے؟

اسے دل میں ایک عجیب سا خلاء محسوس ہو رہا تھا۔

"نہیں، حیدر ایسا نہیں کر سکتا۔" اس نے ایک لمحے کے لیے سوچا پھر فوراً اپنی سوچ کو جھٹک دیا۔

نورین نے دوبارہ فون ملایا مگر فون اب بھی بزی تھا۔اس کا دل دھڑکنے لگا۔اس نے کمرے کے گرد گھومتے ہوئے خود کو تسلی دینے کی کوشش کی لیکن ہر گزرنے والا لمحہ اس کی بے چینی کو بڑھاتا رہا۔

شاید وہ مصروف ہے،اس نے زیر لب دہرایا

دور کہیں اُسے پتا تھا کہ ماہین نورین کو اس کے بیٹے سے دور کر رہی تھی اور یہ خیالات اس کے ذہن میں ایک طوفان کی طرح اٹھنے لگے۔

میں نے ہمیشہ اس کے لیے سب کچھ کیا پھر بھی وہ میری باتوں کو نظر انداز کر رہا ہے۔احسان فراموش، گندی اولاد۔بے بسی اب" غصے کی شکل اختیار کر رہی تھی۔یہ احساس، یہ انکشاف کہ حیدر نے اپنی اوّل ترجیح اب ماہین کو بنالیا تھا نورین کے لیے ناقابل برداشت تھا۔

اس نے آخری حربہ آزمانے کا سوچا اور فون اُٹھائے ٹائپ کرنے لگی۔

بیٹا میں تمہیں یاد کر رہی ہوں۔میں دو دن سے اتنی بیمار ہوں پر کوئی بات نہیں،امید ہے تمہارے پاکستان واپس آنے تک میری سانسیں چلتی رہیں۔اپنا خیال رکھو۔

پھر اس نے فون رکھ دیا اور اُسے یقین تھا کہ یہ ترکیب ہر صورت کام کرے گی۔اتنا تو وہ اپنے بیٹے کو جانتی ہی تھی۔

ماہین نے ایک ماں سے اس کا بیٹا چھین لیا تھا اب وہ ماہین سے سب کچھ چھین لے گی۔حیدر نورین کا غرور تھا اور اب بات نورین کے غرور کی تھی۔

دل کی گہرائیوں میں موجود خوف نے مزید سر اُٹھایا تھا۔ کیا وہ واقعی اپنی ماں کو بھول رہا ہے؟ کیا اس کی زندگی میں اب ماہین کی اہمیت اس کی ماں سے زیادہ ہے؟

اس نے دوبارہ فون اٹھایا اور حیدر کے نمبر پر نظر دوڑائی

جواب اب بھی نہیں آیا تھا۔

اسی لمحے، اس کا فون بج اٹھا۔ نورین کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ فون اُٹھاتے جب اس نے حیدر کی پریشان آواز سنی تو اس کے چہرے کی مسکراہٹ کچھ گہری ہوئی۔

اوہ شکر! ، اس نے دل ہی دل میں سوچا۔

ہیلو، ممی! ، وہ بے چینی سے سوال کر رہا تھا

میں نے آپ کا میسج دیکھا، کیا ہوا ہے آپ کو؟ سو سوری آپ سے رابطہ نہیں رکھ سکا۔ اور یہ سچ تھا کہ اُس میسج کو پڑھ کر حیدر شاہ کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔

نورین نے اپنی آواز کو سنبھالتے ہوئے کہا

"تم پاکستان واپس کب آ رہے ہو؟"

آپ پلیز خود کو سنبھالیں، میں بس پرسوں کی پہلی فلائٹ سے پاکستان پہنچ رہا ہوں، حیدر نے فوراً کہا۔

ہمم۔۔ اوکے۔ نورین معنی خیز انداز میں مسکرائی

****

اُس نے کال کی تو نوفل کچھ خاموش خاموش تھا۔ کب سے وہ اکیلی ہی باتیں کر رہی تھی جبکہ نوفل بس ہوں ہاں اچھا کہہ کر جواب دے رہا تھا۔ اُس کو کھویا پا کر وہ اپنی کافی کا مگ سائیڈ ٹیبل پہ رکھتے ہوئے بولی۔

''تم بزی ہو؟''

نہیں تو۔۔ وہ بوکھلا کر کہنے لگا

اچھا۔ وہ کچھ مایوس ہوئی، اگر وہ بزی نہیں تھا تو متوجہ بھی نہیں تھا۔

کیا کر رہے ہو پھر؟ دوبارہ سوال کیا گیا تھا۔

اشمل زبیر سے بات۔ ''اس کے منہ سے اپنا نام سن کر وہ بے اختیار مسکرائی''

اور؟ ، سوال ختم نہیں ہوئے تھے، انویسٹی گیشن اب بھی جاری تھی۔

اور ایک میگزین دیکھ رہا ہوں۔ وہ ہاتھ میں پکڑے میگزین کو اُلٹ پلٹ کر دیکھتے بولا۔

کیوں؟'' اشمل کو نہیں پتا تھا اس نے یہ سوال کیوں کیا تھا۔

کیونکہ یہ میری فیورٹ ماڈل ہے۔ نوفل کے اعتماد میں کچھ کمی نہیں آئی تھی اور اشمل کا حلق تک کڑوا ہو گیا تھا۔

''کونسی ماڈل''

'' Natalie Portman''

اچھا۔ وہ بجھے بجھے انداز میں بڑبڑاتی کال کاٹ گئی۔

نوفل نے تین چار مرتبہ کال کی مگر اشمل نے کال رسیو نہیں کی تھی۔ وہ ایک ماڈل سے جیلس ہو رہی تھی بلکہ جیلسی چھوٹا لفظ تھا اُسے اس وقت ہالی ووڈ کی اس نامور ماڈل سے نفرت محسوس ہو رہی تھی صرف اس لیے کہ نوفل نے اس ماڈل کی خاطر اشمل کی باتوں کو توجہ سے نہیں سنا تھا۔

باب نمبر:9

وہ جو کبھی تمہاری ہو چکی تھی

وہ جو تمہارے خوابوں میں رچی بسی تھی

دوسری کوئی عورت نہ تھی

وہ نہیں تھی پر دور بھی نہ تھی

بس تمہاری تقدیر کا حصہ بن چکی تھی

مگر سچ یہ ہے کہ اب وہ تمہاری نہیں

اب وہ دوسری عورت ہے

تمہاری کہانی کا اندھیرا رخ

جسے تم یاد نہیں رکھنا چاہتے

اور وہ تمہیں بھلانا نہیں چاہتی

وہ جو تمہارے لمس کو یاد کرتی ہے

وہ جو تمہاری خاموشی کو اب بھی سمجھتی ہے

وہ جو تمہارے ساتھ نہیں

پر تمہاری یادوں میں ہمیشہ رہتی ہے

وہ جس کو تم اپنانا نہیں چاہتے اور

وہ خود کو تمہارے سوا کسی کو سونپنا نہیں چاہتی

دوسری عورت ہونا کوئی عذاب نہیں

بس ایک حقیقت ہے جو منہ پر تیزاب کا کام کرتی ہے

تم اعتراف نہیں کرو گے مگر دور کہیں تم خود بھی جانتے ہو

اعتبار کا آئینہ
از علیہا زاہد

وہ تمہارے دل کی گہرائیوں میں چھپی ہوئی ہے

تم زندگی سے ناامید ہوتے ہو

تو وہ تمہارا حوصلہ بڑھاتی ہے

وہ جس کو تم دوسری عورت کہہ کر مخاطب کرتے ہو

وہ زخمی ہونے پر تمہارے مرہم لگائے گی

وہ دنیا کو ستا کر تمہیں ہنسائے گی

دوسری عورت وہ نہیں ہے

بلکہ تم دوسرے مرد بنو گے اِک دن اس کی زندگی کے

جب وہ تھامے گی کسی قدردان کا ہاتھ

اُس دن تم رؤو گے، چلاؤ گے

خود کو اپنی نظروں میں قصوروار ٹھہراؤ گے

تمہاری ہزاروں کہانیاں ہوں گی

مگر اس کی یاد تمہاری زندگی میں ہمیشہ رہے گی

وہ جو تمہارے دل کی دھڑکن میں چھپی ہے

تمہاری خاموش راتوں میں ٹوٹ کر گری ہے

دوسری عورت کہلانے والی تمہاری وہ محبت ہے جسے تم نے پورا نہیں کیا

وہ کہتی رہی تم سے پر تم نے اُسے نام نہیں دیا

کیا وہ اب تمہاری محبت نہیں

جو تمہاری گلیوں میں سچی محبت کی مانند چلی ہے؟

وہ جو تمہاری مسکراہٹ کے بیچ کہیں

تمہاری آنکھوں کے درد میں کہیں

تمہیں تلاش لیا کرتی تھی، وہ دوسری عورت نہیں تھی

وہ تمہارے دل کی تکمیل کا حصّہ تھی

مگر وقت کی گردش نے اسے دھکیل دیا

دوسری عورت کے دائرے میں

وہ جو کبھی تمہاری تھی

اب تمہاری دنیا میں اجنبی ہو چکی ہے

اس کی تقدیر کی لکیروں میں

تمہارا نام تو تھا، مگر فاصلے کا دکھ تھا

دوسری عورت بن گئی وہ

جب تمہاری محبت کی گلیاں سنسان ہو گئیں

وہ شاید تمہیں کبھی مکمل نہ کر پائی

مگر تمہاری یادوں میں ہمیشہ جیتی رہی

ابنِ آدم وہ دوسری عورت نہیں ہے

بس تمہارے دل کی گمشدہ تصویر ہے

! جسے نہ اب تم ڈھونڈو گے اور نہ وہ تم کو کبھی ملے گی

****

میم مہتاب کلاس کے سامنے کھڑی تھیں۔

آج ہم ایک ایسی آیت پر بات کریں گے جس نے ہمیشہ میرے دل کی حالت کو بہتر بنایا ہے، وہ اعتماد سے بولیں
"یہ آیت ہمیں زندگی کے مقصد اور اللہ کی رحمت کے بارے میں بہت کچھ سکھاتی ہے۔"

هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۗ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ
یہ تو ہے اللہ کی تخلیق، اب ذرا مجھے دکھاؤ، ان دوسروں نے کیا پیدا کیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ ظالم لوگ صریح گمراہی میں"
"پڑے ہوئے ہیں
(QS. Luqman 31: Verse. 11)

وہ آیت پڑھتے ہی اپنے کہے الفاظ کی وضاحت شروع کرنے لگیں۔ اگر اس آیت کے پہلے حصے پہ ہم غور کریں تو
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ ہر چیز کا خالق ہے اور اس کی رحمت کا سایہ ہر چیز پر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں اللہ کی محبت اور
رحمت کا ہر وقت احساس رکھنا چاہیے۔ چاہے حالات کیسے بھی ہوں۔ اس بات کو دل میں رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کوئی نہ کوئی راستہ
نکال دے گا۔

کچھ نے غور سے سنا، کچھ نے نوٹس بھی لینا شروع کر دیے۔ میم مہتاب نے اپنے الفاظ کو مزید آسان کرنے کی کوشش کی، یہ ہمیں
بتاتا ہے کہ زندگی میں مشکلات آسکتی ہیں مگر ہمیں ہمیشہ اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ وہ کبھی ہمیں تنہا نہیں چھوڑتا۔

انہوں نے اپنی مثالوں سے بات کو مزید واضح کیا۔ "جیسے ایک ماں اپنے بچے کی ہر ضرورت کا خیال رکھتی ہے ویسے ہی اللہ تعالیٰ بھی
اپنے بندوں کی ہر ضرورت کا خیال رکھتا ہے۔ ہمیں صرف اس کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ماں جن چیزوں
سے منع کرتی ہے ان میں ہماری خود کی ہی بہتری ہوتی ہے بالکل اسی طرح ستر ماؤں سے بڑھ کر پیار کرنے والا بھی جن چیزوں سے

منع کرتا ہے اُن میں ہماری اپنی ہی بھلائی ہوتی ہے۔" حبا کی آنکھوں کے آگے اندھیرا آرہا تھا۔ عجیب سی گھٹن تھی۔ اس کا سانس بند ہونے لگا۔

میم مہتاب نے مزید کہا، یہ آیت ہمیں یاد دلاتی ہے کہ ہم کبھی بھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں کیونکہ وہ ہمیشہ ہمارے قریب ہے۔

جب انہوں نے اپنی وضاحت مکمل کی تو کلاس میں ایک خاموشی چھا گئی۔ ہر کوئی اپنی سوچوں میں گم تھا۔ میم مہتاب نے مسکراتے ہوئے سوال کیا

"کیا آپ میں سے کوئی اس آیت کا مفہوم ایکسپلین کر سکتا ہے؟"

کچھ ہاتھ بلند ہوئے اور طلبہ نے باری باری اپنی رائے دی۔

حبا بناپلک جھپکائے سامنے کھڑی پروفیسر کو دیکھ رہی تھی۔ اس کا چہرہ اب بے تاثر تھا۔ اس کی نظریں اب ان لوگوں پر مرکوز تھیں جو ہنستے مسکراتے ہوئے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

اور ماں جن چیزوں سے منع کرتی ہے ان میں ہماری خود کی ہی بہتری ہوتی ہے۔ وہ اس جملے کے ٹرانس سے باہر نہیں نکلی تھی۔

حبا کی دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی اسے ان لفظوں کی شدت کا احساس ہو رہا تھا اور وہ چاہتی تھی کہ کاش زمین پھٹے اور حبا حسیب اس میں جا گرے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں پروٹیکٹ کرنے کے لیے ہی حرام رشتوں سے منع کیا تھا۔ مگر ہم لوگ جب تک ٹھوکر نہ کھالیں سنبھلتے نہیں ہیں۔ سچائی تسلیم نہیں کرتے۔

میں اس چیز کو فکس کر لوں گی۔ادھوری ادھوری سی آوازیں اس کے گرد آ رہی تھیں مگر اُسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔
وہ سر جھٹک کر چہرہ سامنے کیے لیکچر پر توجہ دینے لگی۔

****

تیمور منسا کو اسکے والدین کی قبر پر لایا، جہاں زمین نرم اور سبز گھاس سے ڈھکی ہوئی تھی۔ہوا میں خاموشی چھائی ہوئی تھی صرف دور دور تک بکھری ہوئی درختوں کی سرسراہٹ سنائی دیتی تھی۔

منسا کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا اور آنکھیں سرخ۔آنکھوں سے آنسو گر کر گردن پر لڑھک رہے تھے۔وہ قبر کے قریب بیٹھی سر جھکائے سسکیاں لے رہی تھی۔آواز حلق میں ہی دم توڑ گئی تھی۔زبان ساتھ دینے سے انکار کر گئی تھی۔

اس نے اپنے ہاتھوں سے مٹی کو سہلایا۔اس لمحے منسا کا دل کیا تھا کہ وہ چِلا چِلا کر روئے۔مگر لب خاموش تھے۔قبر پر فاتحہ پڑھتے۔منسا کی آنکھوں سے آنسو زمین پر گرتے،اس کے دکھ میں شریک ہو رہے تھے۔

اس کی سوچیں ماضی کی گلیوں میں چلنے لگیں جہاں بچپن کی ہنسی اور محبت کی گونج سنائی دیتی تھی۔جب وقت گزر جاتا ہے تو اس کی اہمیت کا اندازہ ہونے لگتا ہے۔

لمحے تازہ ہو گئے جب اس کی ماں اس کے بال سہلاتی تھی،اور اس کا باپ،لب پہ آنے سے پہلے ہی ہر خواہش پوری کر دیتا تھا۔
زندگی کبھی کبھی کتنی ظالم ہو جاتی ہے ناں۔

منسا نے اپنا سر اٹھایا اور قبر پر ہاتھ پھیرتے کہا

آپ نے مجھے کبھی تنہا نہیں چھوڑا، لیکن جب چھوڑا تو ہمیشہ کے لیے ہی چھوڑ دیا؟، وہ جواب کی منتظر تھی مگر وہ جہاں بیٹھی تھی وہاں جواب نہیں ملا کرتے تھے۔ قبر میں پڑے مردوں کو یہ اختیار نہیں تھا کہ وہ اپنے سامنے روتے اپنے پیاروں کو چُپ کروا سکیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے، اس کی رضا ہے اور ہم سب مالک کی رضا میں راضی ہو کے اپنی دنیا اور آخرت بہتر بنا سکتے ہیں۔

''تیمور تم چلو، میں دو منٹ میں آ رہی ہوں بس۔''

تیمور سر ہلا کر منظر سے ہٹ گیا۔ اسے منسا کو اسپیس دینی چاہیے اس نے دل میں سوچا۔

وہ چلا گیا تو منسا نے بلند آواز میں بولنا شروع کیا۔

میں آپ دونوں کو کبھی نہیں بھول سکتی۔ مجھے تو آپ کے بغیر رہنا ہی نہیں آتا۔ اب میرے فیصلے کون کرے گا؟ آپ ہی کہتی" تھیں ناں کہ منسا تمھیں لوگوں کی پہچان نہیں ہے، لوگ بھیڑیے ہوتے ہیں تو پھر مجھے ان کی دنیا میں اکیلا کیوں کر دیا آپ نے؟ میں سوچتی تھی زندگی نے مجھے بہت کچھ سکھایا ہے۔ آج اندازہ ہو رہا ہے کہ زندگی نے یہ تو سکھایا ہی نہیں کہ جب ماں باپ مر جاتے ہیں تو کس کے کندھے پر سر رکھ کے روتے ہیں۔ جب ہر بندہ آپ کو اپنی ملکیت سمجھنے لگتا ہے تو آپ کو انہیں کیسے روکنا ہوتا ہے۔ جب سب آپ کے درد کو محسوس کرنے کا دعوی کرتے ہیں تو ان کی محبت اور ہمدردی میں فرق کیسے کرتے ہیں۔ کوئی مجھ سے کتنی بھی محبت کر لے آپ دونوں کا کوئی نعم البدل نہیں۔ اس کا دل بھر آیا۔

وہ قبروں پر ایک آخری نگاہ ڈالتی وہاں سے نکل گئی۔

وہ گاڑی میں بیٹھتے اس کی جانب رخ موڑے کہنے لگی

''مجھے تمھاری کچھ ہیلپ چاہیے۔''

****

منسا گھر پہنچی تو اس نے فوراً بیگ کھولا، مگر اس کا فون غائب تھا۔ اسے یاد آیا کہ قبرستان تک وہ اپنے ہاتھ میں فون لیے ہوئی تھی۔ بیگ کو دوبارہ کھنگالا لیکن فون کہیں نظر نہیں آیا۔

شاید وہ گاڑی میں رہ گیا ہے۔ وہ بڑبڑائی اور جلدی سے باہر نکلتے گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔ اندر بیٹھ کر اس نے ہر جگہ دیکھنے کی کوشش کی مگر اس کا فون وہاں بھی نہیں تھا۔ دل میں ایک کرب کا احساس تھا۔ وہ بے حد اپ سیٹ ہو رہی تھی۔ اس کا سارا ڈیٹا۔۔ اُف۔۔۔ اُسے پھر سے رونا آ رہا تھا۔

منسا تیمور کے کمرے میں گئی

"میرا فون شاید گم ہو گیا ہے، تیمور۔ میں نے اسے قبرستان میں چھوڑ دیا ہو گا، اور اب گاڑی میں بھی نہیں ہے۔"

کوئی بات نہیں منسا۔ چلو، ہم دوبارہ قبرستان چلتے ہیں۔ شاید وہاں مل جائے۔ وہ اطمینان سے بولا

پھر نرمی سے کہا، ہم دوبارہ قبرستان چل کر دیکھ سکتے ہیں۔ اگر وہاں نہیں ملا تو میں تمہیں نیا فون دلوا دوں گا۔

منسا کی آنکھوں میں بے چینی آئی، نیا لینا ہوا تو میں خود بھی لے سکتی ہوں، پر اس میں ڈیٹا ہے میرا سارا۔

تمہیں اس بارے میں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ سارا ڈیٹا واپس نئے فون میں آ جائے گا اور میں تمہیں اس میں ہیلپ کروں گا۔ تیمور نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

منسا نے اثبات میں سر ہلایا۔

چند لمحے بعد تیمور نے گاڑی سٹارٹ کی اور وہ دوبارہ قبرستان کی طرف روانہ ہوئے۔

جب وہ قبرستان پہنچے، منسا نے فوراً اس جگہ کا رخ کیا جہاں وہ اپنی والدین کی قبر پر بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھیں ہر طرف تلاش کر رہی تھیں۔ دل میں ایک امید تھی کہ شاید فون وہاں کہیں موجود ہو۔

دونوں نے جگہ جگہ دیکھنے کی کوشش کی لیکن کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔آخر میں منسا تھک کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئی جہاں وہ پہلے بیٹھ چکی تھی۔اس کی آنکھوں میں اداسی اور مایوسی تھی۔

تیمور نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا" چلو، کوئی بات نہیں۔ہم نیا فون لینے چلتے ہیں۔" وہ بے دلی سے گاڑی میں واپس آ بیٹھی۔

جب وہ شہر کے معروف موبائل ہاؤس پر پہنچے تو تیمور نے منسا کو نئے فون کے مختلف ماڈلز دکھائے۔منسا نے ایک خوبصورت ماڈل منتخب کیا اور تیمور نے خوشی خوشی اسے خرید لیا۔

گاڑی میں واپس آ کر بیٹھے تو وہ بولی

"تھینک یو تیمور۔تم نے واقعی میری بہت مدد کی۔"

یو آر ویلکم،اس نے گردن موڑ کر منسا کو دیکھا۔وہ ڈرائیو کر رہا تھا۔

****

نورین اپنے کمرے میں بیٹھی تھی کہ اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال آیا اور وہ فوراً اُٹھ کر الماری کی بڑھی۔

الماری کے دروازے کو کھولتے ہی اس کی نظریں اس خفیہ لاکر پر پڑیں جو ہمیشہ ہی کسی گہرے راز کی مانند چھپا رہتا تھا۔نورین کی انگلیاں لاکر کے پیچیدہ کوڈ پر چلنے لگیں۔

کمرے میں مکمل خاموشی تھی۔وہ آنکھوں میں گہرا تاثر لیے،اندر پڑی چیزوں کو دیکھنے کے لیے ذرا سا جھکی۔آنکھوں کے سامنے لاکر کھلا تھا اور سامنے ایک غیر معمولی منظر تھا۔اندر کی جگہ تاریک تھی۔

لاکر کی بنیاد میں رکھی گئی اشیاء بے ترتیب سی لگ رہی تھیں، کچھ دھندلے کاغذ، ایک چمچماتی ہوئی قدیم چیچ کی مانند چیز اور ایک طرف ایک سیاہ کپڑا ڈھکا ہوا تھا، جس کے نیچے کچھ چھپا ہوا تھا۔ لیکن ان سب سے ہٹ کر جو چیز سب سے زیادہ نمایاں نظر آئی تھی وہ تھی ایک کٹی ہوئی انگلی جو لاکر کے ایک کونے میں رکھی تھی۔ جس کو بڑی احتیاط سے پلاسٹک کی تھیلی میں محفوظ کر کے رکھا گیا تھا۔

انگلی کا رنگ زردی مائل تھا اور ارد گرد خون کی خشک ہوئی دھاریں دکھائی دے رہی تھیں۔ جیسے وہ کسی وحشت کی گواہی دے رہی ہوں۔ نورین کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے سرد پن کی لہر دوڑ گئی۔

وہ لاکر میں رکھی انگلی کو دوبارہ دیکھ رہی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں وہ کاغذ ابھی تک تھا، جس پر دھندلے الفاظ لکھے تھے، طلاق نامہ اس پیغام کی سادہ سی زبان نے نورین کو آج اتنے سال بعد بھی پریشان کر دیا تھا۔"

وہ ماضی کے اس دن میں دوبارہ جا پہنچی تھی۔

آٹھ سال قبل

نورین کے قدم بہت ناز سے اُٹھ رہے تھے، ہیلز کی ہر آواز سارے میں سنائی دیتی۔ لباس نہایت بیش قیمتی تھا۔ وہ نزاکت سے قدم بڑھاتی آگے آ رہی تھی۔

وہ علشبہ حسیب کے عالی شان گھر میں پہنچی تھی۔ گھر کے دروازے کے قریب پہنچتے ہوئے نورین نے دروازے کو کھولتے ہی اندر کی فضا میں ایک سنگین خاموشی محسوس کی۔ دیواروں پر لگی مہنگی پینٹنگز اور جڑاؤ سامان سے گھر کا ماحول کسی محل سے کم نہ تھا۔

نورین نہ چاہتے ہوئے بھی، بے چینی کا شکار ہونے لگی، مگر اس نے اپنے اندر کے خوف کو نظر انداز کرتے ہوئے قدم بڑھائے۔ ایسا لگتا تھا جیسے ہر چیز بہت سوچ سمجھ کر ترتیب دی گئی تھی۔ وہ قدم بقدم آگے بڑھ رہی تھی۔ اس کے دل میں کچھ سوالات تھے مگر چہرے پر ایک مسکراہٹ کے ساتھ وہ علشبہ تک پہنچ گئی۔ علشبہ کا رنگ نورین کو دیکھتے ہی پیلا پڑ گیا۔ جیسے ہی نورین سامنے آئی علشبہ کی آنکھوں میں ایک لمحے کی گھبراہٹ اور پریشانی کی جھلک نظر آئی۔ وہ جو پہلے تک بے فکری سے محفل کی زینت بنی ہوئی تھی اب ایک دم ساکت ہو گئی۔ چہرہ سفید پڑ چکا تھا۔ رنگت خون کی کمی سے بے رنگ ہو گئی تھی۔

نورین کی موجودگی نے اس کے پورے وجود کو جکڑ لیا تھا۔ علشبہ کی انگلیاں بے ساختہ کانپنے لگیں۔ اس کی سانسیں تیز ہو گئی تھیں اور پورا کمرہ اس کی بے چین حالت کی عکاسی کر رہا تھا۔

وہ نرمی سے مسکراتی ہوئی نورین کی طرف دیکھ رہی تھی۔
کیا میں آپ کو جانتی ہوں؟، بظاہر خود کو نارمل رکھتے علشبہ بولی

نورین نے اچانک میز پر دھاڑ سے نکاح نامہ پھینک دیا۔ کاغذوں کا وہ پلندہ علشبہ کر پیروں میں آ گرا تھا۔ کوئی راز بے نقاب ہو کر سامنے آ کھڑا تھا۔ علشبہ کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا اور اس کے چہرے کا رنگ مزید سفید پڑنے لگا۔ دور کہیں اسے پتہ تھا کہ یہ دن آئے گا مگر اتنی جلدی؟ اس نے فوراً اپنی نظریں جھکائیں اس کا دم گھٹ رہا تھا۔

یہ کیا ہے؟ حسیب شاہ کے ساتھ تمہارا نکاح؟ ، وہ غرائی تھی۔ علشبہ کا دل ایک لمحے کے لیے جیسے بند ہو گیا تھا۔

علشبہ نے اپنے اضطراب کو چھپانے کی ناکام کوشش کی۔ اس نے سر کو ہلکا سا جھکایا پھر ایک مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا نہیں نورین... آپ غلط سمجھ رہی ہو۔ یہ صرف ایک۔۔۔۔ وہ بولتے ہوئے خود کو کتنا بھی پر اعتماد دکھانے کی کوشش کرتی اُس کے لہجے کی لرزش ساری کہانی سنا گئی تھی۔

نورین کا چہرہ سنجیدہ تھا اس کی نظریں علشبہ کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور وہ اس کی ایک ایک حرکت کو بہت گہرائی سے نوٹس کر رہی تھی۔

علشبہ نے کاغذوں کو ایک نظر دیکھا، پھر فوراً انہیں چھپانے کی کوشش کی۔ وہ خوف سے ہنستی ہوئی بولی
"ایسی کوئی بھی بات نہیں ہے مسز شاہ"

نورین نے اپنی طرف بڑھتے ہوئے علشبہ کے ہاتھ کو پیچھے کیا۔
یہ پیپر تم نے سائن نہیں کیے؟ ،وہ جانتی تھی کہ اب یہ بات چھپانا ناممکن ہے لیکن پھر بھی وہ جتنی کوشش کر سکتی تھی کر رہی تھی کہ خود کو بے گناہ ثابت کر سکے۔ علشبہ کی مسلسل تردید کے بعد، نورین کا صبر جواب دے گیا تھا۔ وہ ایک گھات لگائے ہوئے شکاری کی طرح علشبہ کا ہر جھوٹ پکڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"اب تم مزید جھوٹ نہیں بول سکتیں علشبہ!" نورین نے کاٹ دار لہجے میں کہا "اب سچ بتاؤ ورنہ تمہیں پچھتانا پڑے گا۔"

ٹھ—ٹھیک ہے... ،علشبہ نے ہونٹوں کو چبایا اور پھر ہکلاتے ہوئے بولی، حسیب شاہ... وہ... وہ میرا شوہر ہے۔ ہم نے نکاح کیا تھا۔ پچھلے ہف۔۔۔ ہفتے

نورین ایک قدم آگے بڑھی اور علشبہ کی طرف بڑھے ہوئے اس کو گلے لگا لیا۔ علشبہ نے چونک کر اُسے دیکھا۔ چہرے پہ ڈھیروں حیرت ابھری مگر نورین نے اسے خود سے الگ کرتے جب اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تو وہ اس کا ہاتھ تھامنے لگی جیسے ہی علشبہ کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں آیا نورین کا چہرہ ایک لمحے کے لیے بالکل بے رحم ہو گیا۔

تمہاری اتنی جرات کیسے ہوئی؟ ،نورین اس پر چلائی تھی۔
''کوئی بڑی بات نہیں تم نے شادی کر لی تو کیا ہوا؟ سب کرتے ہیں، پر تم نے غلط آدمی کا انتخاب کر لیا۔''

علشبہ کے ہاتھ کو گرفت میں لیے وہ بیگ سے ننھا چاقو نکالتے بول رہی تھی۔علشبہ اس کی گرفت سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی مگر نورین پر کوئی اثر نہ ہوا تھا۔

علشبہ کا سارا اعتماد ٹوٹ چکا تھا اور اب وہ بے بسی سے نورین کے سامنے کھڑی تھی۔

نورین نے ایک ہی جھٹکے سے اس کی شہادت کی انگلی پر وہ چاقو پھیرا انگلی ہاتھ سے جدا ہو گئی اور علشبہ کے ہاتھ سے خون بہنے لگا۔

علشبہ نے بے یقینی سے نورین کی طرف دیکھا اس کا دل اب تیزی سے دھڑک رہا تھا،اور اس کا جسم پوری طرح سن ہو گیا تھا۔ایک شدید درد کی لہر نے اس کو جکڑ لیا تھا۔

وہ اپنے ہاتھوں کو بے ساختہ پیچھے کی جانب کھینچنے لگی مگر اب دیر ہو چکی تھی۔اس کا پورا بدن لرز رہا تھا۔دایاں ہاتھ بے اختیار کانپنے لگا تھا اور اس نے اسے اپنے سینے کے قریب دبا لیا جیسے درد کو کم کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔

نورین کی نظریں اب بھی اس پر مرکوز تھیں۔

دو دن، صرف دو دن ہیں تمہارے پاس اس کے بعد اگر تم پاکستان میں نظر آئی تو تمھاری لاش کو کتے اپنا ڈنر سمجھ کے انجوائے کریں گے آئی پرامس۔

علشبہ کا چہرہ ایک لمحے کے لیے ایسا لگا جیسے وہ سانس بھی نہیں لے پا رہی تھی۔اس کے ہاتھ کا درد بڑھتا جا رہا تھا،اور وہ بے اختیار اسے ہلکا کرنے کے لیے اپنی انگلیوں کو مروڑنے لگی مگر اس کی تکلیف میں کوئی کمی نہ آئی۔

نورین بے نیاز سی باہر کی جانب چلنے لگی جب اسے ایک آخری بار پیچھے مڑ کر دیکھنے پر خیال آیا۔نورین جھک کر بڑی احتیاط سے فرش پر گری خون سے بھری اس انگلی کو اٹھانے لگی۔وہ تڑپ رہی تھی لیکن نورین نے اپنی نظریں چراتے ہوئے دروازہ کھولا اور باہر کی ٹھنڈی ہوا میں قدم رکھ دیا۔

وہ اسے اکیلا چھوڑ کر جا رہی تھی، لیکن شاید اس کے اندر کہیں، کوئی جگہ تھی جہاں اُسے لگا تھا کہ وہ خود کو بچا سکتی ہے اور وہ بھی اُس تکلیف، اس تڑپ سے آزاد ہو کر۔ اُس دن علشبہ حسیب نے اپنی زندگی کو اپنی شادی۔ پر فوقیت دی تھی اور وہ اگلے ہی دن نورین کو سائن شدہ طلاق کے پیپرز بھجوا کر دبئی چلی گئی تھی۔

****

بس کی سیٹ پر بیٹھے اس کی نظریں کھڑکی کے باہر کے منظر پر تھیں لیکن ذہن کہیں اور تھا۔ اس کے ہاتھ میں فون تھا اور وہ اس کی اسکرین پر پرانی چیٹس کو ایک ایک کر کے پڑھ رہا تھا۔ ہر میسج پر انگلی پھیرتے وہ آگے بڑھ رہا تھا بس کے شور کے باوجود وہ جیسے اپنی دنیا میں محو تھا۔

فون کی اسکرین پر اشمل کے ساتھ کی پرانی باتوں کے دھندلے پیغامات چمک رہے تھے۔ وہ اسے مس کر رہا تھا پر وہ اس وقت سو رہی تھی اس لیے ڈسٹرب کرنا نوفل کو مناسب نہیں لگا۔

جیسے جیسے وہ چیٹس پڑھتا چہرے پر پھیلی مسکراہٹ بڑھتی جاتی کبھی دھیرے سے کبھی ہنسی کی صورت میں۔

حالانکہ اب ان دونوں کے درمیان پہلے کی نسبت سب ٹھیک تھا مگر فون کو تھامے ہوئے نوفل کا چہرہ آہستہ آہستہ سنجیدہ ہو گیا۔ بس کی ہلکی ہلکی لرزتی حرکت میں بھی وہ اپنی دنیا سے نکل کر اشمل کی دنیا میں جا پہنچا تھا۔

اور پھر وہ اس میسج تک آ گیا جہاں اشمل کا وہ میسج تھا جس میں اس نے "تم کیا سمجھتے ہو کہ میں تمہاری ان محبت بھری باتوں کو سیریئس لے لوں گی؟ تم بھی ان ہی لڑکوں میں سے ہو نوفل جن کو شادی نہیں کرنی ہوتی بس ٹائم پاس کر کے اپنا اور لڑکی کا وقت ضائع کرنا ہوتا ہے" لکھا تھا۔ نوفل نے گہری سانس لی اور موبائل کی اسکرین کو چھو کر چیٹ کو بند کیا۔ شاید وہ الفاظ جو اس نے کبھی نہیں کہے تھے وہ اب کہہ دے۔

میں آپ کو ثابت کروں گا کہ مجھے آپ ہی سے شادی کرنی ہے، میں وقت برباد نہیں کروں گا، نہ آپ کا نہ اپنا۔ ''وہ پُر عزم انداز میں بولا

****

وہ اس وقت اپنی تھیراپسٹ کے آفس میں بیٹھا تھا۔ آرام دہ صوفے پر ٹیک لگائے وہ اب اپنی ٹائی ڈھیلی کر رہا تھا۔ نادیہ بغور اس کی حرکات کو دیکھ رہی تھی۔ ٹیبل پہ پڑے کافی کے کپ سے دھواں اُٹھ رہا تھا۔

کیسی ہے وہ؟ ، بلآخر نادیہ نے پوچھ ہی لیا تھا۔

''بہتر ہے۔''

اور تم؟ ، نادیہ نے پوچھا تو کمرے میں یک دم سناٹا چھا گیا۔

میں۔۔۔ میں بھی ٹھیک ہوں۔ نادیہ کی تسلی نہیں ہوئی تھی

''تمہیں کوئی بات پریشان کر رہی ہے تیمور؟''

''ہوں۔۔۔''

کیا؟ ، وہ اس کی طرف مزید متوجہ ہوئی

''وہ کسی کو پسند کرتی ہے۔''

''تو؟''

تو کچھ نہیں۔۔۔ بس وہ میں نہیں ہوں۔ وہ زخمی سا مسکرایا

تم سے زیادہ ہینڈسم ہو گا۔ اس نے اندازہ لگایا

مجھ سے زیادہ خوش نصیب ہے۔ اس نے تصحیح کی

منسا کیا ہے تیمور؟ ، کتنا سادہ سوال تھا

'' A cut that always bleeds.''

اور کتنا پیچیدہ جواب تھا

تو تم اُسے چھوڑ دو۔ تمہیں کیا لگے وہ کسی کا بھی انتخاب کرے۔ نادیہ نے جیسے تجویز پیش کی تھی۔

آپ کو کبھی کسی سے محبت ہوئی ہے؟، وہ ابرو اُٹھائے سوال کر رہا تھا

نہیں۔ نادیہ نے اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری۔

گڈ، دماغ والوں کے بس کا کام ہے بھی نہیں یہ۔ وہ اب نادیہ کا مذاق بنا رہا تھا۔

تیمور۔۔۔ اس سے پہلے وہ کچھ کہتی تیمور نے اُسے انگلی اُٹھا کے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

فون پر منسا تھی اور وہ اُسے گھر آنے کا کہہ رہی تھی۔

بس دس منٹ میں آ رہا ہوں پھر چلتے ہیں۔ اوکے بائے۔ نادیہ بس اُسے دیکھ کر رہ گئی۔

اگلے ہفتے یہیں سے کنٹی نیو کریں گے۔ وہ فیصلہ سناتا اُٹھ کھڑا ہوا،

"کیا مطلب؟"

ابھی منسا کو میری ضرورت ہے اور ویسے بھی تھیراپی کونسا کہیں بھاگے جا رہی ہے۔ نادیہ کو اس کی ڈھٹائی پر غصہ آیا پر اس سے پہلے کے وہ کسی ردِ عمل کا اظہار کرتی تیمور ولید اس کے آفس سے جا چکا تھا۔

****

باب نمبر:10

دل میں ایک کہرام سا ہے
ایک خوف کا طوفان سا ہے
ہر پل کی آہٹ میں کرب چھپتا ہے
گزرے ہوئے کل کا گمان سا ہے

اندھیروں میں، میں ڈوبا ہوں
چراغ کی تیز لو سے ڈرتا ہوں
ہر سایہ، ہر قدم، ہر آواز
میرے اندر کا خوف بڑھاتا ہے

میرے دماغ کی گلیوں میں
غبار ہے، پر کچھ صاف نہیں
خوف کی رات، سکون کی روشنی
میرے دل ہی کی دھڑکن ساتھ نہیں

دیکھوں تو چمکتی حقیقت ہے
پھر بھی یہ ڈر سچ لگتا ہے
ہمت کا حوصلہ میں تلاشوں
پر ڈر کا سایہ ساتھ ساتھ چلتا ہے

اعتبار کا آئینہ
از علیہا زاہد

مگر پھر بھی میں لڑتا ہوں

خوف کے ساتھ، نہیں رکتا ہوں

شاید کہ یہی زندگی کی سچائی ہو

یہ ڈر ہی تو ہے جو ہمیں جیتنے کا راستہ دکھاتا ہے

ہمیں اپنے اندر کی طاقت پہچاننے کا سلیقہ سکھاتا ہے

آنکھوں میں خواب ہیں مگر خوف کی دھند ہے

ٹوٹے سے دل میں یہ گھٹے ہوئے رنگ ہے

ہر خیال میں ایک کانپتی سی آواز ہے

جسے سن کر دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے

ہر قدم جو بڑھاتا ہوں، ڈر کا بوجھ بھی بڑھتا ہے

یہ جو خوف ہے، وہ اندر ہی اندر دل توڑتا ہے

مگر پھر بھی میں چلتا ہوں، راستہ ڈھونڈتا ہوں

کیونکہ ڈر کے بغیر، زندگی کچھ نہیں ہوتی

خوف کی گلیوں میں سچائی چھپی ہوتی ہے

ہر سچ پر ڈر کی ایک چھایا ہوتی ہے

مگر جب ہم اس کا سامنا کرتے ہیں

تو نئی روشنی سامنے آتی ہے

جو پھر ہماری رہنمائی کرتی ہے

****

حبااور اشمل لان میں موجود تھیں، جہاں چائے کے کپ کے کنارے پر سے بخارات اٹھ رہے تھے اور دن کی نرم روشنی دھیرے دھیرے سرخ مائل ہو رہی تھی۔

حبا نے اشمل کی طرف سوالیہ نظر سے دیکھا

"آپ کو رگریٹ ہوتا ہے کبھی یہ سوچ کر کے کاش یہ باتیں یونیورسٹی جانے سے پہلے پتا ہوتیں۔"

اشمل کا چہرہ لمحے کے لیے سنجیدہ ہو گیا۔اس نے چائے کا ایک گھونٹ لیا اور پھر کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔

یونیورسٹی میں بہت سی چیزیں سیکھنے کو ملتی ہیں، حبا۔ایک تو یہ کہ یہاں آکر دنیا کا حقیقی رنگ نظر آتا ہے۔وہ جو کتابوں میں پڑھا تھا اس کا حقیقی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

یونیورسٹی میں آپ کا وقت بہت قیمتی ہوتا ہے لیکن ابتداء کے دو سالوں میں ہم اس کی اہمیت کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔"اشمل" زبیر بول رہی تھی اور حبا خاموشی سے سن رہی تھی۔

دوسری بات یہ کہ دوستوں کے بارے میں سچائی کچھ الگ ہوتی ہے۔یہاں آپ کو وہ لوگ ملتے ہیں جو ہمیشہ آپ کے قریب نہیں رہیں گے، وہ لمحے جو آپ ان کے ساتھ گزارتے ہیں وہ یادگار ضرور ہوتے ہیں مگر دیرپا نہیں، یہاں موجود لوگ انٹرٹیننگ ضرور ہوتے ہیں مگر مخلص نہیں۔

یہاں کم ظرفوں کی سب سے بڑی تعداد پائی جاتی ہے۔حبا چونکی

"کیا مطلب؟"

مطلب یہاں ہر دوسرا بندہ آپ کو گروپس میں بیٹھا کسی لڑکی کے کردار کے بارے میں بکواس مرتا نظر آئے گا اور مزے کی بات بعض دفعہ وہ لوگ بھی آپ کو جج کر رہے ہوتے ہیں جن کا اپنا کوئی کردار نہیں ہوتا۔

وہ چند لمحے خاموش رہی اور پھر ایک گہری سانس لے کر بولی، اس لیے ایسے لوگوں کو سیریس نہیں لینا۔ جو آپ کے کردار پہ وار کرتا ہے اصل میں اس کا خود کا کردار زیرو ہوتا ہے۔

اشمل کا لہجہ نرم اور مخلص تھا۔ پھر اس نے دھیمے انداز میں بات جاری رکھی

آپ کو کبھی کبھی خاموش رہنا پڑتا ہے۔ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو آپ کو کہنی نہیں چاہیے، چاہے دل میں کتنی ہی تکلیف کیوں نہ اُٹھے۔

حبا کی آنکھوں میں سوال تھا لیکن اشمل کے لہجے میں اتنی گہرائی تھی کہ وہ مزید کچھ نہیں پوچھ پائی۔

اور پھر، حبا" اشمل نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا" یہ جو آپ کا پہلا سال ہوتا ہے، وہ سب سے زیادہ الجھا ہوا ہوتا ہے۔ آپ کو لگتا ہے کہ سب کچھ آپ کی مرضی کے مطابق ہو گا کیونکہ آپ کو تو سب بیسکس کا پتہ ہے لیکن جب آپ یونیورسٹی میں پہنچتے ہو تو آپ کو احساس ہوتا ہے کہ اصل میں آپ کچھ نہیں جانتے۔ اور آپ کا خود کو ثابت کرنے کا جنون کبھی کبھار آپ کو ان راستوں پر لے آتا ہے جہاں آپ کا دل نہیں ہوتا۔

اشمل کی آواز میں ایک ایسی مایوسی تھی جو صرف تجربے سے آتی تھی۔

****

چاند کی روشنی دھیرے دھیرے مدھم پڑ رہی تھی اور کمرے میں چھائے سائے اور نرم روشنی کے بیچ حبا ایک کونے میں خاموش بیٹھی تھی۔ ہاتھ میں موبائل فون تھا جس کی اسکرین پر ایک نام چمک رہا تھا

Him

نظریں فون کی اسکرین پر مرکوز تھیں انگلیاں اسکرین کے کنارے پر آہستہ آہستہ سرک رہی تھیں لیکن وہ کسی تاثر کے بغیر بس وہ پیراگراف دیکھ رہی تھی جو اس نے ابھی کچھ لمحے پہلے لکھا تھا۔

"Him"

ایک ایسا کانٹیکٹ جس نے حبا کی زندگی کو رنگوں سے بھرا تھا لیکن اب وہ رنگوں پر سیاہی اچھالے چلا گیا تھا۔

حبا نے ایک لمحے کے لیے موبائل کی اسکرین پر دیکھا اور پھر اپنی نظریں ہٹا کر باہر کی طرف دیکھنے کی کوشش کی۔ اسے اپنا سانس بند ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔ سب کچھ اس کے ارد گرد ایک دھند کی مانند ہو گیا تھا۔ وہ سوالات، وہ بے یقینی، وہ درد جو اس پیراگراف کے الفاظ کی صورت میں لپٹ کر چھپ گئے تھے۔ وہ سب جذبے اب پھر سے سر اُٹھا رہے تھے۔

میں نے بہت محبت کی آپ سے، ہر انسان سے زیادہ، خود سے زیادہ، آپ کے بارے میں اللہ سے باتیں کی، نمازی تو پہلے بھی تھی پر ، تہجد کا سفر آپ کی الفت نے تہہ کروایا تھا، مجھے لگا آپ کو اللہ سے مانگ لوں گی میں، اپنا بنالوں گی، مجھے یقین تھا آپ ملیں گے مجھے اللہ آپ کو میرا نصیب بنادے گا، مگر میرا توکل ایک طرف اور اللہ کی مجھ سے محبت ایک طرف، اللہ تعالیٰ بھلا حبا حسیب کا نصیب وہ شخص کیوں بناتا جسے دنیا عزیز ہو، جسے زنا کا راستہ نکاح سے زیادہ آسان لگتا ہو، جسے اپنی نگاہ کی حفاظت نہ کرنی آتی ہو، آپ کو اپنا محرم بنانے کی دعاؤں سے لے کر آپ کی محبت سے محروم ہو جانے کا سفر میں نے طے کر لیا ہے۔
اللہ حافظ، فی امان اللہ۔ وہ اسی طرح ساکت سی بیٹھی فون کو دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں سے آنسو گر کر سکارف میں جذب ہو رہے تھے
۔

وہ اس کا کانٹیکٹ نیم تبدیل کر رہی تھی۔ ہماری جنریشن کے مطابق کسی کا فون میں نام بدل لو تو اس کا دل میں مقام بھی بدل جاتا ہے۔ کیا مجھے اس آدمی کو بلاک کر دینا چاہیے؟ کسی نے اندر سے سوال کیا تھا۔ حبا نے نفی میں سر ہلایا۔ جس کے ساتھ زندگی گزارنے کے منصوبے بنائے ہوں اس کو اجنبی کر کے اس کی زندگی سے غائب ہو جانا اپنا ہی دل کاٹنے جیسا ہوتا ہے۔

حبا ہم نے شادی کرنی ہے ناں تو پھر ایک دفعہ پرائیویٹ مل لینے میں کیا حرج ہے؟ وہ الفاظ ایک بار پھر حبا کے ذہن میں گونجے۔
اس نے وہ جملہ دوبارہ پڑھا تھا اور ایک لمحے کے لیے اس میں وہ درد اور کمی محسوس کی جو وہ خود اپنے اندر چھپائے بیٹھے تھی۔

یہ اس کی زندگی کا ایک ایسا حصہ تھا جسے وہ نہ تو مکمل طور پر چھوڑ سکتی تھی نہ اس سے آزاد ہو سکتی تھی۔ اس آدمی کا نام حبا کے ذہن میں ایک ماضی کی گونج کی طرح تھا۔ جس کی بازگشت ابھی بھی اس کے دل کی گہرائیوں میں سنائی دیتی تھی۔

****

نوفل نے شیک کا ایک گھونٹ لیا اور پھر نظریں اٹھا کر اشمل کی طرف دیکھا۔

اشمل، ایک سوال پوچھوں؟ ، نوفل نے ذرا سنجیدہ انداز میں کہا۔

اشمل نے سر اُٹھا کر نوفل کی طرف دیکھا

"ہاں، پوچھو، کیا بات ہے؟"

نوفل نے پھر آہستہ سے پوچھا، آپ کو کس سے ڈر لگتا ہے؟

اشمل کا چہرہ اچانک سنجیدہ ہو گیا۔
چھپکلی سے۔ وہ تائی کا نام لینا چاہتی تھی پر نہیں کہہ پائی۔
اندر کا سکون اچانک بکھر گیا تھا۔
"آہ۔ کیا میں نے کچھ غلط پوچھ لیا؟ آئی ایم۔۔۔"

نوفل نے اشمل کی تبدیلی کو فوراً محسوس کیا۔

نہیں۔اشمل نے یک لفظی جواب دیا تھا

مجھے کبھی کبھی اس بات کا ڈر لگتا ہے کہ میں وہ سب کچھ کھو دوں گی جو مجھے عزیز ہے...وہ سب لمحے جو مجھے خوشی دیتے ہیں۔اور سب سے زیادہ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ کبھی ایسا وقت نہ آئے کہ میں خود کو نہ پہچان سکوں۔

"یعنی آپ کو عزیز چیزیں کھونے کا ڈر ہے"

ہاں، کچھ ایسا ہی ہے۔ہم جتنا بھی یقین کر لیں کہ سب کچھ ہمارے قابو میں ہے، کبھی نہ کبھی زندگی ہمیں یہ بتا دیتی ہے کہ ہمارے مطابق یہاں کچھ نہیں ہوتا۔اور یہ کہ ہمارا ہر لمحہ، ہر رشتہ، ہر کامیابی ایک دم سے ختم ہو سکتی ہے۔

پتا ہے اشمل، مجھے یہ ڈر ہمیشہ ستاتا رہا ہے کہ میں خود کو کھو بیٹھوں گا کبھی کبھار لگتا ہے کہ ہم جو بننا چاہتے ہیں، وہ بن نہیں پاتے۔ہم جو سمجھتے ہیں کہ ہم ہیں، وہ ہم نہیں رہتے۔اور یہ ڈر کبھی کبھار اتنا شدید ہو جاتا ہے کہ ہم سچ میں اس سے باہر نکلنا چاہتے ہیں، لیکن ہم نہیں نکل پاتے۔

چلو کلاس میں چلیں۔اشمل نے اضطراب سے پہلو بدلا

''تم چلو میں امتیاز سے مل کے آتا ہوں وہ گیٹ نمبر ٹو پہ ویٹ کر رہا ہے۔''

اشمل اپنا بیگ اُٹھاتے چلنے لگی کہ پھر کسی خیال کے تحت واپس مڑ کر بولی

اور میں نے تمھیں مجھ سے ''تم'' کہہ کر بات کرنے کی اجازت دی تھی، اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم ہر وقت فری ہوتے رہو۔

نوفل زیرِلب مسکرایا"اوہ سوری میڈم۔"وہ بے دھیانی میں اُسے تم کہہ گیا تھا ورنہ وہ اشمل کے اجازت دینے کے باوجود اس طرح مخاطب نہیں ہوتا تھا اشمل سے۔

نوفل نے شرارت سے کہا، براؤن کلر میں ویسے ہی آپ اتنی پیاری لگتی ہیں کہ آپ سے ہر بحث ہاری جاسکتی ہے

****

کمرے کی تیز روشنی میں وہ حسیب شاہ کے سامنے کھڑی تھی۔"کیا سوچ کر تم نے دوسری شادی کی حسیب!"نورین نے دھیمے سے مگر سخت لہجے میں سوال کیا
اور تمہیں ایک بار بھی یہ خیال نہیں آیا کہ ہمارے بچے اس بات کا کیا اثر لیں گے ؟علشبہ سے شادی کے بعد تم نے کبھی یہ سوچا کہ تم نے ایک نئی زندگی شروع کی لیکن ہمارے بچوں کے لیے کیا کیا تم نے ؟ کبھی ان کے بارے میں نہیں سوچا؟

وہ نورین کی باتوں کا جواب دینے کے لیے الفاظ تلاش کر رہے تھے مگر لفظ کھو گئے تھے۔

تمہاری دوسری شادی تمہاری ذاتی زندگی کا حصہ ہو سکتی تھی حسیب، لیکن ہمارے بچوں کی زندگی اس فیصلے سے جڑ گئی تھی۔ تم نے ان کے بارے میں ایک لمحے کے لیے نہیں سوچا؟ کیا ان کے دل کا خیال رکھا تم نے ؟ان کو دنیا سے نظریں ملانے کے قابل چھوڑا تم نے ؟ وہ جو تمہارا گھنٹوں انتظار کرتے تھے اس آس میں سو جاتے تھے کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ وقت گزاریں گے جبکہ ان کا باپ باہر عیاشی کر رہا ہوتا تھا۔ سوچو کبھی یہ سب ان کو بڑے ہو کر پتا چلے تو تمھیں کیا سمجھیں گے وہ؟ تمھاری عزت کریں گے ؟

حسیب شاہ کی پیشانی پر پسینے کے قطرے ابھر آئے تھے۔ نورین کی باتوں نے حسیب کو صحیح معنوں میں گونگا کر دیا تھا۔ زبان گنگ ہو چکی تھی۔ دل کے اندر ایک عجیب سا بے بسی کا احساس تھا۔
"کیا تم نے کبھی یہ سوچا کہ تمہاری دوسری شادی نے ہمارے رشتے کو کتنا زخمی کر دیا؟ کیا یہ سب تمہیں نظر نہیں آیا؟"

نورین کی آواز میں اب کوئی لرزش تھی

تم نے جو کیا، وہ تمہاری مرضی تھی لیکن تمھیں سچ میں شرم آنی چاہیے اس حرکت پہ، کہ تم اپنی خواہشوں کے پیچھے بھاگتے بھاگتے اپنے بچوں کو ڈیمج کرنے لگ گئے۔

حسیب شاہ کا دماغ ایک لمحے کے لیے کام کرنا چھوڑ گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ کچھ نہیں کہہ پائے گا کیونکہ نورین کی باتوں میں وہ سچائی تھی جس کا وہ کبھی سامنا نہیں کر پایا تھا۔

تم نے ہمیں تنہا چھوڑ دیا، حسیب! ، وہ افسوس سے بولی

تم نے مجھے اور بچوں کو اس طوفان میں اکیلا چھوڑ دیا۔ تمہاری خاموشی، تمہاری بے پرواہی نے ان کی دنیا کو بکھیر کر رکھ دیا۔ تم نے ان کے لیے کچھ بھی نہیں کیا۔ پیسہ سب کچھ نہیں ہوتا۔ تم نے انکو اپنا پیسہ دے کر سمجھا کہ تم نے اپنے تمام فرائض پورے کر لیے۔

حسیب شاہ سر جھکائے ساکت بیٹھے تھے وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں پائے تھے۔

تمہاری دوسری شادی ان کے لیے ایک دھچکا ہو گی، تمہاری غفلت نے ان کے دلوں میں ہمیشہ توڑ پھوڑ پیدا کی۔ اور تم اس سب کے بعد بھی کہتے ہو کہ تم نے ان سے محبت کی؟

حسیب کی آنکھوں میں اب پچھتاوے کی جھلک تھی، جیسے وہ اندر سے ٹوٹ رہا ہو۔ وہ جانتا تھا کہ وہ نورین کے دل کے زخموں کو کبھی مکمل طور پر نہیں بھر پائے گا۔ اور وہ بچے... ان کے لیے کچھ نہ کر پانا یہ سب اس کے ضمیر کی اذیت میں بدل چکا تھا۔

میں نے تمہیں کبھی نہیں روکا، حسیب، نورین نے سرخ پڑتی آنکھوں سے گلہ کرتی کہا

مجھے پتہ ہوتا تھا کہ تم کتنے ماہ کے لیے اپنی آفس کی کس عورت کے ساتھ افیئر چلا رہے ہوتے ہو مگر میں نے کبھی کچھ نہیں کہا تمہیں کر دیتی ہے جو چند دن پہلے quit کیا لگتا تھا مجھے پتہ نہیں چلتا کہ تمہارے آفس میں صرف وہ لڑکی ہی کیوں جاب سے اچانک تمہارے آفس کے چکر کاٹ رہی ہوتی ہے

حسیب کے لبوں پر ایک درد بھری مسکراہٹ آئی، لیکن اس میں کوئی سکون نہیں تھا۔اس کے اندر جو خلا تھا، وہ کبھی مکمل نہیں ہو سکتا تھا۔اسے اپنا آپ بہت چھوٹا محسوس ہوا تھا وہ جانتا تھا کہ نورین کا غصہ اور دکھ جائز تھا، اور وہ ان سب کا ذمہ دار تھا۔

حسیب نے آہستہ سے کہا"...نورین"

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے نورین نے ان کی بات کاٹی

میں ماضی کو ماضی میں ہی چھوڑنا چاہتی ہوں، آئی ہوپ آئندہ مجھے ایسا کچھ دیکھنے کو نصیب نہیں ہو گا ورنہ حسیب تمہیں اپنے بچوں کا چہرہ نصیب نہیں ہو گا یہ میرا وعدہ ہے تم سے۔وہ انگلی اُٹھا کر تنبیہ کر رہی تھی اور حسیب شاہ برف ہو گئے تھے۔

****

سات سال قبل

وہ زار و قطار رو رہی تھی۔آنسو مسلسل بہہ کر چہرے سے گردن کی جانب لڑھک رہے تھے۔وہ حیدر کو اپنے ماضی کی روداد سنا رہی تھی اور وہ اُسے خاموشی سے سن رہا تھا۔

ماہین اُٹھ کر پانی پیو شاباش۔وہ اُسے بے حد نرمی سے کہہ رہا تھا۔

نہیں میں ٹھیک ہوں۔فون پر ماہین کی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی تھی۔وہ پوری رات ماہین سے باتیں کرتا رہا تھا اور ماہین اُسے اپنے تلخ ماضی کے حوالے سے سب بتا رہی تھی اور اُس دن حیدر نے فیصلہ کیا تھا کہ اگر وہ شادی کرے گا تو صرف ماہین سے ورنہ کسی سے بھی نہیں۔اس کے پچھلے ریلیشن شپ نے اُسے بہت ڈیمج کیا تھا، حیدر شاہ نے اس کے زخموں پہ مرہم رکھنے کا ارادہ کر لیا تھا۔کیوں کہ وہ یہ سب ڈیزرو نہیں کرتی تھی۔وہ محبت اور احترام کی حقدار تھی۔

فجر کی اذان کے بعد وہ باتیں کرتی کرتی سو گئی تو وہ بے اختیار فون کو دیکھ کر بولا

ڈر رہی ہے اک تتلی پھول سے

مالیوں یار تم پہ لعنت ہو

اُسے ماہین کی باتیں سن کر بہت تکلیف ہوئی تھی۔ وہ جس اذیت سے گزری تھی حیدر کے لیے اندازہ لگانا بھی مشکل ہو رہا تھا۔

ایک دم اس نے سر جھٹکا اور وضو کرنے کی نیت سے باتھ روم کی طرف چلا گیا۔

****

وہ کلاس میں داخل ہوئی تو کسی نے آواز کستے کہا تھا

میڈم عاشق کدھر ہے آپ کا؟'' بلاشبہ یہ گھٹیا بات فیصل کے ہی منہ سے نکلی تھی۔ وہ ضبط کر کے رہ گئی۔

وہ نظر انداز کرتی آ بیٹھی تو وہ پاس آ کر بیٹھ گیا اور اطمینان سے بولا

''مذاق اپنی جگہ، کیا دیکھا تھا آپ نے نوفل میں اشمل بی بی، ہمیں بھی بتائیں ہم بھی وہ بات اپنے اندر انسٹال کر لیں۔''

اپنی اوقات میں رہا کرو فیصل۔ وہ ایک دم زور سے چیخی تھی اور فیصل نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا

ایزی ایزی میں تو بس اس لیے کہہ رہا تھا کہ

You're so out of his league. Lucky bastard.

وہ نوفل کو القابات سے نوازتا کرسی دھکیل کر اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

****

باب نمبر:11

تمہارے لیے میں ہمیشہ بس ایک سایہ رہا

تمہاری آنکھوں میں خوابوں کا رنگ تھا

اور میں خاموشی سے دیکھتا رہا

تمہاری مسکراہٹ میں میرا جہان تھا

مگر تم نے کسی اور کی ہنسی میں اپنی دنیا بسائی تھی

میں ہر پل تمہیں دل سے چاہتا رہا، بس چاہتا رہا

مگر کبھی نہ بتا سکا وہ جذبہ جو دل میں تھا

کبھی نہ کہہ سکا وہ لفظ جو تم تک پہنچانا چاہتا تھا

کیونکہ تمہاری دنیا میں میری جگہ نہ تھی

پھر بھی میں نے تمہیں دل سے چاہا، اور چپ رہا

میرے دل کی دھڑکن تمہارے خیالوں کے ساتھ جڑی تھی

تمہاری ہر مسکراہٹ جینے کی ایک نئی وجہ دیتی تھی

میں تمہاری نظر میں صرف ایک معمولی سا انسان تھا

اور وہی معمولی انسان تمہاری محبت کا خواب دیکھتا رہا

تمہیں پا لینے کے جتن کرتا رہا

میں تمہارے لئے بس ایک سایہ تھا

تم کسی اور کا خواب تھی

پھر بھی، دل میں ایک تمنا تھی، کہ شاید کبھی

تمہیں پتہ چلے، کہ تمہاری محبت میں میری دنیا بستی تھی

یک طرفہ محبت، ایک درد بھرا راز ہے
جو دل میں چھپ کے رہ جاتا ہے، اور زبان پر نہیں آپاتا
تم زندگی میں نہیں ہو آج
پھر بھی دل میں تمہاری یادوں کا خواب ہے
کیونکہ یک طرفہ محبت ہمیشہ دل کی گہرائیوں میں رہ جاتی ہے

محبت کا رشتہ کبھی ختم نہیں ہوتا
بس کبھی کبھی راستہ بدل جاتا ہے

****

"میں بہت کمزور ہوں"
"میں خود کو، اپنی زندگی کو سنبھال نہیں پا رہی۔"

دوپٹہ شال کی طرح کندھوں کے گرد لپیٹے وہ بے بسی سے بولی

ایسا کچھ نہیں ہے۔ تم بہت بہادر ہو۔ چیزیں کچھ ٹائم بعد بہتر ہونے لگتی ہیں۔ تیمور نے رسانیت سے کہا

تمہیں بس اپنے آپ پر بھروسہ کرنا ہوگا۔ میں تمہیں ہر لمحہ یاد دلاتا رہوں گا کہ تم کتنی خاص ہو۔ وہ چپ رہی

میں تمہیں تھکانا نہیں چاہتی، مجھے فکس کرنے کا کام تمہارا نہیں ہے لہجے کی اجنبیت تیمور کو پریشان کر گئی تھی۔

تمہیں فکس کرنا میری تھکاوٹ نہیں بلکہ یہ میرا آرام ہے، تیمور نے اُسے یقین دہانی کروائی
"ہر بار جب تمہیں ضرورت ہو، میں یہاں ہوں گا۔ چاہے حالات کتنے ہی خراب ہوں میں تمہارے ساتھ کھڑا رہوں گا۔"

میں شاید یہ بات کہتی نہیں ہوں پر مجھے واقعی تمہاری بہت ضرورت ہے۔ اس نے اعتراف کیا تھا

ہم مل کر ہر چیز کا سامنا کریں گے۔ تمہاری خوشی تیمور کے لیے سب کچھ ہے۔ وہ اس کے چہرے پہ موجود لٹ کو کان کے پیچھے اٹکاتے بولا

****

پاکستان واپس آنے کے بعد ماہین کے پیرینٹس نے حیدر اور ماہین کو ڈنر کے لیے مدعو کیا تھا۔

وہ جب ماہین کے پیرنٹس کے گھر پہنچے، پورچ میں آنے پر حیدر نے ماہین کے والدین کو سلام کیا اور انہوں نے دل سے ان کا استقبال کیا تھا۔

گھر کے اندر کھانے کے بعد مختلف موضوعات پر گفتگو کے لیے ایک آرام دہ کمرہ تیار کیا گیا تھا۔ اس کمرے میں نرم روشنی، ہلکی پھلکی موسیقی، اور آرام دہ نشستیں تھیں۔ ماہین کے والدین نے حیدر اور ماہین کو محبت بھرے انداز سے ٹریٹ کیا تھا۔

ماہین کے والدین نے بات چیت کا آغاز کرتے ہوئے اپنے دل کی باتیں حیدر کے ساتھ شیئر کیں۔ انہوں نے صبر اور اس کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے حیدر کو بتایا تھا کہ زندگی میں مشکل حالات کا سامنا سب کو کرنا پڑتا ہے اور ان مشکل لمحات میں ایک

دوسرے کی حمایت اور سمجھوتے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بہترین مرد وہ ہوتے ہیں جو اپنی بیویوں کی حمایت کرتے ہیں دنیا کے سامنے اور بند کمروں کے پیچھے ان کی تصحیح کرتے ہیں۔ وہ ڈھکے چھپے لفظوں میں حیدر کو بتا رہے تھے کہ وہ ان کی بیٹی کا ٹھیک سے خیال نہیں رکھ رہا۔

لیکن حیدر کو ان باتوں کی تک سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس کو یہ باتیں سننے کو مل کیوں رہی تھیں آخر۔ کیا ماہین کو ممی نے کچھ کہا تھا؟ کیا اس نے اپنے پیرنٹس کو میرے یا میرے گھر والوں کی شکایتیں کی تھیں؟ بظاہر حیدر نے سر جھکائے سنجیدہ انداز میں باتیں سنیں اور پھر جب اس کا ضبط جواب دے گیا تو وہ ماہین کو چلنے کا اشارہ کرتا اُٹھ کھڑا ہوا۔

ہم چلتے ہیں انکل، دیر ہو گئی ہے بہت، ڈنر واز سو گڈ۔ ماہین سنجیدہ چہرے کے ساتھ اُسے یک ٹک دیکھ رہی تھی حیدر کو لگا شاید کچھ غلط تھا۔

وہ واپسی کے سارے راستے خاموش رہا تھا۔ اُس نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ اس کی خاموشی ماہین کو بے چین کر رہی تھی۔ حیدر کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ سات سال خود سے کیے وعدے کو نبھانے کی اس نے اب تک ہر ممکن کوشش کی تھی پھر ایسی کیا بات ہو گئی تھی کہ ماہین اپنے پیرنٹس سے اس کی شکایات کرنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ اُسے غصہ نہیں آیا تھا مگر اُسے بے حد افسوس ہوا تھا۔

****

وہ سورت طٰہٰ مکمل کر کے قرآن مجید کو بند کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھانے لگی۔ سرمئی آنکھوں میں ہلکی سی نمی تھی۔ دعا کی حالت میں جب اس نے ہاتھ اٹھائے تو ایک لمحے کو اسے اپنے اندر کی خاموشی نے غصے اور افسوس سے بھر دیا۔ ایک عجیب سی بے یقینی نے اسے گھیرا۔ اس نے بہت وقت پہلے دعا مانگنا چھوڑ دیا تھا۔ یہ بھی یاد نہیں تھا کہ آخری مرتبہ کب دعا مانگی تھی۔

دل میں ایک خلاء سا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ دعا کرنے کی کوشش کر رہی تھی مگر لفظ ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ اس کا ذہن ماؤف ہو چکا تھا۔

شاید اس نے اپنی روزمرہ کی بے ہوشی میں اللہ تعالیٰ سے وہ تعلق کم کر لیا تھا جسے ایک وقت میں وہ دل و جان سے محسوس کرتی تھی۔ الفاظ اُڑتے اُڑتے کہیں گم ہو گئے تھے۔ سینے پر ہاتھ باندھے وہ لب بھینچے سامنے دیوار کو دیکھ رہی تھی۔

****

بڑھاپے کے قریب پہنچتے ہی افرا بیگم کے دل میں اکیلے پن کا خوف بڑھ چکا تھا۔ کمرے میں پھیلی خاموشی ان کے دل کو مٹھی بھر نمک کی طرح چبھتی تھی۔

افرا بیگم اکثر کھڑکی کے قریب بیٹھ کر باہر کی طرف دیکھتی تھیں جیسے کسی کے آنے کی امید میں تھیں لیکن باہر کی سنسان سڑک اور خاموش گلیاں ان کی تنہائی کو مزید گہرا کرتی تھیں۔

رات کی خاموشی جب سب لوگ سو جاتے، افرا بیگم کو اپنی تنہائی کے کرب سے دوچار کرتی تھی۔ وہ اکثر سوچتی تھیں کہ کیا ان کی زندگی کی آخری رات بھی ایسے ہی اکیلی گزرے گی؟ ہر گھڑی کا انتظار ان کے دل کو مزید کچل دیتا۔ افرا بیگم کی عمر کے آخری پڑاؤ پر، اکیلے پن کا خوف ان کی زندگی کا مستقل ساتھی بن چکا تھا۔ ان کا گھر، اب گھر نہیں لگتا تھا، ایسا لگتا تھا بس وہ چند غیروں کے ساتھ رہتی ہیں اور مانو، مانو بھی تو بدل گئی تھی، اس نے بھی تو اپنے کمرے میں زیادہ وقت رہنا شروع کر دیا تھا۔ ان کا یہ کمرہ اب ویران ہو کر رہ گیا تھا۔

ان کی دعا یہی تھی کہ اللہ کرے کسی نہ کسی دن اس اکیلے پن کی تپش کم ہو۔

****

دفتر کے انٹری ہال میں شیشے کے دروازے، صاف اور چمکدار فرش، اور منظم انتظام نظر آتا تھا۔ دیواروں پر کمپنی کے کامیاب پروجیکٹس اور اہم کامیابیوں کی تصاویر آویزاں تھیں۔

ری سیپشن پر ایک پروفیشنل ریسپشنسٹ موجود تھی جو تیمور کے اندر داخل ہوتے ہی اس کو سلام کرنے لگی۔ کاؤنٹر کے پیچھے ایک بڑی سکرین چل رہی تھی جس پر کمپنی کی تازہ ترین خبروں اور اعلانات کی معلومات دی جا رہی تھیں۔

دفتر کے داخلی علاقے میں ہلکی روشنی اور آرام دہ فرنیچر موجود تھا۔ بڑے، صاف اور جدید ورک اسٹیشنز جن پر ٹیم کے ممبران اپنی ذمہ داریوں کو بخوبی انجام دیتے دکھائی دے رہے تھے۔ ہر ورک اسٹیشن پر جدید کمپیوٹرز، فونز موجود تھے۔

تیمور اس ماحول سے گزرتا ہوا اپنے آفس کی طرف بڑھا۔ وہ اپنی جگہ پر بیٹھتے ہی فوری طور پر کام کے معاملات پر توجہ دینے لگا۔

تیمور نے ولید ایمپائر پر بہت محنت کی تھی یہی وجہ تھی کہ آج ان کا بزنس کی دنیا میں اتنا اونچا مقام تھا۔ اس نے اس کمپنی کی پیش رفت کے لیے بہت محنت کی تھی۔

نمرہ تیمور کی طرف محبت بھری نظر سے دیکھتے ہوئے کہنے لگی، گڈ مارننگ سر! آج ہم نئے فیشن لائن کے لیے مارکیٹ ریسرچ کی رپورٹ دیکھیں گے اور سیلز کے نئے منصوبے پر بات کریں گے۔

تیمور نے نمرہ کی جانب اطمینان بھری نظر سے دیکھا اور کہا

گڈ۔ وہ یک لفظی جواب دیتا اُسے بیٹھنے کا اشارہ کرنے لگا۔

نمرہ سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے فائلوں اور رپورٹوں کو ترتیب دینے لگی۔

اس لمحے میں تیمور کے فون پر

" Minnie 🌷 "

کالنگ چمکنے لگا۔ اس نے ہاتھ سے نمرہ کو جانے کا اشارہ کیا اور وہ چونک کر سر ہلاتی باہر کی جانب بڑھ گئی۔

فون اٹھا کر کان پر لگایا تو آگے سے منسا کی آواز سنائی دینے لگی۔

"کہاں تھے تم؟ کب سے میسج کیا ہوا ہے، جواب ہی نہیں دیا تم نے۔"

اس کو آگ بگولہ ہوتا دیکھ تیمور بے اختیار مسکرایا تھا۔

"کہیں بھی نہیں، بزی ہوں تھوڑا۔"

تم بزی ہو؟ اچھا اوکے، مجھے مال تک جانا تھا، ڈرائیور کو کہہ دیتی ہوں۔ وہ قدرے مایوس لہجے میں کہنے لگی

"نہیں، تم بس پانچ منٹ رکو، میں یہاں سے نکل رہا ہوں بس، صرف پانچ منٹ، پکا۔"

اوکے، ٹائیمر سیٹ کر رہی ہوں، آجاؤ۔ وہ مسکراتے ہوئے کہتے فون بند کر گئی۔

تیمور نمرہ کو آفس میں بلواتا، ہر چیز اس کے ذمے لگاتا اسے اپنے جانے کی اطلاع دیتا باہر نکل گیا اور نمرہ اسے جاتا دیکھ ہونہہ کر کے رہ گئی۔ وہ اس کا باس نہ ہوتا تو نمرہ اُسے اپنا روایتی جملہ ضرور کہتی، **ناکام کے ناکاج کے دشمن اناج کے۔** مگر اس کیس میں مسئلہ یہ تھا کہ وہ اناج کا ہولڈر تھا اس لیے اُسے کام کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔

****

حیدر کمرے میں داخل ہوا تو رات والی ناراضی کا نام و نشان نہیں تھا۔

کیا ہو رہا ہے بیگم؟، وہ خوش دلی سے سوال کر رہا تھا۔

"کچھ بھی نہیں انتظار کر رہی تھی بس"

میرا؟؟؟؟، حیدر نے اسے چھیڑنے کی کوشش کی،

اتنی اچھی قسمت نہیں ابھی آپ کی۔ وہ منہ بناتی آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی اور اس کا شوہر اسے دیکھتا مسکرانے لگا۔ بڑی بڑی چمکتی ہوئی آنکھیں، نازک جلد، ہلکی سی سرخی جو کمرے کی روشنی میں اور بھی کھل اُٹھی تھی۔ حیدر کو یاد تھا وہ ایک دفعہ جب اس

سے اسکی یونیورسٹی ملنے گیا تھا تو وہ دھوپ میں کھڑی کیسے چمک رہی تھی۔آج دھوپ نہیں تھی پھر بھی اس کی بیوی کی چمک میں کمی نہیں آئی تھی۔البتہ اضافہ ہی ہوا تھا۔

ماہین لمبے بالوں کو خفگی سے جُوڑے کی شکل دیتی وہ خود کو آئینے میں دیکھ بڑبڑا رہے تھی۔اُس نے ایک ہلکے رنگ کا شال اوڑھا ہوا تھا جو اُس کی شخصیت کو مزید دلکش بنا رہا تھا۔وہ حیدر کو نظر اُٹھا کر نہیں دیکھ رہی تھی اور وہ ماہین پر سے نظر نہیں ہٹا رہا تھا۔حیدر کو اُس کی بے رخی کی وجہ سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ناراض تو حیدر کو ہونا چاہیے تھا۔

تم میری نیکی کا صلہ ہو ماہین۔وہ اچانک کہتا مسکرانے لگا اور ماہین بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔

****

پروفیسر کی آواز گونج رہی تھی لیکن اشمل کی توجہ بالکل بھی اس طرف نہیں تھی۔اس کے دماغ میں فی الحال بس ایک ہی شخص تھا اور وہ تھا ساتھ بیٹھا نوفل۔اس کی نظریں مسلسل نوفل پر جمی ہوئی تھیں جو اس کے ساتھ بیٹھا تھا اور اشمل کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔بہت سوچنے کے بعد بالآخر اس نے کہنا شروع کیا

نوفل، مجھے تم سے بات کرنی ہے، مدھم آواز میں بولی

نوفل نے اس کی طرف متوجہ ہو کر سر ہلایا

"کیا بات ہے؟"

اشمل نے ایک لمحے کے لیے پروفیسر کی طرف دیکھا، جو ابھی تک لیکچر دے رہا تھا پھر وہ فوراً نوفل کی طرف متوجہ ہو گئی اور آہستہ سے کہا، میری دادی، وہ چاہتی ہیں کہ اب وہ میرا فرض ادا کر کے اپنی ذمہ داری پوری کر دیں، وہ آج کل میرے لیے رشتے تلاش کر رہی ہیں۔مجھے لگتا ہے کہ وقت آگیا ہے کہ ہم اپنی فیملیز۔۔۔۔۔ ،اشمل نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

یہ سن کر نوفل پھولے نہیں سما رہا تھا۔

میں آج ہی اپنے پیرنٹس سے بات کرتا ہوں، ڈونٹ وری۔ ،اس کو یوں خوش دیکھ اشمل کا دل اب پُر سکون تھا بھاری بوجھ اُتر گیا تھا۔ وہ وسوسے جو اُسے اتنے وقت سے تنگ کر رہے تھے اب دور ہو گئے تھے۔

زندگی کی ایک نئی راہ کھلنے والی تھی اور دونوں کو یقین تھا کہ اس سفر کا اختتام خوشگوار ہو گا۔

****

اس دن منسا کو یونیورسٹی سے پک کرنے تیمور خود آیا تھا، ڈرائیور نہیں۔ تیمور یونیورسٹی کے گیٹ کے قریب کھڑا تھا، آنکھوں میں چمک اور دل میں بے چینی کا ایک سمندر تھا۔ وہ اس کا انتظار کر رہا تھا جب منسا گیٹ کی جانب قدم بڑھاتی ہوئی نظر آئی۔ لیکن اس کے قریب ایک لڑکا کھڑا تھا جو نوفل ہی تھا، بلاشبہ وہ نوفل ہی تھا تیمور بے اختیار مُٹھیاں بھینچنے لگا۔ تیمور نے اس کو ایک ہی نظر میں پہچان لیا تھا وہ منسا سے کسی موضوع پر بات کر رہا تھا۔ نوفل کا چہرہ مسکراہٹ سے سجا تھا جبکہ منسا کے چہرے پر قدرے بے چینی کے آثار تھے، گویا وہ کسی بات پر پریشان تھی۔ نوفل نے بات کرتے کرتے منسا کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

تیمور کی نظریں اس منظر پر ٹکی ہوئی تھیں اور جیسے ہی نوفل نے منسا کے قریب قدم بڑھائے، تیمور کے دل کی دھڑکن مزید تیز ہو گئی۔ دل میں احساسِ کمتری کے جذبے کا رنگ پھر سے نمایاں ہوا تھا۔ نوفل ہی کیوں؟ اور وہ اس سے ایسی کیا بات کر رہا تھا جس کے لیے ہاتھ پکڑنا ضروری تھا؟ سوال بہت تھے جواب نہیں ملتے تھے بس۔ اس کے اندر ایک طوفان برپا تھا جو اس کے اندر سے پھٹ کر باہر آنے کو بے تاب تھا۔ اُس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ وہاں دونوں کے درمیان پہنچے، منسا کے قریب جائے، اور نوفل کو اُس سے دور کر دے۔ لیکن وہ کچھ نہیں کر رہا تھا، بس چپ چاپ اس منظر کو دیکھ رہا تھا ایک خاموش تماشائی کی طرح۔

وہ جانتا تھا کہ کچھ کر کے بھی وہ اس صورتحال کو اور زیادہ خراب کر دے گا۔

تیمور کا خون کھولنے لگا۔ مگر اس کی زبان جیسے گنگ ہو گئی تھی اور ہاتھ بے اختیار کمر کی طرف بندھے ہوئے تھے۔ اس کا دماغ تیز تیز کام کر رہا تھا لیکن وہ کچھ کر نہیں سکا کیونکہ منسا نے اُسے یہ اختیار نہیں دیا تھا۔ وہ منظر تیمور کے لیے ایک عذاب بن چکا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ اس وقت اگر اس نے کچھ بھی کیا تو منسا ناراض ہو جائے گی لیکن دل میں جو شعلہ بھڑک رہا تھا وہ اسے کسی بھی قیمت پر چین نہیں لینے دے رہا تھا۔

****

ڈائننگ ٹیبل پر مختلف قسم کے پکوان رکھے تھے۔ روٹی، پلاؤ، سبزی اور اس کے پسندیدہ سالن۔

نوفل مسکرا کر تھالی میں سے سالن نکال کر اپنی پلیٹ میں ڈالنے لگا۔

پاپا کی آواز ہنسی کے درمیان گونج رہی تھی وہ کسی بات پر چھیڑ چھاڑ کر رہے تھے جس پر سب ہنس پڑے۔ ماں نے پیچھے سے آ کر نوفل کی پلیٹ میں سلاد رکھتے پوچھا، کھانا اچھا لگا، بیٹا؟ ، نوفل نے مسکرا کر جواب دیا، سب کچھ بہت مزیدار ہے۔

نوفل نے اپنی بہن ایمان کی طرف دیکھتے کہا، یہ سالن تم نے بنایا ہے؟ بہت اچھا ہے

نہیں اتنا ٹائم نہیں ہوتا۔ وہ منہ بنائے بولی

سب کے چہروں پر مسکراہٹیں تھیں۔

ابو میں آپ سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔ بہت سی گردنیں اس کی طرف مڑیں۔ نوفل نے سر اُٹھایا۔ سب اس کی طرف متوجہ تھے۔

ابو میں یونیورسٹی میں ایک لڑکی کو پسند کرتا ہوں۔۔شادی کرنا چاہتا ہوں۔ ، چمچیوں کی آواز رک گئی مگر احسان صاحب کے اطمینان میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔

''ہاں تمہاری ماں نے بتایا تھا۔''

ابو اشمل بہت اچھی۔۔۔ ،وہ انھیں خاموش دیکھ وضاحت کرنے لگا مگر احسان نے ٹوک دیا،

میاں، بات یہ ہے کہ بچیاں سب ہی کی بہت اچھی ہوتی ہیں مگر ابھی تمہاری کوئی جاب نہیں ہے۔اور تم اپنے والدین کے رحم و کرم پہ ہو۔ایسے میں ساتھ ایک اور لڑکی کے خرچے کا بوجھ اُٹھانا ہمارے کندھوں کا کام نہیں ہے۔تمہاری جاب کسی کھاتے میں نہیں آتی۔ایسی جابز دیکھ کر کوئی اپنی بیٹی کا رشتہ نہیں دیتا۔''وہ نوفل کی خوش فہمی کو چند منٹوں میں دور کر گئے تھے۔

****

وہ ٹیرس پہ ہاتھ میں چائے کا کپ پکڑے دور آسمان کو دیکھ رہی تھی۔پرندے اپنے گھروں کی جانب لوٹ کر جا رہے تھے۔

کچھ یاد آجائے پر اُس نے کپ سائیڈ پر رکھا اور واک کرنے کی نیت سے اُٹھی۔ابھی مڑی ہی تھی کہ سامنے حیدر کھڑا دکھائی دیا۔

وہ اس کے سامنے سینے پہ ہاتھ باندھے اُسے دیکھ رہا تھا۔

وہ نظریں چُرا گئی۔

کیا ہے؟،وہ سرد مہری سے بولی

میرا بھی یہی سوال ہے۔وہ ترکی بہ ترکی بولا

وہ بنا اُسے دیکھے تیزی سے دہلیز پار کرنے لگی۔اس سے پہلے کے وہ چلی جاتی حیدر نے اُس کی کلائی تھامی اور وہ اپنا ہاتھ چھرانے کی نیت سے ٹھہر گئی۔

آئی ایم سوری۔ ،وہ منت کرنے والے انداز میں بولا،

پر تم تو کہہ رہے تھے تمہاری کوئی غلطی نہیں۔اس کی خفگی میں کمی نہیں آئی تھی۔

ہاں وہ تو نہیں ہے پر پھر بھی سوری۔اُسے حیدر پہ ڈھیروں غصہ آیا تھا۔

''مجھ سے بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

تم مجھے میری ایگو سے زیادہ عزیز ہو ماہین، اس لیے سوری بول رہا ہوں۔ وہ اس کی وضاحت پر مزید تپ گئی تھی مگر چپ رہی۔

اِٹس اوکے۔ کہتی وہ دہلیز پار کر گئی۔

ٹھیک دو گھنٹے بعد وہ کمرے میں اُس کے لیے کھانا لگوا رہا تھا۔

تم آئیں کیوں نہیں کھانے پہ سب ویٹ کر رہے تھے۔ وہ دروازہ بند کرتے بولا۔

مجھے بھوک نہیں ہے۔ وہ بری طرح اَپ سیٹ تھی۔

وہ ماہین کے قریب آتا گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

ماہین، آئی پرامس آئندہ تمہاری غلطی بھی ہو گی تو بھی میں منہ نہیں بناؤں گا۔ وہ آخری جملے پر بری طرح تلملائی۔

وہ دونوں ہاتھ ہوا میں بلند کیے معذرت خوانہ انداز میں ماہین کو دیکھ رہا تھا۔

ماہین نے رونا شروع کر دیا تھا اور اب وہ فکر سے بیٹھا اُس کے آنسو صاف کر رہا تھا۔ کچھ دیر بات وہ چپ ہو گئی تو اس نے ماہین کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا

''چلو اب کھانا کھاتے ہیں، ٹھنڈا ہو گیا ہے آل ریڈی۔''

اوکے۔ ماہین کا غصہ ٹھنڈا پڑنے لگا تھا۔

اب وہ اُس کے سامنے بیٹھا بے حد محبت سے نوالے بنا کر اُسے کھانا کھلا رہا تھا۔

****

وہ آدھی رات کو ہڑ بڑا کر اُٹھی۔خواب اتنا بُرا تھا کہ منسا کا حلق تک خشک ہو گیا تھا۔اُس نے بے اختیار سانس لینے کی کوشش کی۔

پاس لیٹی روبینہ نے ٹیبل پر پڑے گلاس میں سے پانی انڈیلتے ہوئے مڑ کر منسا کی طرف دیکھا

کیا ہوا بیٹا؟ ،انھوں نے پوچھا تو وہ جلدی سے چہرے پر آیا پسینہ پونچھنے لگی۔

کچھ نہیں تائی امی وہ بس۔۔۔ ،اس نے بے اختیار خشک لبوں پر زبان پھیری۔

روبینہ اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھے اُسے اپنی موجودگی کا احساس دلا رہی تھی۔اب وہ تائی کو کیا بتاتی کہ جب بھی وہ ایسا کوئی خواب دیکھتی تھی تو کچھ نہ کچھ بُرا ہو جاتا تھا۔آخری دفعہ جب اُس نے اس رات وہ خواب دیکھا تھا تو اُسے ماں باپ ایکسیڈینٹ میں مارے گئے تھے۔اس کی جھکی آنکھوں میں سوگوار سا رنگ دکھائی دیا تھا۔

****

وہ آئینے کے سامنے کھڑی خود کو دیکھ رہی تھی۔ایک پرانا منظر آنکھوں کے سامنے لہرایا۔

تمہاری تربیت بہت اچھی ہوئی ہے۔وہ اس کی ایک اسکول ٹیچر تھیں۔کسی اور بچے سے یہ جملہ کہا جاتا تو وہ خود کو آسمان کی بلندیوں کا چھوتا محسوس کرتا مگر یہ جملہ اشمل زبیر سے کہا گیا تھا۔جس نے اپنی تربیت خود کی تھی۔خود کو اچھے بُرے کی تمیز خود سکھائی تھی۔

وہ یہ سب میم بلقیس کو بول نہیں پائی تھی سو وہ شکریہ کہتی واپس اپنی جگہ پر آ بیٹھی تھی۔

دادی نے اگر تربیت کی ہوتی تو وہ اپنی تربیت پر کبھی شک نہ کرتیں۔انہیں اس دن اشمل کی بات کا یقین آ گیا ہوتا۔پر خیر۔

****

باب نمبر:12

ہر شخص کے دل میں ایک کونا چھپا ہے
جہاں خاموشی سے خوابوں کا پہرہ ہے
آنکھوں میں درد، لبوں پہ مسکراہٹ
انسان سب دکھاتا ہے سوائے دل کی حالت کے

ہر چہرہ ایک کہانی سناتا ہے مگر سچائیاں چھپاتا ہے
خوفوں کی گہرائی، محبت کی روشنی
سب کچھ اک نقاب میں سمویا ہوا ہے
آنکھوں میں دیکھو جو تم غور سے تو
ہر شخص بے شمار رویا ہوا ہے

کبھی خوشی کی دھوپ، کبھی غم کا سایہ
دوسروں سے پوشیدہ، اپنا دکھ بھلایا
دل کی گہرائی میں کس نے کیا دیکھا ہے؟
ہر زخم پر اے انسان تم نے کیا سیکھا ہے؟

کاش ہم کبھی سمجھیں کہ ہر چہرہ صرف ایک چہرہ نہیں
بلکہ ایک کتاب ہوتا ہے، وہ کتاب جو ہمیشہ کھولی نہیں جاتی

پھر ہم بھی دیکھیں گے ہر دل میں چھپی محبت کی کہانی کہ

کیسے ہر شخص اپنے رازوں میں ہنستا روتا ہے، جیتا مرتا ہے

یہ سچ ہے کہ ہر دل میں راز ہیں
جو کبھی لفظوں میں نہیں آتے
ہر شخص اپنے اندر کی دنیا میں
ایک مسافر کی طرح چھپتا ہے

اس لیے جب تم کسی کو دیکھو
صرف آنکھوں سے نہ جانچو
کیونکہ ہر شخص کے اندر ایک جہان ہے
جسے ہم کبھی مکمل نہیں سمجھ پاتے

ہر دل میں ایک چھپی ہوئی داستان ہے
جو زبان سے کبھی نہ کہی جائے گی
ہر چہرے کی مسکراہٹ کے پیچھے
ایک گہری خاموشی چھپائی جائے گی

دیکھنے والے بس سطح تک رسائی رکھتے ہیں
مگر اندر کی گہرائی کوئی نہیں جان پائے گا
ہر آنکھ میں ایک ساگر کی گہرائی ہے
جس میں سکون بھی ہے اور طوفان بھی

اعتبار کا آئینہ
از علیہا زاہد

ہر شخص کے اندر ایک دنیا آباد ہے

جہاں خواہشیں، خوف اور یادیں ساتھ چلتی ہیں

ہر قدم میں ایک ان کہی کہانی چھپی ہے

جو صرف دل کے اندر ہی سنی جاتی ہے

کبھی درد کی گونج، کبھی خوشی کا رنگ

ہر لمحہ ایک راز ہے، ہر شخص کو اپنی تلاش ہے

جو باہر سے نظر آتا ہے وہ کچھ اور ہے

مگر دل کے اندر جو ہے، وہ کچھ اور ہے

ہر شخص اپنے اندر ایک راز کی مورت ہے

جو کسی کو کبھی دکھائی نہیں دیتی

یہ راز اس کے اپنے ہیں

جو خود سے بھی اکثر چھپائے جاتے ہیں

غم بھلا سب کو کب بتائے جاتے ہیں

دیکھو، ہر کسی کی مسکراہٹ میں

کسی درد کا سایہ بھی چھپ سکتا ہے

ہر شخص کی خاموشی میں

کچھ کہانیاں بھی سنی جا سکتی ہیں

اس لیے جب تم کسی کا چہرہ دیکھو

تو یاد رکھو، ہر شخص رازوں سے بھرا پڑا ہے

جو نظر آتا ہے، وہ صرف ایک لبادہ ہے

جس کا سچ سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ

اصل حقیقت دل میں کہیں دور چھپی پڑی ہے

****

یار آپ جس کلر کے کپڑے پہنتی ہیں آپ کی آنکھیں بھی اُسی کلر کی لگنے لگتی ہیں۔وہ گرے سوٹ پہنے سر جھکائے اُس کے ساتھ بیٹھی لیکچر نوٹ کر رہی تھی۔

میری آنکھیں گرے ہیں۔اشمل نے تصیح کی۔

وہی نا آج گرے سوٹ پہنا ہے تو سرمئی لگ رہی ہیں ورنہ آپ کی آنکھوں کا اور یجنل کلر تو ہیزل گرین ہے نا۔اشمل کو اس کا کانفیڈینس دیکھ کر حیرانی ہوئی تھی۔

آپ تھوڑے سے کلر بلائنڈ ہیں کیا؟''اشمل نے بہت ضبط سے بے حد نپے تلے الفاظ میں پوچھا تھا۔اور نوفل کو خاص فرق محسوس نہیں ہوا تھا کہ اس نے کتنی احمقانہ بات کی تھی۔

****

نوفل کھانے کے بعد اپنے ماں باپ کے کمرے کی طرف آرہا تھا قدموں میں کچھ ہچکچاہٹ تھی۔

دروازے کے قریب پہنچ کر وہ رکا۔دروازہ آہستہ سے کھٹکھٹا کر وہ اندر بڑھ گیا۔

دل بے چین تھا لیکن اب یہ باتیں ضرور کرنا ضروری تھا۔ مریم نے مسکرا کر کہا "آؤ نوفل "نوفل نے آہستہ سے قدم آگے بڑھائے اس نے کبھی بھی اس بارے میں مریم کے علاوہ کسی سے کھل کر بات نہیں کی تھی۔

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا، امی ابو مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔

احسان صاحب نے سر اُٹھایا، میرا خیال ہے ہم اُس لڑکی کے بارے میں بات کر چکے ہیں۔

آپ اس کی بات تو سن لیں، مریم نے بالآخر کہا اور کمرے میں سناٹا طاری ہو گیا۔

کہو برخوردار۔ وہ عینک آنکھوں سے ہٹائے اُسے مخاطب کر رہے تھے۔

نوفل کا دل جیسے ایک لمحے کے لیے رک گیا تھا۔ اس کے دماغ میں الفاظ الجھ گئے تھے۔

میں نے اشمل سے بات کی ہے وہ اپنی دادی کو منا لے گی۔ اور اگر آپ لوگ مجھے اس بات کا موقع نہیں دیں گے، تو میں ہمیشہ خود کو ملامت کروں گا کہ میں نے اپنے محبت کھو دی۔ وہ منت کرنے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔

ہم تمھیں کبھی اس بات سے روکنا نہیں چاہتے تھے، کہ تم اپنی پسند کی شادی کرو نوفل۔ لیکن زندگی میں بعض فیصلے تباہ کن بھی ہو سکتے ہیں۔ ان کے اور ہمارے اسٹیٹس میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اب احسان صاحب کو کون بتاتا کہ وہ شاہ خاندان کا حصہ بننے کے لیے ہی تو مرا جا رہا تھا۔ مریم نے اُسے اشارے سے جانے کا کہا، اُسے پتا تھا اس کی ماں اس کے باپ کو اس رشتے کے لیے راضی کر لے گی۔ وہ بے دلی سے قدم اُٹھاتا دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ جسے اشمل محبت سمجھ رہی تھی وہ نوفل احسان کے لیے صرف ایک شارٹ کٹ تھا۔

اس کے پیرنٹس اپنی جگہ ٹھیک تھے، اتنے بڑے خاندان سے رشتہ جڑ جانا کوئی آسان بات نہیں تھی۔

اس کے دماغ میں کئی سوالات اور خیال آرہے تھے مگر ان سب کا کوئی واضح جواب نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ جو بھی ہو اسے اپنے فیصلے پر قائم رہنا ہوگا۔ اشمل سے اس کا تعلق فقط ایک دوستی کی حد تک نہیں تھا، وہ اشمل سے محبت کرتا تھا۔ یاں کم از کم ایسا نوفل نے اشمل کو بتا رکھا تھا۔

اسی لمحے اُسے اشمل کا خیال آیا وہ اُسے ٹیکسٹ کرنے لگا۔

نوفل نے انگلش میں ٹائپ کیا، پانچ منٹ تک کال کر لوں؟ کچھ بات کرنی ہے۔

فون کی اسکرین پر تین نقطے چمکے۔ "شیور۔" اشمل کا جواب آیا

نوفل نے مسکرا کر فون رکھا۔ اگر وہ اپنے اشمل سے شادی کے فیصلے پر مضبوطی سے کھڑا رہ سکا، تو شاید وہ سب حاصل کر لے گا۔ اس نے اپنی زندگی کے ایک اہم ترین فیصلے کے بارے میں والدین کو آگاہ کر دیا تھا اور اب وہ اس فیصلے کے نتائج کا سامنا کرنے کے لئے تیار تھا۔

نوفل کال پر اشمل کو کچھ منٹ پہلے کی روداد سنا رہا تھا جب اس نے اپنے گھر والوں سے اپنے اور اشمل کے رشتے کی بات کی تھی۔ فون کی دوسری طرف اشمل کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ تجسس سے دم سادھے نوفل کو سن رہی تھی۔

اور پھر جب میں نے کہا کہ اشمل مجھے محبت ہے اور ہم ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتے ہیں، تو ان کی آنکھوں میں وہ تاثر تھا جو کبھی پہلے نہیں دیکھا تھا۔ وہ بہت خوش ہوئے، نوفل نے جھوٹ بولا

پھر؟ پھر کیا کہا انھوں نے؟، اشمل کی آواز چہکی تھی۔

"پھر وہ بس خاموش ہو گئے، کچھ لمحے کی خاموشی کے بعد، اماں نے کہا اگر تم دونوں خوش ہو تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔"

اشمل کا دل تیز تیز دھڑک رہا تھا۔

نوفل، تمہارے گھر والے اتنی جلدی مان گئے؟ ٹھیک کہا تھا تم نے۔ اس دن نوفل اُسے اپنے قول کا اور بھی زیادہ پکا لگا تھا۔

ٹولڈیو۔ وہ شانے اچکائے بولا۔

****

ایک ہفتہ قبل

وہ ٹرے اُٹھائے ڈائننگ ہال میں آئی۔ نیلا سوٹ پہنے، کندھوں پہ دوپٹہ پھیلائے وہ سنجیدگی سے وہاں آ بیٹھی۔ روبینہ نے محبت بھری نظروں سے اُسے دیکھا تو جواباً وہ بھی مسکرائی۔ تیمور وقفے وقفے سے اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔ کھانے کی ٹیبل پر شیشے کے برتنوں کے ٹکرانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

میں پاکستان سے باہر پڑھنے جانا چاہتی ہوں۔ اس نے بغیر کسی تمہید کے کہا۔ برتنوں کی آواز رک گئی تھی۔ تینوں نے سر اُٹھا کر منسا کو دیکھا تھا۔

مجھے لگتا ہے کہ مجھے یہ ملک چھوڑ دینا چاہیے... کچھ عرصے سے میں سوچ رہی ہوں کہ شاید یہ وہ جگہ نہیں جہاں مجھے اپنی زندگی کا اگلا باب شروع کرنا چاہیے۔ وہ نظریں جھکائے کہہ رہی تھی۔

یہ الفاظ جیسے کمرے میں ایک گہرا سکوت لے آئے تھے۔ فرقان صاحب نے آہستہ سے کہا، منسا، بیٹا یہ بات اچانک کہاں سے آ گئی؟ تم ہمیں بتاؤ کوئی بات ہوئی ہے؟ کوئی مسئلہ ہے تو ہم مل کر حل کر لیتے ہیں۔ روبینہ اور تیمور اس کی طرف اب بھی متوجہ تھے۔ وہ جانتی تھی دونوں اس کی ہر بات پر راضی ہو جاتے تھے ان کا دل کبھی بھی اس کے فیصلوں کے خلاف نہیں ہوتا لیکن یہ فیصلہ بہت بڑا تھا اور اس کا اثر نہ صرف اس کی زندگی پر بلکہ ان کے رشتے پر بھی پڑنے والا تھا۔

میں تھک گئی ہوں، تایا ابو۔ یہاں کی زندگی، ماں بابا کی یادیں، اس تنہائی نے مجھے بے سکون کر دیا ہے۔ میں ہر دن خود کو ایک اجنبی کی طرح محسوس کرتی ہوں۔ کبھی کبھی لگتا ہے کہ میں یہاں ہوں خوش ہوں، لیکن ادھر سے واپس گھر جا کر اندازہ ہوتا ہے کہ اب تو نہ زندگی میں خوشی بچی ہے نہ گھر تو جب خوار ہی ہونا ہے تو کسی انجان ملک میں کیوں نہیں۔ منسا مایوسی سے بولی

تائی نے آہستہ سے اس کا ہاتھ تھاما اور اسے خود کے قریب کرتے بولیں، منسا، یہ تمہاری زندگی کا فیصلہ ہے، اور ہم ہمیشہ تمہارے ساتھ ہیں۔ لیکن میرا بچہ اللہ گواہ ہے میں نے تمھیں اپنی سگی بیٹی کی طرح چاہا ہے ہمیشہ، اگر میری اپنی کوئی بیٹی ہوتی تو بھی مجھے اس سے منسا جتنی محبت نہ ہوتی، باقی تم جیسا چاہو گی ویسا ہی ہو گا۔

ہر جگہ کا اپنا دکھ ہوتا ہے، اپنی مشکلات اور چیلنجز ہوتے ہیں۔ تایا فرقان بولے۔

منسا نے ایک لمحے کے لیے تیمور کی طرف دیکھا جو اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں ویران تھیں، ہر قسم کے جذبے سے عاری۔ تیمور جانتا تھا وہ ظالم تھی منسا خود بھی جانتی تھی کہ وہ سامنے بیٹھے انسان پہ بہت ظلم کرتی تھی۔ "مجھے پتہ ہے، تایا۔ مجھے بس یہ لگتا ہے کہ کہیں اور جا کر شاید میں وہ سکون حاصل کر سکوں جو یہاں نہیں ملا۔" وہ واپس ان کی جانب رخ موڑے کہہ رہی تھی۔

تایا نے مسکرا کر کہا، جہاں بھی جاؤ بس یہ یاد رکھو کے یہ گھر تمہارا ہے۔

زخم کا ایک نشان بھی زندگی کی سمت بدلنے کے لیے کافی ہوتا ہے اور اس کے قدموں کا ہر ایک نشان اس کی زندگی کی سمت بدلنے والا تھا۔

کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ ، تایا نے سوال کیا، جیسے وہ اس کے فیصلے میں مزید مدد کرنا چاہتے ہوں۔

منسا نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور پھر آہستہ سے کہا

"یورپ"

منیبہ تیمور کی طرف سویٹ ڈِش بڑھا رہی تھی مگر تیمور کا حلق تک کڑوا ہو چکا تھا۔
"مجھے مزید بھوک نہیں ہے۔"

وہ نیپکن ایک طرف رکھ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔اور تیز تیز قدم اُٹھاتے باہر نکل گیا۔

وہ شام وہ رات اور اُس سے اگلی صبح بہت مشکل تھی۔وہ لمحے بھر کے لیے سو نہیں سکا تھا۔نیند کی گولیاں کام نہیں کر رہی تھیں۔ ساری رات وہ بستر پر کروٹیں بدلتا رہا تھا مگر سکون کا ایک لمحہ نصیب نہیں ہوا تھا۔مستقبل ایک اندھیری کھائی میں گرتا نظر آ رہا تھا ۔اُسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس سے بات کرے۔وہ پاکستان سے چلی جائے گی تو تیمور کیسے رہے گا اُس کے بنا۔ تیمور کو تو اُسے دیکھے بنا چین ہی نہیں ملتا تھا۔وہ اضطراب کے مارے یہاں سے وہاں چکر کاٹ رہا تھا۔

****

ماہین باتھ روم سے نکلی تو دروازہ کھولتے ہی اس کی نظر سیدھی بیڈ پر بیٹھے حیدر پر پڑی۔حیدر ایک ہاتھ میں ماہین کا فون پکڑے اسکرین پر نظریں مرکوز کیے لیٹنے کے انداز میں بیٹھا تھا۔وہ فون کے پاس کوڈ کو کھولنے کی کوشش کر رہا تھا شاید۔
ماہین کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔وہ ہڑبڑا کر آگے بڑھی اور حیدر کے ہاتھ سے فون جھپٹ لیا۔

تم نے اپنا پاس کوڈ کیوں چینج کر لیا؟ ،اس نے سرسری انداز میں پوچھا۔

ماہین کا دل فوراً اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔اس کی سانسیں بے ترتیب ہو گئیں جیسے اس کا کوئی راز کھل کر سامنے آ گیا ہو۔

ک۔۔۔کیا؟ ،وہ حیرت اور غصے کے ملے جھلے جذبات سے بولی

میں نے پوچھا کیوں چینج کیا؟ کچھ چھپانے کی کوشش کر رہی ہو؟ ،وہ بے حد سنجیدہ تھا۔

ماہین کا دماغ چکر کھا گیا تھا۔ جسم ایک لمحے کے لیے جامد ہو گیا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ کیسا ردِ عمل دے۔

تم مجھ پہ شک کر رہے ہو؟،وہ تیزی سے بولی۔

حیدر نے فون کی اسکرین کی طرف دیکھتے جتانے والے انداز میں کہا، یہ فون میرا نہیں لیکن اس میں شاید تمہاری کچھ ایسی چیزیں ہیں جنہیں تمھیں چھپانے کی کوشش کرنی پڑتی ہے۔ یہ بات سن کر ماہین کے ہاتھ کانپے تھے۔ کوئی لمحے بھر کے لیے روح قبض کر گیا تھا۔

تمہیں ضرورت ہے میرا فون چیک کرنے کی؟ سیریسلی؟،وہ بے یقینی سے بولی

حیدر نے فون کو ہاتھ میں لے کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا، نہیں مجھے ضرورت نہیں ہے پر مجھے وجہ سمجھ نہیں آئی کہ تم نے پاس ورڈ کیوں بدلا؟ تم کچھ تو چھپانے کی کوشش کر رہی ہو نہیں؟ ،وہ سپاٹ انداز میں بولا

وہ کچھ نہیں بول سکی۔ اس کی پوری دنیا چند لمحوں میں ہلنے والی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ حیدر کا سوال بے بنیاد نہیں تھا۔ وہ کچھ جانتا تھا اور اب اس نے ماہین کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تھا۔

ماہین کا دل دھڑک رہا تھا لیکن اس نے اپنی آواز میں غصے کا عنصر زیادہ بڑھا دیا، تمہیں کسی بات کی فکر نہیں کرنی چاہیے، حیدر! بس اپنا کام کرو اور مجھے میرے حال پہ چھوڑ دو۔

حیدر نے فون اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا" یہ نہ سمجھو کہ میں کچھ نہیں جانتا۔" پھر اس نے اس کی طرف مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا، "اب مجھے بتاؤ، ماہین کیونکہ مجھے پوری بات تمہارے منہ سے سننی ہے۔" ماہین کو لگا کسی نے اُس کے پیروں تلے سے زمین کھینچ لی تھی۔ ایک لمحے کو اس کا دل چاہا وہ سب سچ بتادے مگر۔۔۔۔۔۔ دماغ میں ایک بار پھر وہ خوف اور شرم چھا گئی تھی جس کا اس نے کبھی سامنا نہیں کیا تھا۔

حیدر تم پاگل ہو گئے ہو؟، وہ بری طرح تلملائی تھی

حیدر نے اس کی طرف ایک لمحے کو دیکھا پھر کچھ کہے بنا بے پرواہی سے اپنا فون ایک طرف پھینک دیا۔

اس لمحے کا سچ یہ تھا کہ اس کا راز اب حیدر کے قریب آچکا تھا، اور وہ جانتی تھی کہ اس کا اگلا قدم کیا ہو گا۔ کیا وہ حقیقت جان پائے گا، یا ماہین اسے مزید چھپانے میں کامیاب ہو گئی تھی؟ سوالوں کا سلسلہ تھمنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔
اس نے ماہین کی بے چین اور غصے سے بھری ہوئی حالت کو دیکھا اور پھر اچانک اس کے چہرے پر ایک دلکش مسکراہٹ پھیل گئی۔
وہ فون کو واپس ماہین کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے بولا" سوری۔ پرینک کر رہا تھا۔" ماہین نے اُسے کھینچ کر تھپڑ دے مارا تھا جس کا اُس نے بالکل مائینڈ نہیں کیا تھا۔

جانِ من دوسرا گال بھی آگے کر دوں؟" وہ اُسے منانے کی کوشش کر رہا تھا۔"

یہ کوئی مذاق کی بات نہیں تھی۔ وہ بہت اَپ سیٹ تھی۔

آہ۔۔ تمہارا چہرہ دیکھنے لائق تھا۔ وہ اب ماہین کو ساتھ لگائے ہنس رہا تھا۔ جبکہ ماہین اُس ٹرانس سے باہر نہیں آئی تھی۔
ایک طرف حیدر کا نرم، محبت بھرا رویہ تھا اور دوسری طرف وہ حقیقت جس نے اسے ایک لمحے کے لیے بے نقاب کر دیا تھا۔

خوف اور گلٹ کی ملی جلی کیفیت کے باعث اُس نے رونا شروع کر دیا تھا۔اور وہ ایک ہی لمحے میں بے حد پریشان ہو گیا تھا۔

حیدر اب اس کی گردن پر اپنی ٹھوڑی ٹکائے کہنے لگا

اچھا آئی ایم سوری، تم بس ناراض نہ ہو، ماہین! اور مجھے تمہارا فون چیک کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میں تمھیں اچھے سے جانتا ہوں۔

اور ماہین کو لگا کسی نے اس کے منہ پہ کھینچ کے تھپڑ دے مارا تھا۔وہ اُسے جانتا ہی کہاں تھا۔حیدر شاہ کو یہ خوش فہمی تھی کہ وہ اپنی بیوی کو اچھی طرح جانتا تھا جبکہ حقیقت اس کے برعکس تھی۔

مجھ سے بات مت کرنا اب۔وہ خفگی سے بولی

حیدر نے اس کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر نرمی سے کہا، ماہین، تم اتنا سرئیس کیوں ہو رہی ہو؟ مزاق کر رہا تھا میری جان۔

حیدر نے مزید کہا

آئندہ نہیں کرتا آئی پرامس ،اس کی آواز میں اب کی بار گلٹ تھا۔

،ماہین نے اس کے سامنے اپنی آنکھیں جھکائیں، اور پھر گہری سانس لے کر کہا، تمہارا مذاق تمہارے لیے خوشی کا باعث ہو سکتا ہے حیدر، مگر میں... میں، چھوڑو تم نہیں سمجھو گے

"کیوں نہیں سمجھوں گا؟"

"کیوں کہ تم میری جگہ پہ نہیں ہو حیدر۔"

"تمھاری جگہ پہ نہیں ہوں تو کیا ہوا؟ دل میں تو ہوں ناں۔"

ماہین نے ایک آخری بار حیدر کی مسکراہٹ کو دیکھا اور دل میں ایک ٹیس اُٹھی لیکن وہ کچھ نہ بول سکی۔

حیدر نے ایسا پرینک کیوں کیا؟ کیا واقعی حیدر کچھ نہیں جانتا؟ وہ ان دو سوالوں میں الجھ کر رہ گئی۔

حیدر نے ماہین کی خاموشی محسوس کی۔
"کچھ کہو گی نہیں؟ میں جانتا ہوں کہ تمہیں برا لگا، لیکن میری ایسی نیت نہیں تھی یار۔"

مجھے لگا تم مجھ پہ شک کر رہے ہو حیدر۔ وہ اب کی بار بے حد دھیرے سے بولی۔

حیدر نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اپنی طرف کیا، ماہین، آئی سویئر میں تم پہ شک نہیں کر رہا تھا اور نہ کبھی کر سکتا ہوں اس نے کہا اور پھر اپنا فون ماہین کی طرف بڑھاتے نرم لہجے میں بات جاری رکھی
بیگم میں نے کبھی اس پر سے آپ کی فیس آئی ڈی ہٹائی نہیں اور وہ صرف اس لیے کیونکہ اس چہرے سے مجھے سب سے زیادہ پیار ہے۔ ورنہ میں نے تم پہ ہر لحاظ سے ہمیشہ اندھا اعتبار کیا ہے ماہین، میں خود پہ شک کر سکتا ہوں میری جان تم پہ نہیں۔ ماہین کو ندامت ہوئی۔ وہ حیدر کو سچ نہیں بتا سکتی تھی۔

ماہین نے کچھ دیر بعد کہا، لیکن میں تمہارے ایسے فضول پرینکس کو کو مزاق نہیں سمجھ سکتی حیدر۔ تمہاری ہر حرکت میں، میں کچھ نہ کچھ تلاش کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ اور جب ایسا کچھ سامنے آجائے جسے میں نہ سمجھ سکوں، تو مجھے برا لگتا ہے۔
ماہین کے اندر ایک خوف تھا کہ کہیں۔۔۔ اُف اسے یہ سب نہیں سوچنا چاہیے۔

میرا بی پی ہائی نہ کروایا کرو، حیدر، وہ آہستہ سے کہتی آنسو پونچھنے لگی۔

حیدر نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا
''بس بھی کرو اب سوری بول بول کہ میرا منہ درد کرنے لگ گیا ہے اب ماہین۔"
ماہین نے اُسے نظر اُٹھا کر دیکھا جو اب اس کے مسکرانے کا انتظار کر رہا تھا۔

****

منسااور تیمور نے قدم اس بک اسٹور میں رکھا ہی تھا کہ ان کی نظریں نوفل پر پڑیں، جو ایک کونے میں کھڑا کتابوں کے ایک بڑے ڈھیر میں غرق تھا۔ منسا کا دل ایک پل کے لیے رکا اور پھر اس کی آنکھوں میں ایک خوشگوار حیرت دوڑ گئی۔ اس نے فوراً نوفل کو پہچان لیا اور مسکرا کر نوفل کی جانب قدم بڑھائے۔

نوفل! ، منسا نے نرم لہجے میں پکارا۔

نوفل نے دھیرے سے سر اٹھایا اور اس کے لبوں پر ایک بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

منسا! تم یہاں؟ ، نوفل نے پوچھا\

تیمور دور کھڑا اب نوفل کو وہاں منسا کے ساتھ دیکھ کر خود کو بے وقعت محسوس کر رہا تھا۔

کیا کر رہا ہے یہ یہاں؟ ، تیمور نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ فوراً نوفل کو یہاں سے اٹھا کر باہر پھینک دے۔

آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟ ، وہ نوفل سے سوال کر رہی تھی۔

نوفل نے نظریں جھکاتے ہوئے کہا

"بس کچھ کتابیں دیکھ رہا تھا، کبھی کبھی یہاں آتا ہوں۔"

تیمور کو اگر منسا کی ناراضی کی پرواہ نہ ہوتی تو وہ اس لنگوڑ کو یہیں زمین میں گاڑھ دیتا۔ لیکن تیمور ایسی کوئی حرکت افورڈ نہیں کر سکتا تھا جس سے منسا ناراض ہو جاتی۔

تیمور کے سیاہ بال ہموار تھے چہرے کی درست شیو اور چمکدار جلد میں کوئی بھی بے ترتیبی دکھائی نہیں دیتی تھی۔
گہرے رنگ کے سوٹ میں ملبوس اس شخص کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ساری دنیا کو آگ لگا تھے۔ وہ ناچاہتے ہوئے بھی احساسِ کمتری کا شکار ہوا تھا۔ کیا تھا نوفل میں جو منسا کو تیمور میں نظر نہیں آتا تھا۔

اس کے برعکس نوفل نے ایک سادہ سی نفیس رنگ کی شرٹ پہنی ہوئی تھی جو ہلکے نیلے رنگ کی تھی اور اس کے ساتھ گہرے رنگ کی جینز نے اس کے انداز کو مزید آرام دہ بنایا تھا۔ شرٹ کے کالر کو اس نے بالکل ٹھیک طرح سے ایڈجسٹ کر رکھا تھا۔

اس کے بال قدرے بے ترتیب تھے۔ جیسے وہ قدرتی انداز میں بڑھتے جا رہے ہوں، اور جب وہ حرکت کرتا، تو اس کے بالوں کی لٹیں ہلکی سی ہوا میں لہراتی رہتیں۔ اس کا پورا حلیہ بے ساختہ سا تھا لیکن اس کی سادگی میں ایک خاص کشش تھی۔ کم از کم منسا کو ایسا ہی لگتا تھا۔ اس کا انداز کسی ایسے شخص کا تھا جو اپنے ارد گرد کے ماحول میں گھل مل جانے کی بجائے، اس میں رہ کر بھی اپنے آپ کو بے تکلفی سے ظاہر کرتا ہو۔

تیمور اب ان دونوں کے پاس آ کھڑا تھا۔ وہ نوفل کی طرف رخ کرتے ہوئے بولی

نوفل، یہ میرا کزن تیمور ہے، بہت ہی ذہین اور کامیاب شخص اور میرا بیسٹ فرینڈ بھی۔ تیمور نہ چاہتے ہوئے بھی آخری بات پر مسکرا دیا تھا۔
"تیمور، یہ نوفل ہیں، بہت اچھے سنگر اور بہت نفیس شخصیت کے مالک ہیں۔"
(ہاں نفاست کا اندازہ تو بالوں کے گھونسلے کو دیکھ کر ہو گیا ہے) تیمور دل میں کہتا بظاہر بس سر ہلا کر رہ گیا

نوفل نے فوراً اپنا قدم آگے بڑھایا اور اپنے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ تیمور کی طرف ہاتھ بڑھایا جسے تیمور نے تھام لیا

"آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی، تیمور صاحب۔ منسا کی باتوں سے آپ کی شخصیت کا پتا چلتا ہے۔"

نوفل تیمور سے بے حد امپریسڈ ہوا تھا اور یہ بات اس کے چہرے پر موجود تاثرات چلا چلا کر بیان کر رہے تھے۔ تیمور نے اُسے ٹیلنٹڈ بول کر اُسے اپنے آفس میں کام کرنے کی آفر دی تھی اس آفر کو نوفل نے خوش دلی سے قبول کیا تھا۔اب وہ تیمور سے ہاتھ ملاتا اس کے آفس کا کارڈ تھامتا بک اسٹور سے باہر نکل گیا۔اُس نے منسا سے ملنا تو دور اس کی طرف دوبارہ دیکھا تک نہیں تھا۔

تم اس کو تھوڑی دیر اور روک سکتے تھے۔وہ نوفل کو جاتا دیکھ بولی

کیوں؟،وہ اب پوچھ رہا تھا

میں آج پیاری نہیں لگ رہی؟ ، تیمور کو اس سوال کی توقع نہیں تھی

تم ہمیشہ ہی بہت پیاری لگتی ہو۔اس نے بے ساختہ کہا

نوفل جب جب میری طرف دیکھنا بند کرتا ہے، مجھ پر سے نظر ہٹاتا ہے تو مجھے میں بھی اچھی نہیں لگتی۔ مجھے لگنے لگتا ہے میں دنیا کی سب سے بدصورت لڑکی ہوں۔وہ زخمی انداز میں بولی تو تیمور کے دل کو بھی کسی نے مُٹھی میں جکڑ لیا۔

ایک شخص اُس کے پیچھے مرا جا رہا تھا اور ایک شخص کے پیچھے وہ مری جا رہی تھی۔کوئی اُسے حاصل کرنا چاہتا تھا اور کسی کو وہ پانا چاہتی تھی۔کوئی اُسے سننا چاہتا تھا تو کسی کو وہ اپنی باتیں سنانا چاہتی تھی۔

تم اگر اس کی وجہ سے پاکستان چھوڑ کر جا رہی ہو تو مت جاؤ۔تم جیسا کہو گی وہ ویسا ہی کرے گا۔وہ مذاق نہیں کر رہا تھا۔

میں اس کو منالوں گا۔تم اُسے پسند کرتی ہو تو وہ تم سے شادی بھی کر لے گا۔منسا کو لگا وہ مذاق کر رہا تھا۔

محبتوں میں زبردستیاں نہیں کی جاتیں۔تیمور نے ہلکا سا سر کو خم دیا۔وہ یہ بات بتا بھی کس کو رہی تھی۔

****

باب نمبر:13

کوئی انسان مکمل نیک نہیں ہوتا
کچھ نہ کچھ کسر سب میں چھپی ہوتی ہے

دلوں میں خواہشوں کا طوفان ہوتا ہے
کبھی سچ بولنا مشکل ہوتا ہے

کبھی اپنے آپ سے بھی ہم ہار جاتے ہیں
کبھی راستوں پر دھند کی چادر ہوتی ہے

نیک رہنا بس ایک خواہش ہے دل میں
مگر انسان کی ہر خواہش پوری تھوڑی ہوتی ہے

کسی کی مسکراہٹ میں غم چھپتا ہے
کسی کی خاموشی میں راز ہوتا ہے

یہ سب کا انسان ہونا ہی عجیب ہے
ہر کسی کے اندر ایک جنگ ہوتی ہے

پھر بھی ہمیں کوشش کرنی چاہیے
کہ کم سے کم اپنے صدقِ دل پہ توجہ دیں

یہ جو انسانی دل ہے، پیچیدہ بہت ہے
کبھی امیدوں کا ساگر، کبھی خوف کا پہاڑ ہے

نیک ہونے کی جستجو میں، ہم راستے بھول جاتے ہیں
کبھی چھوٹے گناہ، کبھی بڑے جرم ہو جاتے ہیں

دوسروں کے دکھ میں خود کو ڈھونڈتے ہیں
پھر بھی اپنے غموں سے غافل رہنا مشکل ہوتا ہے

کامیابیوں کی دھوپ میں، کبھی چاند کی تلاش ہوتی ہے
پھر بھی دل میں کہیں، ایک کمی کی چھاؤں ہوتی ہے

نیکیاں ہماری شناخت بن سکتی ہیں
لیکن ہر انسان میں کچھ کمزوری بھی تو ہوتی ہے

دوسروں کی عیب جوئی کرنے سے بہتر ہے
کہ تُم اپنی شخصیت کی اصلاح پر توجہ دو

یہ جو انسان ہے، اس کا دل ہمیشہ متنازع ہوتا ہے
کبھی محبت کا پلڑا بھاری، کبھی نفرت کا بوجھ زیادہ ہوتا ہے

دیکھو، اچھائی کی راہ میں ایک دوراہا آتا ہے
کبھی سچ بولنا مشکل، کبھی خاموشی کا فائدہ ہوتا ہے

ہر انسان میں ایک ماضی چھپتا ہے
جو کبھی خوشی، کبھی دکھ کا دریا ہوتا ہے

کسی کا دل نرم ہوتا ہے، کسی کا پتھر بن جاتا ہے
ہم سب کی تقدیر میں ایک دکھ کا عنصر ہوتا ہے

پھر بھی ہم سب میں ایک خواہش جوتی ہے
کہ ہم اچھے ہوں، سچے ہوں، اور دلی سکون ہو

لیکن کیا تم نے کبھی سوچا ہے؟
یہ جو نیک بننے کی تڑپ ہے، وہ اندر کی جنگ ہوتی ہے؟

یہ جو کمال کا خواب ہم دیکھتے ہیں
اس کی تکمیل میں، ہم خود کو بھی تو کھو دیتے ہیں

کوئی انسان مکمل نیک نہیں ہوتا
یہ سچ ہے، مگر اس سچ کو سمجھنا بھی ایک فن ہوتا ہے

پھر بھی، نیکی کی کوشش میں، جو انسان تمہارا دل جیت لیتا ہے

وہ انسان، خود سے نہ سہی کم از کم تم سے سچا ہوتا ہے

****

اگلی دوپہر سورج کی کرنیں نرم نرم زمین پر پڑ رہی تھیں۔ وہ بے چین قدموں سے دوڑتی حبا کے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ وہ مشغول سی فون پر نظریں جمائے آگے بڑھی اور ماہین سے جا ٹکرائی۔ فون فرش پر جا گرا تھا اشمل نے سر اُٹھا کر ماہین کی طرف دیکھا جو اشمل کا فون گر کر ٹوٹ جانے پر کچھ پریشان سی ہوئی۔

ماہین جو شاید اپنے کمرے سے باہر جا رہی تھی بے دھیانی سے اشمل کے راستے میں آگئی تھی۔ ماہین کے ہاتھ میں موجود چائے کا کپ بھی تھوڑا سا لرز گیا تھا۔

اشمل کا فون پہلے ہی کسی بھی لمحے مکمل طور پر ناکارہ ہونے کے قریب تھا مگر ماہین سے ٹکرا کر گرنے کے باعث فون اب پہلے سے زیادہ خستہ حال ہو گیا تھا۔ اسکرین پر دراڑیں بڑھ گئی تھیں جیسے کسی نے آئینے پر پتھر دے مارا ہو۔

ماہین نے اشمل کے ردِ عمل کا انتظار کیا مگر جب وہ کچھ نہ بولی تو چند لمحے کی خاموشی کے بعد ماہین بولی

سوری! میری وجہ سے تمہارا فون خراب ہو گیا، کہتے فرش پر گرے فون کو دیکھا۔

اشمل کی آنکھوں میں جھنجھلاہٹ یا ناراضگی کا کوئی تاثر نہ تھا وہ بے تاثر چہرہ لیے ماہین کو دیکھ رہی تھی۔ ان باتوں کا اب فائدہ نہیں تھا ۔ٹوٹنے والی چیز ٹوٹ گئی تھی۔

بھابھی، کوئی بات نہیں، وہ بس اتنا ہی کہہ پائی۔،

اس کے بعد بغیر کسی مزید تبصرے کے اشمل قدم بڑھاتی ہوئی آگے بڑھ گئی اس وقت اُسکی زندگی میں فون سے زیادہ ضروری چیزیں تھی ابھی اُسے اپنے ٹوٹے فون کا ماتم نہیں کرنا تھا۔ لیکن فون اس کی زندگی کی پریشانیوں کی لسٹ میں شامل ہو گیا تھا۔ اُسے بُرا لگا تھا مگر بھابھی کی غلطی نہیں تھی اُسے دیکھ کر چلنا چاہیے تھا۔ خیر۔ یہی وجہ تھی کہ وہ خاموشی سے آگے بڑھ گئی۔ فون کی اس حالت کو دیکھ کر اشمل کو تھوڑی پریشانی ہوئی مگر اس لمحے میں وہ کسی اور بات کو اپنی زندگی پر حاوی نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔

اشمل نے دروازہ کھٹکھٹایا اور اندر قدم رکھا۔ حبا اشمل کو آتا دیکھ مسکرائی۔

اشمل حبا کے ساتھ بیٹھتی بولی، نہیں، بس کچھ بات کرنی تھی۔

کیا ہوا؟ کوئی پریشانی ہے؟ ، حبا نے نرمی سے پوچھا۔

نوفل کے ساتھ ہونے والی گفتگو کا خیال ذہن میں آیا تھا۔

اشمل نے حبا کو ایک گہری نگاہ سے دیکھا اور پھر ایک لمحے کی خاموشی کے بعد کہا، شاید، حبا میں اور نوفل ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔

ہاں جی! مجھے تو جیسے پتہ ہی نہیں تھا۔ حبا غیر سنجیدگی سے بولی

اشمل اب اُسے سب تفصیل سے بتانا چاہتی تھی۔

تم یقین نہیں کرو گی جب میں نے اُسے کہا کہ نوفل اب تمہیں ہمارے بارے میں گھر بات کرنی چاہیے تو وہ فوراً مان گیا۔ وہ جوش سے بنا رُکے بتا رہی تھی۔ بھلا آج کے زمانے میں ایسے کون سا لڑکا کرتا ہے؟ اُن کی تو پوری کوشش ہوتی ہے کہ پسند کی لڑکی سے محبت کے نام پر ٹائم پاس کر لیں اور بعد میں شادی اپنی امی کی مرضی سے کر لیں۔ تیر کمان سے نکل کر سیدھا حبا حسیب کے دل تک آیا تھا۔

حبا اشمل کی طرف دیکھ مسکرا رہی تھی۔ کیا محبت مل جانے پر انسان ایسے کھل اٹھتا ہے؟ کیا وہ دنیا فتح کر لیتا ہے؟ یہ اِحساس کے اُس نے بطورِ ہمسفر ایک غلط آدمی کو چُنا تھا اب دور کہیں پھر ندامت میں بدلتا جا رہا تھا۔ کاش وہ بھی محبت کے اس کھیل میں ایک ایسے انسان کو چنتی جو رشتہ لے کر اپنی محبت ثابت کرنے حبا کے گھر تک آتا، حبا کو بند کمرے میں اپنا عشق ثابت کرنے کے لیے نہ کہتا۔ کاش اس کی زندگی میں بھی کوئی ایسا شخص ہوتا جو اس کے دل کی، اس کی عزت کی پرواہ کرتا۔

اس کی نگاہیں اشمل کے چہرے پر تھیں، مگر دل کہیں اور تھا،اور آنکھوں میں وہ خالی سی حسرت تھی جو کسی اور کی خوشی کو دل سے تسلیم کرنے کے باوجود دل میں اپنی خواہش کی کمی کو محسوس کرتی ہو۔

آپ بہت خوش لگ رہی ہیں اشمل، حبا نے نرمی سے تبصرہ کیا **"اللہ تعالی آپ کی خوشیوں کو ہر میلی نظر سے محفوظ رکھے آمین"** ۔"

اشمل کی مسکراہٹ اور گہری ہوئی

"تمھیں پتہ ہے تم جب جب میرے لیے کوئی دعا کرتی ہو وہ لازمی قبول ہوتی ہے۔"

اچھا ہے کم از کم آپ کے بارے میں تو میری دعائیں قبول ہو جاتی ہیں۔ وہ زخمی آنداز میں بولی۔

وہ اشمل کے لیے خوش تھی مگر اپنے لیے۔۔۔۔۔انسان ایک ہی وقت میں دوسرے کے لیے خوش اور اپنے لیے دُکھی کیسے ہو جاتا ہے؟ یہ تو دو مختلف جذبے ہیں۔اور آج حبا ان دو مختلف جذبوں کو ایک ہی وقت پہ محسوس کر رہی تھی۔

وہ اشمل کو حسرت سے دیکھ رہی تھی یا شاید رشک سے۔ وہ اشمل سے اپنے ری لیشن شپ کے بارے میں کچھ چھپانا نہیں چاہتی تھی مگر وہ جتنا بھی کلوز کیوں نہ ہوں اُس میں یہ بات اشمل سے کرنے کی ہمت نہیں آئی تھی۔ حبا ایک ایسے منظر کو بہت قریب سے دیکھ رہی تھی جس کا وہ حصہ کبھی نہیں بن سکتی تھی۔

سب کچھ کتنی جلدی ہو گیا۔ حبا کھوئی کھوئی سی بولی

ہاں، حبا! میں خود حیران ہوں کہ سب کچھ اتنا جلدی ہو گیا۔ کبھی سوچا نہیں تھا کہ اتنی آسانی سے سب کچھ ہو جائے گا۔اب بس سب ٹھیک سے ہو جائے۔

وہ اشمل کی خوشی میں شریک ہونے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اس کے اندر ایک خلش تھی جو اسے چین سے نہیں بیٹھنے دیتی تھی۔ وہ خوش تھی کہ اشمل کی زندگی میں سب کچھ ٹھیک ٹھیک ہو گیا تھا لیکن اپنی زندگی کی سنسان سڑکوں پر وہ اب بھی اکیلی تھی ۔ایسا سفر جس میں کوئی ساتھ نہیں تھا۔ یہ سفر اس کو اکیلے ہی طے کرنا تھا۔

آپ بہت خوش قسمت ہیں اشمل ، حبا نے آہستہ سے کہا

"آپ کا من پسند انسان آپ کو محرم بن کر مل رہا ہے۔"

وہ حبا کو دونوں کندھوں سے تھامتے اپنی جانب کرتے بولی

"ایک منٹ کیا تم کسی کو پسند کرتی ہو؟"

نہیں... نہیں، ایسا کچھ نہیں۔" وہ سنبھل کر بولی

"بس میں خوش ہوں کہ آپ کو وہ ملنے جا رہا ہے جس کی آپ نے خواہش کی تھی۔"

اشمل کے لب اوہ کہتے سکڑے اور پھر وہ بولی

"اگر ایسی کوئی بات ہو تو مجھ سے شئیر کرنا میں بالکل جج نہیں کروں گی۔"

اس نے مسکرا کر کہا

"آپ کی باتوں سے لگتا ہے کہ آپ واقعی بہت خوش ہیں۔"

ہاں تو اور کیا پچھلے ایک گھنٹے سے میں اپنا گلا اسی لیے تو پھاڑ رہی ہوں کیونکہ میں خوش ہوں، عجیب۔۔ وہ خفگی سے بولی،

اشمل کو اپنی محبت ملنے والی تھی۔ محبت کا خانہ اشمل زبیر کی زندگی میں پُر ہو گیا تھا لیکن حبا کی زندگی میں وہ جگہ اب بھی خالی تھی جسے وہ کسی اور کے لیے نہیں، بلکہ خود کے لیے پُر ہوتا دیکھنا چاہتی تھی۔ زندگی سب پہ اتنی مہربان بھی تو نہیں ہوتی نا۔ حبا ایک ایسی خواہش کی گہرائیوں میں گم تھی جس کی تکمیل کی کوئی راہ نظر نہیں آتی تھی۔

اشمل باتیں کرتے کرتے بولی

اچھا میں ذرا مسز شاہ کو دیکھ آؤں ویٹ کر رہی ہوں گی میرا۔اشمل کی مسکراہٹ میں ایک سکون تھا جبکہ حبا کی آنکھوں میں بس ایک چھپی سی آرزو باقی رہ گئی تھی کاش وہ بھی کبھی اپنے دل کی خواہش کو مکمل کر پاتی،اوہ یہ کاش کے مسئلے!

****

رات کھانے کے بعد سب اپنے کمروں میں جانے کو تیار تھے کہ فرقان صاحب کسی سوچ کے تحت کہنے لگے

"مجھے آپ سب سے کچھ بات کرنی ہے۔"

سب وہیں ٹھہر گئے۔

میں چاہتا ہوں کہ منسا کے باہر جانے سے پہلے ہم اس کا اور تیمور کا نکاح کر دیں۔منسا جیسے ذرا سی مضطرب ہوئی تھی دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔اس نے فوراً سر اُٹھا کر فرقان تایا کی طرف دیکھا۔تایا فرقان کے اطمینان میں رتی برابر فرق نہیں آیا تھا۔

ایک نظر منسا پر ڈالی اور پھر تیمور کو دیکھتے بات مکمل کی۔"اگر تمہیں کوئی اعتراض ہو یا تمہیں کچھ کہنا ہو تو تم کہہ سکتی ہو بیٹا۔"

منسا کی سانس جیسے رک سی گئی تھی۔ایک پل کے لیے اس کی آنکھوں کے سامنے سب کچھ ماند پڑ گیا تھا۔

جلد؟،منسا کی زبان سے بمشکل نکلا لہجے میں حیرت اور اضطراب تھا

تایا ابو آپ کو نہیں لگتا یہ بہت جلدی ہو رہا ہے؟،وہ بے چینی سے سوال کر رہی تھی۔

فرقان تایا نے مسکرا کر کہا

یہ وقت کی ضرورت ہے،منسا۔ویسے بھی تم دونوں ایک دوسرے کے لیے بہترین ساتھی ہو،تمھارے ماں باپ کی بھی یہی خواہش تھی۔آخری جملے پر وہ سانس لے کر رہ گئی۔

دل بہت تیز دھڑک رہا تھا اور اس کا دماغ ابھی تک اس بات کو ہضم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ فی الحال اس شادی کے لیے تیار نہیں تھی۔

وہ تیمور کی طرف دیکھنے لگی جو خاموشی سے کھڑا تھا اور پھر فرقان تایا کی طرف مڑ کر کچھ کہنے کی کوشش کی مگر اس کے منہ سے الفاظ نہیں نکل پائے۔ اندر کا اضطراب اور ان سوالات کا بوجھ اس پر ایسا چھایا تھا کہ وہ فوری طور پر کچھ کہنے کے قابل نہیں رہی تھی۔

بیٹا کوئی پریشانی ہو تو بتانا ہم سب تمہارے ساتھ ہیں، فرقان تایا نے نرمی سے کہا اور ان کی آواز میں ایک ہمدردی تھی جس کی منسا کو فی الحال ضرورت نہیں تھی۔

منسا کا دل کہہ رہا تھا کہ وہ کچھ کہے مگر زبان جیسے اس کا ساتھ چھوڑ گئی تھی۔

تیمور جو ابھی تک خاموش تھا اب تھوڑا سا آگے بڑھا اور اس نے منسا کی طرف بڑھتے بولا

منسا، اگر تمہیں کوئی پرابلم یا کوئی اعتراض ہے تو تم بتا سکتی ہو۔ شکر ہے کوئی تو اس کے ساتھ تھا۔

منسا کی نظریں تیمور پر ٹک گئیں، اور اس کی آنکھوں میں وہ الجھن تھی جو وہ اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھی۔ اس کی ذہن میں ایک بھاری سوال اُبھرا، کیا میں تیار ہوں؟ کیا یہ وہ فیصلہ ہے جو میں چاہتی ہوں؟ وہ ایک لمحے کو خود سے سوال کرنے لگی، لیکن پھر فرقان تایا کے چہرے پر پڑی سنجیدگی اور محبت بھری نظر نے اسے تھوڑا سا حوصلہ دیا۔

منسا نے گہرا سانس لیا اور پھر ہمت کر کے اپنی بات کہنا شروع کی "تایا ابو۔۔۔۔" اس کی آواز میں ہچکچاہٹ تھی "مجھے لگتا ہے کہ یہ فیصلہ کچھ جلدی ہو رہا ہے۔ میں نے ہمیشہ تیمور کے ساتھ اچھا وقت گزارا ہے اور ہم ایک دوسرے کو سمجھتے ہیں لیکن... میں ابھی خود کو اس رشتہ کے لیے پوری طرح تیار نہیں محسوس کر رہی۔" تایا لمحہ بھر کو خاموش رہے پھر سمجھنے والے انداز میں سر ہلا کے منسا کے سر پر پیار دیا۔

"تمہیں جتنا وقت چاہیے بیٹا تم لے سکتی ہو۔ کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔"

ان کی آنکھوں میں کوئی غصہ یا ناراضگی نہیں تھی۔

"لیکن یاد رکھو زندگی کے بعض فیصلے ایسے ہوتے ہیں جو ہمیں دل سے کرنے پڑتے ہیں۔"

دل؟ منسا کا دل ہی تو اس فیصلے کے حق میں نہیں تھا۔ بات ساری دل پہ ہی ختم ہوئی تھی۔

اندر کمرے میں آ کر وہ گہرے سانس لے کر خود کو نارمل کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ موبائل پر میسج چمکا۔

منسا میں سمجھ سکتا ہوں کہ یہ تمہارے لیے کتنا مشکل وقت ہے۔ میں تمہارے ہر احساس کی قدر کرتا ہوں اور تمہارے فیصلے کا مکمل احترام کروں گا۔ تمہیں جو مناسب لگے وہی کرنا میں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں گا۔

منسا نے چند لمحے اس پیغام کو بغور پڑھا۔ پوری دنیا میں صرف تیمور ولید اسے سمجھتا تھا۔ تیمور کی محبت اور اس کی حمایت نے کچھ حد تک اس کی بے چینی کو کم کیا تھا۔

کیا فیصلہ صحیح ہے؟ ، یہ سوال اس کی زبان پر آنا چاہتا تھا مگر وہ خاموش تھی۔

اتنے میں وہ کمرے میں آ کھڑا ہوا تھا۔

منسا کوئی تمھیں فورس نہیں کر رہا اور نہ کر سکتا ہے۔ تمہیں جو بہتر لگے تم وہی کرو لیکن بس پریشان نہ ہو پلیز۔ اب وہ بیڈ کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھے کہہ رہا تھا

منسا نے ایک لمحے کے لیے تیمور کی آنکھوں میں جھانکا جہاں اس نے صرف محبت دیکھی تھی۔

تیمور میں... مجھے بہت کچھ سوچنا ہے۔ اس نے بات کرتے کرتے نظر چُرا لی۔

تیمور نے اس کا ہاتھ نرمی سے پکڑا اور کہا

میں تمہاری ہر رائے کا احترام کرتا ہوں چاہے وہ مجھے خوش کرے یا نہیں، میرے حق میں ہو یا نہ ہو۔ میں بس چاہتا ہوں کہ تم خوش رہو اور تمہارے لیے جو بہتر ہو وہی ہو۔

"مجھے بس کچھ وقت چاہیے، میں چاہتی ہوں کہ یہ فیصلہ دل سے ہو۔"

تیمور نے سر کو ہلکا سا خم دیا۔

زندگی میں کچھ لمحے ایسے ہوتے ہیں جب صرف آپ کا دل ہی آپ کو صحیح راستہ دکھاتا ہے۔

****

ماہین اور حیدر کا ترکی سے واپس آنا نورین کے لیے کسی قیامت سے کم نہیں تھا۔ ایک مہینہ گزر چکا تھا مگر نورین کے دل میں اضطراب کی لہر ابھی تک تھمی نہیں تھی۔ وہ خود کو اندر ہی اندر گھلتا محسوس کر رہی تھی۔ ایک طرف وہ ان کے واپس آنے پر خوش تھی، لیکن دوسری طرف حیدر کی بدلتی ہوئی حالت نے اسے اندر ہی اندر ٹوٹنے کے قریب پہنچا دیا تھا۔

حیدر اب بالکل بدل چکا تھا۔ اس کا چہرہ وہی تھا، لیکن اس کی آنکھوں میں اپنی ماں کے لیے جو چمک اور گرم جوشی تھی وہ کہیں کھو گئی تھی۔

پچھلے ایک سال میں ہنی مون کے نام پہ حیدر کا سفر مسلسل جاری رہا تھا۔ دنیا کے مختلف کونوں میں، مختلف ملکوں کی خاک چھانی تھی مگر نورین کی نظر میں وہ جتنا باہر کی دنیا میں جیتا جا رہا تھا اتنا ہی اس نے اپنی دنیا کے دائرے کو چھوٹا چھوڑ دیا تھا۔ اور سب سے بڑھ کر ماہین کی بدلی ہوئی ٹون اس کے دل میں جلتی آگ میں مزید تیل ڈال رہی تھی۔

کبھی کبھار جب وہ پاس بیٹھتا تو بھی نورین کے سوالات کے جواب میں بس سر ہلا کر پھر سے اپنی دنیا میں گم ہو جاتا۔ وہ جتنا سوچتی اتنا ہی ٹوٹنے کا احساس ہوتا۔

نورین کا دل جانتا تھا کہ اب کچھ بھی ویسا نہیں رہا تھا۔ اور اس میں ساری غلطی ماہین کی تھی۔ جب سے وہ اس گھر میں آئی تھی اس کا بیٹا اس سے دور ہو گیا تھا۔

****

نورین کی نظریں ماہین پر جمی ہوئی تھیں

تمہیں یہ سب نہیں کرنا چاہیے تھا ماہین ! ، نورین بے بسی سے بولی

لیکن ممی، میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔ ماہین نے بے نیازی سے جواب دیتی پلٹ کر لاؤنج کی طرف دیکھا جہاں سے اب حیدر کی آواز آ رہی تھی۔

اور پھر ایک تیکھی مسکراہٹ کے ساتھ بولی "ویسے ممی آپ کی دھمکیوں کا مجھ پر کوئی اثر نہیں پڑنے والا۔" ہر لفظ جو وہ ادا کر رہی تھی وہ کسی تیز دھار تلوار کی طرح نورین کو چُبھ رہا تھا۔

اگر آپ یہ سمجھتی ہیں کہ آپ مجھے ڈرا سکتی ہیں، تو یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔ شانوں کو اچکاتے وہ نورین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بولی

نورین کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا وہ بری طرح چونکی تھی۔ ماہین اتنا کیسے بدل گئی تھی۔ ماہین کی بے پرواہی اور اعتماد نے اس کے اندر کی آگ کو مزید بھڑکا دیا تھا۔ "واہ اور یہ جرات کہاں سے آئی ہے ؟" نورین کی آواز میں اب تلخی تھی۔

ماہین لاؤنج میں بیٹھے حیدر کی طرف دیکھتے بولی ''آپ کے بیٹے کی محبت سے۔''پھر وہ سرگوشی کرنے کے انداز میں بولی "آپ سمجھیں آپ کے خوف کے سمندر میں غوطہ لگالیا میں نے۔اب آپ کی بہو آپ کی دھمکیوں سے کہیں زیادہ مضبوط ہے۔" اس کی آواز میں اعتماد اور تھوڑی سی تحقیر بھی تھی۔

وہ ماہین کے لاپرواہ انداز کو برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔

ماہین نے ایک آخری بات کہی
بہتر یہی ہے کہ اپنے بیٹے کی خوشی یعنی ماہین کا احترام کریں، شکریہ، کہتی وہ دروازے کی جانب ہاتھ سے اشارہ کرنے لگی۔

اُس لمحے نورین جان گئی تھی کہ اب شاید اس کی دھمکیاں ماہین پر اثر نہیں کر پائیں گی۔ماہین کی بے باکی نے اس کے اندر کی طاقت کو انداز سے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔

ماہین نے اس کی طرف نظر ڈالی،اور پھر سر اُٹھا کر آرام سے وہاں سے ہٹ گئی۔اس کا چہرہ اس کی جیت کا اظہار کر رہا تھا،اور نورین کے چہرے پر غصہ اور بے بسی کے تاثرات تھے، جیسے وہ ہار چکی ہو۔ماہین وہاں سے نکلی تو نورین کا غصہ اور بڑھ گیا تھا۔اس کا دل بھڑک رہا تھا، جیسے ابھی ابھی اسے کسی نے جیتنے کا موقع دے کر اس سے چھین لیا ہو۔اس کی سانسیں تیز ہو رہی تھیں اور ہر لفظ جو وہ ماہین کے بارے میں سوچ رہی تھی،وہ مزید تلخ ہو جاتا تھا۔وہ جانتی تھی کہ ماہین نے اس کا مذاق اُڑایا ہے،اور یہ بات اسے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ماہین بات ختم کرتے کمرے سے یوں نکل گئی تھی جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔نورین خاموشی سے معنی خیز نظروں سے اُسے جاتا دیکھتی رہی۔اب بات نورین کے غرور کی تھی۔

انسان کو ایک حد تک ڈرانا چاہیے، کوئی نورین کے اندر سے بول اُٹھا تھا اور اب وہ پچھتا رہی تھی کہ اُس نے ماہین کو خوف کا اوور= ڈوز کیوں دیا تھا۔دوا اثر کرتے کرتے اچانک اثر کرنا بند کر گئی تھی۔ڈر ڈراتے ڈراتے سرے سے ختم ہو گیا تھا۔

نورین کے غصے کی شدت کم نہیں ہوئی تھی۔

اسے واپس اس کی اوقات پر لانا پڑے گا۔ وہ کاٹ دار لہجے میں بولی۔

نورین خود کو سامنے لگے آئینے میں جھانکتے ہوئے حوصلہ دے رہی تھی۔

اب دونوں کے ذہنوں میں ایک دوسرے کو شکست دینے کے لیے نئی حکمتِ عملی تھی۔

****

صبح کی نرم روشنی میں جب اشمل نے اپنی آنکھیں کھولیں اس کے کمرے کی فضا میں تازہ ہوا کا جھونکا آیا تھا۔ دروازے کے قریب اس کی میز پر ایک خوبصورت سفید گلابوں کا گلدستہ رکھا تھا جس کی ہلکی خوشبو نے کمرے کو معطر کر دیا تھا۔ اشمل کا دل ایک لمحے کے لیے رُکا اور پھر وہ تیزی سے بستر سے اُٹھی۔

وہ گلدستے کے قریب پہنچی اور جھک کر جائزہ لینے لگی۔ وہ یاد جو ایک سال پہلے کے گلابوں سے آتی تھی آج پھر سے تازہ ہو گئی تھی۔ نا جانے کیوں وہ یاد آیا تھا۔ کتنی مشکل سے وہ سلسلہ ختم ہوا تھا اور اب وہ کسی صورت نہیں چاہتی تھی کہ کوئی اُس کی زندگی کے رنگوں میں بھنگ ڈالے، یوسف تو بالکل نہیں۔

گلدستے میں ایک چھوٹا سا کارڈ تھا جس پر کوئی پیغام نہیں تھا بس

" Y. "

لکھا تھا۔ اس کے ہاتھ بے اختیار کانپے تھے۔ وہ جو سمجھی تھی کہ وہ فیز ختم ہو گیا تھا تو وہ اشمل زبیر کی خوش فہمی تھی۔ دن شروع ہونے سے پہلے ہی برباد ہو گیا تھا۔ شکر ہے کہ کسی نے دیکھا نہیں تھا۔ دل ایسے دھڑک رہا تھا جیسے ابھی پھٹ جائے گا۔

یہ واپس کیسے آ گیا؟، وہ بس رو دینے کو تیار تھی۔ اندر ہی اندر یوسف کا ڈر اُسے کھائے جا رہا تھا۔

اسے یاد آیا کہ جب پچھلی بار گلابوں کا گلدستہ آیا تھا وہ کمرے کی میز پر رکھا تھا جس کے ساتھ ایک کارڈ بھی تھا جس پر صرف ایک ہی لفظ لکھا تھا "انتظار۔" اور اُسے لگا تھا کہ وہ گلدستہ اُسے نوفل نے بھیجا تھا۔ مگر آج جب دوبارہ گلابوں کا گلدستہ آیا تھا تو اشمل کی خوش فہمی دور ہو گئی تھی۔

اشمل نے اپنے آپ کو تسلی دینے کی کوشش کی، شاید یہ صرف ایک اتفاق ہے شاید یہ گلاب کسی نے کسی اور کو بھیجے ہوں۔ لیکن دل میں اُٹھتا ہوا بے چینی کا احساس اسے مسلسل اس بات پر اُکسا رہا تھا کہ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔

اچانک، اس کے دماغ میں ایک خیال آیا، کیا اگر یہ گلاب وہ شخص بھیج رہا ہے جس سے میں نے ایک سال پہلے وعدہ کیا تھا؟ ، یہ خیال اشمل کے دماغ میں گہرا پیوست ہو گیا تھا۔ ایک سال پہلے، وہ شخص جس سے اس کا گہرا تعلق تھا، اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ واپس آئے گا، اور اشمل اس وعدے پر یقین رکھتے ہوئے دور کہیں اس وقت بھی انتظار کر رہی تھی۔

اشمل نے گلابوں کے گلدستے کو ایک طرف رکھا اور اپنے فون کی طرف بڑھی۔ اس کا ہاتھ لرز رہا تھا لیکن اس نے فون کی اسکرین کو کھولا اور اپنے پرانے رابطے کی فہرست میں اُسے تلاش کیا اسی شخص کا نمبر، جس نے اسے ایک سال پہلے بھی پریشان کیا تھا۔

اس نے ایک گہرا سانس لیا، انگلیاں فون کے کی بورڈ پر پھیرنا شروع کیں لیکن پھر اس کی نظر گلابوں کے گلدستے پر پڑی۔

اشمل نے ایک میسج لکھا، یہ پھول تم نے بھیجے ہیں؟

دبے دل سے اس نے میسج بھیج دیا اور پھر خاموشی سے فون کی اسکرین کو گھورتی رہی۔ دل میں ایک غیر معمولی ہلچل تھی۔ لڑکیوں کا ماضی ان کا پیچھا کرتا ہے، اشمل کے ساتھ بھی یہی ہو رہا تھا۔
کیا یہ وہی شخص تھا جس کے بارے میں وہ ہمیشہ سوچتی رہی تھی؟ کیا وہ اسے دوبارہ اپنی زندگی میں شامل کرنے آیا تھا؟

ایک نامکمل کہانی دوبارہ شروع ہو رہی تھی یاں پھر کوئی جاری کہانی انجام کو پہنچ رہی تھی۔

****

منسا کی آنکھوں میں بے شمار امیدیں اور بے چینی تھی۔اس کی نظریں تیمور کی آنکھوں میں گم ہو کر کچھ کہنا چاہتی تھیں مگر الفاظ جیسے کسی دبے ہوئے خوف میں چھپے ہوئے تھے۔وہ ہلکے قدموں سے تیمور کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔
تیمور، پلیز، بس ایک بار... بس ایک بار میرا ساتھ دے دو یار۔اس کی آواز تھوڑی لرز رہی تھی۔

تمہیں کیا لگتا ہے؟ کہ یہ آسان ہے؟ ، تیمور نے تھوڑی دیر بعد دھیرے سے کہا مگر اس کی آواز میں کوئی غصہ یا تنقید نہیں تھی بس سوال تھا۔

منسا نے اپنے ہاتھوں کو جُھکاتے ہوئے کہا، نہیں، یہ آسان نہیں ہے۔کچھ بھی آسان نہیں ہوتا، مگر مجھے اس جگہ سے نکلنا ہے تیمور اس ملک میں میری زندگی کی کوئی منزل نہیں ہے۔

تیمور نے گہرا سانس لیا،اس کا دل شاید ایک لمحے کے لیے اس کی حالت پر نرم پڑا تھا۔

"میں جانتا ہوں تمہاری حالت۔" تیمور نے بات جاری رکھی "لیکن۔۔۔"

منسا کی آنکھوں میں ایک امید کی لہر دوڑ گئی۔

کوئی لیکن ویکن نہیں بس تم تایا ابو سے خود بات کرو، وہ منت کرنے والے انداز میں بولی "میرے لئے یہ ممکن نہیں، تمہارے بغیر۔" وہ بے اختیار پگلا۔

تیمور کچھ دیر خاموش رہا، پھر آخر کار اس نے سر اُٹھایا

"میں ان سے بات کروں گا، ڈونٹ وری۔"

منسا کے چہرے پر بے ساختہ خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ تیمور کی طرف دیکھتے بولی

"جب میں چلی جاؤں تو مجھے بھولنا مت"

تیمور کا خون ایک ہی لمحے میں جیسے اس کے جسم کو چھوڑ گیا تھا اس نے بظاہر سر ہلا کر کہا

"فکر نہ کرو تیمور کو اپنے پسندیدہ لوگوں سے موو آن نہیں کرنا آتا"

منسا نے اثبات میں سر ہلایا۔ تیمور دیکھو آئی نو یہ بہت بڑا اسٹیپ ہے پر میں نہیں چاہتی کہ میں کسی دن اپنے آپ سے سوال پوچھوں کہ منسا تب جب وقت تھا تب یہ فیصلہ کیوں نہیں کیا۔

کیا تم نوفل کی وجہ سے انکار کر رہی ہو؟، نوفل نے بالکل سہی اندازہ لگایا تھا۔

منسا کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اس کے دماغ میں مختلف خیالات گڈ مڈ ہو گئے مگر پھر اس نے اپنے جذبات کو قابو کیا اور خود کو کمپوز کرتے جواب دیا

"نہیں تیمور۔ میں بس ابھی شادی جیسی ذمہ داری کے لیے ریڈی نہیں ہوں۔"

تیمور نے گہری سانس لی، اوہ، ٹھیک ہے، میں آج ہی بات کرتا ہوں

"اوکے۔"

تیمور نے اپنی جیب سے موبائل نکالا اور چند لمحوں کے لیے کچھ ٹائپ کیا، پھر اس نے منسا کی طرف رخ کیا اور کہا، منہ سیدھا کر لو اب، کہا ہے نہ کر لوں گا ہینڈل سب کچھ۔

منسا کی نظریں تیمور پر مرکوز تھیں اور آج پہلی دفعہ تیمور کا دل چاہا تھا کہ منسا تیمور پر سے اپنی نظریں ہٹا لے۔ منسا کے ملک چھوڑ دینے کا خیال ہی تیمور کا دل کاٹ دینے کے لیے کافی تھا۔

"میں تمہیں کبھی مایوس نہیں کروں گی، تیمور۔"

اس کی یہ ایک بات، یہ ایک جملہ تیمور کے اندر ایک سرد لہر دوڑانے کے لیے کافی تھا۔

اس کا دل اب ایک ایسی حقیقت کا سامنا کر رہا تھا جسے وہ کبھی تسلیم نہیں کرنا چاہتا تھا۔

تم... تم واقعی جا رہی ہو؟" اس کے منہ سے بمشکل یہ الفاظ نکلے، آنکھوں میں گہری مایوسی اور دکھ تھا۔

منسا نے آہستہ سے کہا،، ہاں، تیمور۔ مجھے یہاں سے جانا ہے۔

لیکن ہم نے... تم اور میں، منسا، ہم نے ایک ساتھ کتنے پلانز بنائے تھے یار! ، تیمور کی دنیا ایک لمحے میں ٹوٹ کر بکھر گئی تھی۔

میں جانتی ہوں، تیمور، لیکن یہاں رک کر کچھ نہیں بدلے گا۔ وہ بنا اثر لیے بولی

تیمور کا دل جیسے کسی خلا میں جا گرا تھا، وہ بس منسا کی آنکھوں میں کچھ لمحے کے لیے اپنا ٹوٹا ہوا دل دیکھ رہا تھا۔ "تمہارا جانا... مجھے تمہارے بغیر جینا نہیں آتا، منسا۔" اس کے لبوں سے یہ الفاظ بس بے اختیار نکلے تھے اور منسا نظریں چُرا گئی تھی۔ ہمیشہ کی طرح۔

منسا نے پھر نرم لہجے میں کہا، میں جب ذہنی طور پہ مکمل طور پر تیار ہو جاؤں گی، تو واپس آ کر تم سے شادی کر لوں گی، تیمور۔

تیمور نے سر اُٹھایا اور چونک کر اُسے دیکھنے لگا، تم مذاق کر رہی ہو؟

"نہیں، میں واپس آؤں گی، اور پھر ہم۔۔"

وعدہ اگرچہ ابھی صرف الفاظ کی صورت میں تھا لیکن منسا کی آنکھوں میں چھپی ہوئی اپنائیت نے اسے یہ یقین دلا دیا تھا کہ یہ وعدہ کبھی نہیں ٹوٹے گا۔

میں تمھارا انتظار کروں گا منسا، ہمیشہ، تیمور نے بڑی مشکل سے اپنے جذبات کو قابو کرتے ہوئے کہا۔
منسا نے اس کی طرف دیکھا اور آہستہ سے مسکرا کر کہا "میں جانتی ہوں" اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ ایک دن واپس آئے گی اور تیمور سے اپنی زندگی کا سب سے خوبصورت رشتہ قائم کرے گی۔

****

حبا اپنی کلاس فیلو کے ساتھ کیفے میں بیٹھ کر اسٹیک کھا رہی تھی۔ ٹرے میں ساس میں ڈوبی ہوئی اسٹیک کے ٹکڑے موجود تھے۔ وہ آرام سے چمچ سے اسٹیک کا نوالہ اٹھانے ہی والی تھی کہ اچانک اس کی کلاس فیلو نے بات شروع کی۔

حبا، میں کبھی کبھی سوچتی ہوں تم کتنی نیک ہو! ، وہ فخر سے کہہ رہی تھی۔

پلیٹ میں چلتا حبا کا ہاتھ رک گیا۔ کانٹے پہ اٹکا اسٹیک کا نوالہ تھم گیا۔ دل ایک دم سے خراب ہو گیا تھا۔ وہ اس جملے کو سننے کے بعد کچھ لمحوں تک سامنے بیٹھی لڑکی کو بے تاثر آنکھوں سے دیکھتی رہی۔

حبا کا نرم سا چہرہ اب زرد پیلا نظر آ رہا تھا۔ ہاتھ پھر سے کانٹے کی طرف بڑھا مگر اسٹیک کا نوالہ اب جیسے اس کے منہ تک پہنچنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ ماہ نور کی بات کا اثر ابھی تک اس کے دماغ میں گونج رہا تھا۔ وہ کچھ دیر چپ چاپ بیٹھی رہی "تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے؟" اب سوال کر رہی تھی۔

کیونکہ تم ہمیشہ سب کے ساتھ اتنے پیار سے پیش آتی ہو، ہمیشہ دوسروں کی مدد کرتی ہو، کبھی کسی سے بدتمیزی نہیں کرتی، نماز بھی قضا نہیں کرتی۔ الفاظ تھے یا کانچ حبا کو سمجھ نہیں آیا مگر چبھن ضرور محسوس ہو رہی تھی۔

حبا نے ایک لمحے کے لیے چمچ چھوڑ کر اپنی کلاس فیلو کی طرف دیکھا۔ نیکی کوئی ایک دن کی کوشش نہیں ہوتی، بلکہ ایک مسلسل عمل ہوتا ہے، اور شاید وہ اتنی نیک نہیں تھی جتنا لوگ اسے سمجھتے تھے۔

ان سب وجوہات کی بنا پر تمہیں لگتا ہے کہ میں نیک ہوں؟" حبا نے زخمی انداز میں مسکراتے ہوئے بولا، ہم سب میں بہت سی خامیاں بھی ہوتی ہیں۔ انسان کی پہلی شناخت ہی اس کی خطا تھی۔

ماہ نور چپ ہو گئی اسے لگا حبا نے اس کی بات کا برا منا لیا تھا۔

حبا کا دل کچھ بوجھل سا ہو گیا تھا وہ جس تعریف کے تحت خوش ہونا چاہتی تھی وہ دراصل اس کے اندر کی ایک بہت بڑی ان سیکیوریٹی تھی۔ گہری تشویش کو اور بڑھا رہی ہو۔ ماہ نور کی باتوں نے حبا کے دل میں ایک بے چین کر دینے والی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ وہ یک دم اپنے آپ کو بہت چھوٹا محسوس کرنے لگی تھی۔

اس کے اندر کا وہ شخص جو کبھی خود کو بہتر بنانے کی کوشش کرتا تھا جو خود کو دوسروں کے سامنے ہمیشہ اچھا دکھانے کی خواہش رکھتا تھا وہ اب اس تعریف کے باوجود اس کی اپنی حقیقت سے بے خبر ہو کر گہری غمگینی میں ڈوبنے لگا تھا۔

گلٹ جیسے ایک سایہ کی طرح اس کے پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ ''کیا واقعی میں نیک ہوں؟'' خود سے پوچھتے اس نے اپنی زندگی کی چند حالیہ ناکامیوں کو یاد کیا۔ وہ لمحے جب اس نے کسی دوست کو تکلیف پہنچائی تھی، جب اس نے اپنے اصولوں کو تسلیم کرنے کی بجائے، وقتی فائدے کے لئے کچھ چھوٹے جھوٹ بولے تھے۔ وہ وقت جب اس نے اپنی سب سے قریبی دوست کو مدد کی پیشکش کرنے کے باوجود اس سے نظریں چرائی تھیں۔

میں... میں اتنی نیک نہیں ہوں،" حبا نے آہستہ سے کہا، جیسے وہ اپنے دل کی بات خود سے کہہ رہی ہو۔ اس کے دماغ میں ایک اور آواز گونجی، **نیکی کا معیار کیا ہے؟ کیا تمہاری تعریفیں اور تمہاری مدد کرنے کی کوششیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ تم نیک ہو؟ یا نیکی وہ ہے جو تمہارے دل کی گہرائیوں میں ہے، جو صرف تم جانتی ہو؟**

سامنے بیٹھی ماہ نور، اس کی اندرونی کشمکش سے بے خبر تھی، مسکرا کر کہنے لگی، تمہیں کتنی خوشی ملتی ہو گی جب تم دوسروں کی مدد کرتی ہو، حبا۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔

لیکن حبا کو یہ سب اب صرف ایک عارضی سکون لگ رہا تھا، جیسے وہ دنیا کو دکھانے کے لیے کچھ کر رہی ہو، مگر اس کا دل سچ میں مطمئن نہیں تھا۔ **یہ سب کرنے کے باوجود، کیا میں اپنے آپ سے سچ بول پاتی ہوں؟** وہ ایک لمحے کے لیے جھٹکے سے واپس آئی، اور اپنے اندر کی اس بے چین کیفیت کو محسوس کیا۔

شاید میں وہ سب کچھ نہیں ہوں جو تم سوچ رہی ہو" ایک لقمہ لیے وہ بے دلی سے بولی، شاید میں خود بھی ابھی تک خود کو نہیں سمجھ پائی۔

اس کا پورا وجود کسی کمرشل اداکار کی طرح محض باہر سے خوبصورت نظر آرہا تھا لیکن اندر سے ٹوٹا ہوا اور غیر مطمئن تھا۔

"تمہیں خود کے ساتھ زیادہ سختی سے پیش نہیں آنا چاہیے۔ تم جو کر رہی ہو اس میں کچھ بھی غلط نہیں ہے۔"

وہ اکثر دوسروں کے سامنے اپنے آپ کو ایک مکمل انسان ثابت کرنے کی کوشش کرتی تھی، حالانکہ وہ اندر سے کھوکھلی ہی تھی۔ شاید، حبا نے سر جھکا کر کہا، لیکن کبھی کبھی یہ سب مجھے مزید تنہا کر دیتا ہے۔ جیسے لوگ مجھ سے کچھ اور توقعات رکھتے ہیں، اور میں اُنہیں پورا کرنے کے لیے اپنے آپ کو چھوٹا کر دیتی ہوں۔

ماہ نور حبا کے چہرے پر اتنی گہری مایوسی کو دیکھ کر کچھ نہیں بولی بس خاموش ہو گئی۔ حبا نے اپنی نگاہیں کیفے کی کھڑکی سے باہر کی جانب موڑ لیں۔

تم جانتی ہو، میں کبھی بھی یہ نہیں چاہتی تھی کہ لوگ مجھے 'نیک' یا 'مثالی' سمجھیں۔ میں چاہتی تھی کہ وہ مجھے ایک اچھے انسان کے طور پر دیکھیں، میرے سارے جذبات، ساری خامیوں، خوبیوں اور طاقتوں کے ساتھ۔ حبا نے اس کے سامنے اپنی دل کی بات رک رک کر کہنا شروع کی، جیسے اسے یہ سب پہلے کبھی کسی سے نہ کہا ہو۔

حبا، ماہ نور نے آہستہ سے کہا، کبھی کبھار ہمیں اپنے آپ کو بہت زیادہ الجھانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جو تم ہو، وہ خود میں کافی ہے۔ نیک ہو یا نہ ہو، تم اپنے آپ کو جتنا قبول کرو گی اتنا سکون پاؤ گی۔ اب وہ دل ہی دل میں پچھتا رہی تھی کہ اس نے یہ بات کر کے حبا کو ہرٹ کیوں کر دیا۔

حبا نے سر ہلایا مگر اس کا دل ابھی تک بہت ہلکا نہیں ہوا تھا۔

وہ چپ چاپ ایک اور نوالہ لے کر منہ میں ڈال رہی تھی، مگر اب اس کا ذہن اس اسٹیک کی لذت میں کم اور اپنی حقیقتوں کی گہرائیوں کو تلاش کرنے کی کوششوں میں زیادہ گم تھا۔ وہ جانتی تھی کہ نیکی کا کوئی بھی معیاری پیمانہ نہیں ہوتا لیکن پھر بھی وہ اپنے اندر کی حقیقت کو تسلیم کرنا چاہتی تھی چاہے وہ کتنی بھی پیچیدہ یا غیر مکمل کیوں نہ ہو۔

****

ساری رات وہ وقفے وقفے سے آنسو بہاتا رہا تھا۔ ٹھیک سے سو بھی نہیں پایا تھا۔ صبح اُٹھا تو سر بھاری ہو رہا تھا۔ بمشکل ایک ہی توس کھایا اور آدھا کپ چائے اندر اتاری۔ منیبہ کے طبیعت کا پوچھنے پر اس نے جواب دیا تھا "بس سر میں درد ہے۔" فرقان نے تو پوچھنے کی بھی زحمت نہیں کی تھی۔

اگر وہ باہر جانا چاہتی ہی تو جانے دیں، مجھے نہیں لگتا آپ لوگوں کو اُس پہ کسی بھی قسم کا پریشر ڈالنا چاہیے پھر چاہے وہ مجھ سے شادی کا ہو یا ملک سے جانے کا۔

تایا فرقان نے اُس کے بات ختم ہونے کا انتظار کیا اور پھر تیزی سے بولے

اگر اُس کے دل میں ایسا کچھ ہوتا تو وہ خود منع کر دیتی تم اس کے معاملات میں ٹانگ مت اڑایا کرو۔ بے اختیار اس کا دل چاہا تھا کہ کاش وہ یہ بات فی الحال نہ کرتا۔

اگر آپ لوگوں نے اب اس حوالے سے اُسے فورس کیا یا اُس کو ایموشنلی بلیک میل کیا تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا۔ وہ اب انگلی اُٹھا کر تنبیہ کر رہا تھا۔

اگر کی تو کیا کر لو گے تم؟" وہ کاٹ دار لہجے میں سوال کر رہے تھے۔ روبینہ ایک خاموش تماشائی کی طرح بات بیٹے کو بات کرتا دیکھ رہی تھی۔

آپ اُسے ہرٹ نہیں کریں گے، فورس نہیں کریں گے نہیں تو۔۔۔۔۔میں۔۔۔آگ لگادوں گا آپ کے اس گھر اور بزنس کو ۔۔۔ضرورت پڑی تو خود کو بھی۔وہ کہہ کر پھر رکا نہیں تھا۔غصے کی شدت سے کان کی لوئیں سرخ پڑ گئی تھیں۔

****

آج دل بے حد بوجھل سا تھا۔وہ بس کے آنے کا انتظار کرتی آسمان کو خالی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔زندگی میں امید کا کوئی نام و نشان تک نہیں تھا۔بس آگئی تو وہ بہت اداس سی اس میں سوار ہوئی۔

گھر پہنچی تو دادی نے کھانے کا پوچھا مگر بھوک مر گئی تھی۔وہ دادی کو اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کرنے لگی۔افرا بیگم اس کے پاس آ بیٹھیں تو وہ اس کی اترے چہرے کو دیکھ فکر سے بولیں

''کیا ہوا مانو سب ٹھیک ہے؟''

دادو میں جاب کرنا چاہتی ہوں۔وہ سیدھا مدعے پر آئی تھی۔

ٹھیک ہے میں زبیر سے اجازت لے لوں گی۔وہ سادگی سے بولیں تو اشمل غصے کی شدت سے لال پیلی ہو کر رہ گئی۔

کیوں؟اُن سے اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے؟،اسے سمجھ نہیں آتا تھا کہ وہ زبیر کو اتنی اہمیت کیوں دیتی تھیں۔

بیٹا ہے تو وہ تمھارا باپ ہی نا۔اشمل نے تمسخرانہ سر جھٹکا۔

میں ایک دو کام کر لوں، سی یو افر اڈار لنگ۔وہ پڑھائی کا بہانہ کر کے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

جلدی سے تمیز سیکھ لو پھر ہم بھی تمہاری شادی کا سوچیں۔وہ ہنستے ہوئے بولیں۔شادی کا نام سن کے اشمل کے خلق میں کانٹے اگنے لگے تھے افرا بیگم کی بات سن کر اشمل کا دل ایک دم سے دھک سے رہ گیا۔

وہ کمرے میں آ کر بے آواز بیٹھی روتی رہی۔

جب آپ کا بیٹا کبھی ہمارے پاس نہیں رہا، جب اس نے کبھی ہمارا خیال نہیں رکھا، تو مجھے اس کی اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے؟ مجھے اپنے فیصلوں میں اگر کسی کی اجازت کی ضرورت ہے تو وہ صرف آپ ہیں، میں نے اس شخص کو کبھی اپنا محافظ نہیں سمجھا، اور نہ ہی اب سمجھوں گی۔ اُسے پتا تھا وہ یہ بات کر کے افرا کو ہرٹ کر کے آئی ہے پر فی الحال وہ خود کو اس سے زیادہ ملامت نہیں کر سکتی تھی۔

عزتِ نفس اور انا دونوں کے درمیان ایک خلا تھا ایک پردہ تھا جو دونوں کے درمیان فاصلہ بڑھاتا جا رہا تھا لیکن وہ کبھی نہ کبھی اس خلا کو پار کر اپنے فیصلے کے ساتھ آگے بڑھنے کا حوصلہ پیدا کر ہی لے گی۔

****

وہ یونہی نماز پڑھا کرتی تھی آہستہ اور پُر سکون۔

جب حبا نے عصر کی نماز مکمل کی اور سلام پھیر کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے، تو ایک عجیب سی کیفیت نے اسے گھیر لیا۔ اس کے ہاتھ آہستہ آہستہ کانپنے لگے، چند لمحے پہلے تک جو سکون اس کے چہرے پر تھا، اب وہ کہیں کھو گیا تھا۔

اس کے ہاتھ جتنی شدت سے کپکپا رہے تھے، اس کی سوچوں میں اتنی ہی الجھن اور بے یقینی بڑھ رہی تھی۔

زار و قطار روتے روتے اس کے کپکپاتے ہاتھوں کے درمیان چہرہ چھپائے وہ بیٹھی رہی۔

اللہ تعالیٰ، آج جب مجھے آپ کی بندی نے نیک کہا تو مجھے بہت شرم آئی... وہ سسکتی آواز میں اللہ سے بات کر رہی تھی۔

ہر لفظ کے ساتھ اس کی آواز میں لرزش تھی، اور ہر سانس میں ایک گہرا دکھ چھپا ہوا تھا۔ اسے لگتا تھا کہ جو کچھ اس نے زندگی میں کیا، وہ کبھی اس قابل نہیں ہو سکتی کہ وہ نیک کہلائی جائے۔

یااللہ، میں کتنی کمزور ہوں، میں کیسے نیک ہو سکتی ہوں؟ میں نے کتنی بار آپ کی رضا کو نظر انداز کیا، کتنی بار اپنی خواہشات کو ترجیح دی، کتنی بار میں نے دوسروں کو تکلیف پہنچائی... احساسِ ندامت سانس نہیں لینے دے رہا تھا۔

آنکھوں سے آنسو بہاتے وہ اپنے گناہوں اور شرمندگی کو اللہ کے سامنے پیش کر رہی تھی۔

اللہ تعالیٰ ماہ نور کی بات سن کر میرا دل کر رہا تھا میں، میں شرم سے ڈوب مروں، آپ مجھ سے اتنی محبت کرتے ہیں، اپنے بندوں سے ایسی باتیں سنواتے ہیں تاکہ حبا حسیب یہ نہ بھولے کہ اس کا رب اسے یاد رکھے ہوئے ہے، میں اپنی زندگی آپ کو خوش کرنے کے لیے گزارنا چاہتی ہوں، پلیز مجھے معاف کر دیں اور میری۔۔ میری زندگی کو بہتر کرنے میں میرا ساتھ دیں... اس نے گڑگڑا کر اللہ سے التجا کی تھی۔

آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسوؤں کو اپنے ہاتھوں کی پشت سے صاف کرتی، آنسوں کے ذریعے اپنے دل کی صفائی کر رہی تھی۔ ہر قطرہ جو اس کے چہرے سے گرتا، ایک نیا عہد بنتا، ایک نیا وعدہ کہ وہ اپنی کمزوریوں کو بہتر کرے گی، اللہ کی کتاب سے ہدایت لے گی اور اپنے اعمال کو اس کی رضا کے مطابق ڈھالے گی۔

یااللہ میں جانتی ہوں کہ میں کامل نہیں ہوں، میں بہت گنہگار ہوں لیکن میری کمزوریوں کو اپنی قوت سے بہتر بنا دے، میری گمراہیوں کو اپنی ہدایت سے درست کر دے۔ وہ اتنی ہرٹ تھی کہ دل پھٹ رہا تھا۔

اس نے ہمیشہ یہی سنا تھا کہ جب تک انسان کی سانسیں چلتی ہیں اللہ کے ہاں قبولیت کا دروازہ کھلا رہتا ہے۔ اسی خیال سے وہ جانتی تھی کہ اللہ کی محبت اور رحمت اس کے لیے بے پناہ ہے اور اس کی توبہ کو اللہ کبھی ضائع نہیں جانے دے گا۔

اللہ، تعالیٰ جو بھی میں ہوں، جہاں بھی ہوں، میری زندگی کا ہر لمحہ آپ سے ہدایت، محبت اور سکون کی طلب میں گزرے، تاکہ میں اپنے اعمال کی درستگی کے ساتھ آپ کے قریب آسکوں، آپ سے اپنا وہ تعلق دوبارہ جوڑ سکوں جو میں نے دنیا کے پیچھے بھاگتے کھو دیا۔ وہ سسکیاں لیتی کہہ رہی تھی۔

دعا کے مکمل ہونے پر اس نے منہ پر آہستہ سے دونوں ہاتھ پھیرے وہ اب بہتر محسوس کر رہی تھی۔ آج کے بعد وہ جس راستے پر بھی جائے گی وہاں صرف اللہ کی رضا اور ہدایت کی روشنی تلاش کرے گی۔

****

نورین اپنے کمرے میں بے چینی کے عالم میں چکر کاٹ رہی تھی ساتھ ہی اس کی نظر اس وقت فون کی اسکرین پر مرکوز تھی جہاں وہ کسی سے بات کر رہی تھی۔ وہ کان سے فون لگائے وہ مضبوط لہجے میں ہدایات دے رہی تھی۔

ہاں، مجھے اس بات کی خبر ہونی چاہیے کہ ماہین کہاں جا رہی ہے، کس سے مل رہی ہے اور کیا کر رہی ہے۔ اس کے کارڈز، فون تک کی ایکسیس ہونی چاہیے تمہارے پاس، ہر ایکٹیوٹی پر نظر رکھنا ضروری ہے ، نورین نے تنبیہ کی۔

فون کے دوسری طرف خاموشی رہی اور پھر جواب آیا، سمجھ گیا، میم۔ میں ہر ایکٹیوٹی پر نظر رکھوں گا، اور اگر کوئی بھی غیر معمولی بات ہوئی تو آپ کو فوراً آگاہ کر دوں گا۔

"مجھے نہیں لگتا تمھیں اب تمھارا کام آگے سکھانے کی ضرورت ہے۔"

"ڈونٹ وری میم۔"

کہتے فون کے دوسری طرف موجود آدمی نے ایک گہری سانس لی۔

گُڈاس کی پوری روزمرہ کی روٹین کو ٹریک کرنا شروع کر دو۔ وہ کہیں بھی جائے، کسی سے بھی ملے، یا کچھ بھی کرے، سب کچھ۔ نورین نے مزید ہدایت دیتے ہوئے کہا۔

پال کے مِسنگ ٹکڑے کو نورین نے جوڑنے کی ٹھان لی تھی۔ بال اُس نے دھوپ میں سفید (ایش براؤن نہیں کیے تھے۔ سیلون سے کروائے تھے) پھر بھی اُسے پتا تھا کہ ماہین کے حوالے سے دال میں کچھ کالا تھا۔

فون پر موجود شخص نے جواب دیا تو نورین نے ایک مختصر سا جواب دیا اور پھر لائن بند کر دی۔

وہ جو بھی کرنا چاہتی تھی وہ سب ماہین کے بارے میں اس کی تمام معلومات کے بغیر ممکن نہیں تھا۔ اور اس وقت، وہ اس بات کو یقینی بنانے کے لیے کوئی کسر نہیں چھوڑنا چاہتی تھی کہ وہ اس میں کامیاب ہو۔

ٹھیک آدھے گھنٹے بعد نورین کو ٹیبل پہ پڑے فون کو اٹھانے پر مجبور اس تازہ ترین خبر نے کیا تھا، میسج کھولتے اس کے سامنے سطر لکھی نمایاں ہوئی، میں سب کچھ نوٹ کر رہا ہوں۔ جیسے ہی کچھ نیا ہو گا، آپ کو فوراً اطلاع دے دی جائے گی۔

نورین اسکرین پر اپنی انگلی پھیرتے مسکرانے لگی۔ اس حطرناک کھیل میں وہ جیتنے کے لیے تیار تھی بس وہ اپنے قدموں کے نشان محفوظ رکھنا چاہتی تھی۔

نورین نے فون کے قریب پڑی فائل کو کھولا، جہاں ماہین کے بارے میں پہلے سے جمع کی گئی معلومات رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے آنکھوں سے ایک ایک کاغذ پلٹتے ہوئے، پورے منظر کا جائزہ لیا۔

بس کچھ وقت اور۔۔۔۔ ،اس نے سر گوشی کی۔اور پھر ایک فیصلہ کن نظر کے ساتھ فائل بند کر کے اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے لاکر کی جانب بڑھ گئی۔نورین نے فیصلہ کر لیا تھا اور اب وہ پیچھے مڑ کر نہیں دیکھے گی۔

****

حیدر کو بنا بتائے وہ باہر ٹیرس پہ نکل آئی تھی۔آہستہ سے دروازہ بند کیے وہ ریلنگ کے ساتھ نیچے زمین پر بیٹھ گئی۔
چند منٹ وہ یونہی خلا میں دیکھتی رہی کہ پھر کسی نے پیچھے سے پکارا تو وہ متوجہ ہوئی اور سر اُٹھا کر پیچھے کھڑے حیدر کو دیکھنے لگی جو اب اس کے جواب کا منتظر تھا۔

''ادھر کیا کر رہی ہو؟''

کک۔۔۔۔کچھ نہیں ایسے ہی۔لفظ لبوں پہ ہی دم توڑنے کو تیار تھے۔وہ مسکراتا اُس کے پاس فرش پر آ بیٹھا تھا۔

کوئی بات ہے؟پریشان ہو؟''وہ نرمی سے سوال کر رہا تھا۔ایک لمحے کو ماہین کا دل چاہا وہ اُسے سب سچ بتا دے مگر نہیں ابھی دل کی نہیں سننی تھی۔

''میں سوچ رہی تھی کہ ہم اسپین شفٹ ہو جائیں کیونکہ پین میں تو تم ویسے ہی ایڈجسٹ کر چکے ہو مجھ سے شادی کر کے۔''
بات بہت فضول تھی مگر وہ نا جانے کیوں بے اختیار گردن پیچھے پھینکتے ہنسا تھا۔
''میرا شوہر ہنستے ہوئے اور بھی زیادہ ہینڈسم لگتا ہے۔''

اب کے وہ اسے چھیڑ رہی تھی

"I'm speechless"

حیدر کو اس تعریف کی توقع نہیں تھی۔

ماہین اس کے گال میں گہرے ہوتے ڈمپل کو بہت محبت سے دیکھ رہی تھی۔

''میں اپنے ایونٹ پلانر بننے والے خواب پہ کام کرنا چاہتی ہوں۔''
''ہاں تو اب تک شروع کر دینا چاہیے تھا، کیا کیوں نہیں؟''

ماہین نے نرم آواز میں کہنا شروع کیا، میں ہمیشہ سے چاہتی تھی کہ لوگوں کے لیے ایونٹس اور تقریبات کا ۔۔۔ تم جانتے ہو، حیدر انتظام کروں۔ ان کی خوشی دیکھ کر اپنے دل کی خوشی تلاش کروں۔
میں سوچتی ہوں پتا نہیں یہ کام میں کر بھی سکتی ہوں یا نہیں۔ وہ کھوئی کھوئی بولی
حیدر اُس کا چہرہ دیکھتا رہا بنا پلکیں جھپکائے۔
پھر وہ اس کا چہرے اپنے ہاتھوں میں لیے بولا
"جو عورت مجھ جیسے آدمی کو اپنے عشق میں پاگل کر سکتی ہے وہ کچھ بھی کر سکتی ہے''
بکواس نہ کرو۔ وہ چڑ کر بولی تو وہ زیرِ لب مسکرایا۔

حیدر نے نرمی سے اس کا گال تھپتھپایا
''اچھا اب ایک کپ کافی پلا دو اتنا موٹیویٹ کیا ہے تمہیں۔ وہ بھی فری میں۔''
میں نہیں جا رہی، تم جاؤ جا کر اپنے لیے بھی کافی بناؤ اور میرے لیے بھی، میں ذرا اسکن کیئر کر لوں۔ کہتی وہ ٹیرس کا دروازہ کھولنے لگی۔

****

کھڑکی کھلی ہوئی تھی اور باہر کی ٹھنڈی ہوا کا جھونکا اندر آ رہا تھا۔ نوفل کرسی پر آرام سے بیٹھا تھا سامنے والی کرسی پر ایمان بیٹھی اپنے بڑے بھائی کو یک ٹک دیکھ رہی تھی۔

تو پھر، کالج میں سب کیسے جا رہا ہے ؟ کیسا لگ رہا ہے وہاں ؟ ، وہ اچھے موڈ میں سوال کر رہا تھا۔

ایمان نے آہستہ سے نوفل کی طرف دیکھا ٹھیک۔ بس تھوڑا ٹائم لگے گا ایڈجسٹ ہونے میں۔

"کسی سے دوستی ہوئی کلاس میں ؟"

ہاں جی ایک لڑکی سے۔ وہ مدھم آواز میں بولی

"مزے ہیں بھئی۔ اب تو سلیبس بھی اتنا کم ہو گیا ہے یقین کرو ہمارے ٹائم پہ اس سے کئی زیادہ برڈن ہوتا تھا اسٹوڈنٹس پہ۔"

کیا مطلب آپ کے ٹائم میں ؟ کیوں آپ قائد اعظم کے ساتھ کالج جاتے رہے ہیں کیا؟ عجیب۔ وہ جھنجھلا کر بولی۔ نوفل بے اختیار ہنسنے لگا۔

آج ہماری پریزنٹیشن تھی۔ میرا اے گریڈ آیا۔ ٹیچر نے بھی اتنی تعریف کی۔ ایمان نے چمک کر ادا سے کہا،

ارے واہ مجھے تو لگتا تھا تم بس اناج کی دشمن ہو، ایمان۔ وہ ستائشی انداز میں بولا

"بس بھائی یہ سب آپ کی دعاؤں کا اثر ہے۔ جو آپ کرتے نہیں ہیں۔"

نوفل بلاشبہ ایک بہت اچھا بیٹا اور بھائی تھا۔ اچانک فون کی گھنٹی بجی تو وہ اسکرین پر متوجہ ہو گیا۔ چہرہ غیر معمولی طور پر سنجیدہ ہو گیا۔ منسا کا میسج آیا تھا اور وہ اُس میسج کو پڑھتے اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''میں تم سے آ کر بات کرتا ہوں۔''

بھابی کا فون ہے ؟ ، اس نے نوفل سے پوچھا جس پر وہ ''ہاں'' کہہ کر رُکا نہیں تھا اور ایمان نے اسکرین پر جس لڑکی کا نام دیکھا تھا وہ منسا تھا جبکہ بھائی نے تو گھر ''اشمل'' نام کی لڑکی سے شادی کی بات کی تھی۔''

ایمان کے دماغ میں سوالات کی بھرمار ہو گئی تھی۔ وہ سر جھٹکتی آگے بڑھ گئی۔

''بھائی کی کوئی دوست ہو گی۔''

****

اعتبار کا آئینہ
از علیہا زاہد

باب نمبر:14

ہم خود سے جھوٹ بولتے ہیں
دل میں جو ہے، اُسے چھپاتے ہیں
خود کو تسلی دیتے ہیں کہ سب ٹھیک ہے
حالانکہ اندر کچھ اور ہوتا ہے

خوابوں میں، ہم خود کو سنبھالتے ہیں
دوسروں کے سامنے ہنستے ہیں
مگر جب تنہائی میں گزرے لمحے
آنکھوں کے سامنے منڈلاتے ہیں تو
آنکھوں میں کونے میں سسکیاں ہوتی ہیں

ہم خود کو کہتے ہیں، سب کچھ ٹھیک ہے
لیکن ہر روز دل کی گہرائی میں کچھ ٹوٹتا ہے
چپکے سے ہم اپنے آپ کو تسلی دیتے ہیں
اور پھر حقیقت سے دور بھاگنے لگتے ہیں

ہم خود سے جھوٹ بولتے ہیں
خود کو یقین دلاتے ہیں
کہ دریا کی گہرائی میں خشکی نہیں
دل میں، دماغ میں کوئی شور نہیں

اعتبار کا آئینہ
از علیہا زاہد

حالانکہ اندر ایک طوفان ہوتا ہے

مگر ایک دن، جب حقیقت سامنے آتی ہے
ہمیں اپنے جھوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے
تب ہم سمجھتے ہیں کہ سچائی سے دوری
دھیرے دھیرے ہم میں سے
ہماری ہی ذات کو مٹا دیتی ہے

اسی لیے، خود سے جھوٹ بولنا چھوڑ دینا چاہیے
دلی سچائی کو تسلیم کر لینا چاہیے
کیونکہ سچائی ہمیں آزاد کرتی ہے
اور جھوٹ ہمیشہ ہمیں اسیر رکھتا ہے

جب ہم خود سے جھوٹ بولتے ہیں
تو ہم اپنے اندر کا سکون کھو دیتے ہیں
ہر بار ایک نیا بہانہ تراشتے ہیں
اور ہر بار حقیقت مزید دور ہو جاتی ہے

ہم اپنے دل کی آواز کو دبا دیتے ہیں
صرف اس خوف سے کہ حقیقت سے ٹوٹ نہ جائیں
لیکن ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ جھوٹ کا بوجھ
آخر میں ہمیں اور بھی کمزور کر دیتا ہے

اعتبار کا آئینہ
از علیہا زاہد

ہر جھوٹ ایک نیا دروازہ بند کرتا ہے

اور ہم بند کمرے میں قید ہو جاتے ہیں

جہاں تک ہم پہنچنا چاہتے ہیں

وہ روشنی، دھندلائی سی نظر آنے لگتی ہے

ہم اپنے دکھوں کو خود سے چھپاتے ہیں

دوسروں کے سامنے مسکراہٹیں سجاتے ہیں

لیکن جب رات گہری ہوتی ہے

ہمارا دل پھر ادھورا اور ٹوٹا رہ جاتا ہے

ایک وقت آتا ہے جب جھوٹ بے اثر ہو جاتا ہے

جب دل کا بوجھ اتنا بڑھ جاتا ہے

تب ہم خود سے سوال کرتے ہیں

"کیا واقعی یہ جھوٹ ہمیں سکون دے سکتا ہے؟"

آخری سانسوں میں ہمیں یہ حقیقت سمجھ آتی ہے

کہ انسان اپنے بولے جھوٹ خود سے

صرف خود کو ہی نقصان پہنچاتا ہے

سچ کا راستہ مشکل ضرور ہوتا ہے

مگر یہ ہمیں خود سے جڑنے کا موقع دیتا ہے

سچ آپ کے راستے کا پتھر، گلے کا کانٹا نہیں بنتا

اسی لیے اب اپنے دل کی سنو

جھوٹ سے خود کو آزاد کرو اور بول لو سچ خود سے

کیونکہ حقیقت میں چھپی ہوتی ہے ایک نئی روشنی

جو ہمیں نئے سرے سے جینے کی طاقت دیتی ہے

جو سچ بولنے پر تم سے دور ہو جائے اُسے دور ہو جانے دو

کوئی جا رہا ہے چھوڑ کر تو جانے دو

کوئی آنا چاہتا ہے تو آنے دو

****

وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے برش لئے مغموم، گم صم سی بیٹھی تھی۔ جب حیدر نے کھلے دروازے سے اندر جھانکا۔

اب بھی نہ آتے، ڈنر ڈیٹ تو تم نے کینسل کر ہی دی تھی فون پر۔ وہ ناچاہتے ہوئے بھی شکوہ کر بیٹھی۔

میں نے جان بوجھ کے کینسل نہیں کی، بہت بری طرح پھنس گیا تھا۔ اُس نے فوراً بات کاٹی

یہ باتیں تم اُن کو بتاؤ جن کو تمہارا پتا نہیں۔ وہ خفگی سے بولی

یار مجھے صفائی کا موقع تو دو۔ وہ چند قدم چل کر قریب آیا۔

ایک شرط پہ۔ اُسے وہاں بیٹھے دیکھ کر لمحے بھر کو رکا۔

حیدر، تمہیں یاد ہے نا وہ فون جو اشمل کا ٹوٹ گیا تھا کل مجھ سے؟، وہ روانی سے کہہ رہی تھی۔

ہاں پر اُس میں تمہاری کوئی غلطی نہیں تھی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

''شاید، لیکن اشمل بہت آپ سیٹ لگ رہی تھی، اُسے نیا فون دلانے کا سوچ رہی تھی میں۔''

ہاں تو دلا دو۔ وہ بے نیاز سا بولا

تم اشمل کو نیا فون گفٹ کر دو وہ خوش ہو جائے گی اور میں تمہیں آج کا ڈنر کینسل کرنے پر معاف بھی کر دوں گی۔ اس نے بڑی آسانی سے حل نکال لیا تھا۔ وہ لمحے بھر کو خاموش رہا پھر والٹ سے نکالتے ماہین کی طرف بڑھایا

"میرا کارڈ یوز کر کے اشمل کو فون گفٹ کر دو۔ وہ تمہیں معاف کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگائے گی۔''

اس نے برا منایا ''مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، تمہیں لگتا ہے میں ایک فون نہیں افورڈ کر سکتی؟''

''میں نے ایسا کب کہا؟''

میں نے تم سے فون دلانے کو اس لیے کہا تھا کیوں کہ وہ تمھاری کزن ہے حیدر، اسے شاید میرا فون دینا اوڈ لگے۔ ماہین کی خفگی میں کمی نہیں آئی تھی

''اور میں ایسا نہیں کر سکتا، سوری۔''

کیوں؟، وہ حیرت سے بولی

''کیونکہ ماہین میں کسی لڑکی پہ اس قسم کے احسان کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔''

کس قسم کے؟، اُسے سمجھ نہیں آیا تھا کہ حیدر کا اشارہ کس طرف تھا

"Maheen I shouldn't gift anything to a girl who's not you , I hope you get it"

اب وہ اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے اسے نرمی سے سمجھا رہا تھا، میں اپنی بیوی کے علاوہ کسی عورت پر ایسی مہربانیاں کرتا اچھا نہیں لگتا۔

او کے، وہ سمجھنے والے انداز میں بولی۔ اس بات کے بعد ماہین پہ یہ انکشاف نئے سرے سے ہوا تھا کہ اُس کا شوہر ہر لحاظ سے ایک بہترین آدمی تھا۔

****

میں نے امی اور بابا سے بات کر لی ہے، وہ اب تم سے شادی کا ذکر نہیں کریں گے۔اس کے لب پھڑ پھڑاتے

وہ لمحے بھر ہو ہچکچائی

تمہیں تھینک یو بولتے بولتے میرا اب منہ تھکنے لگا ہے، اس انسان کے اس پر بہت احسان تھے جن کا وہ چاہ کر بھی حساب برابر نہیں کر سکتی تھی۔ وہ قرض منسا ظہیر ساری زندگی ادا نہیں کر سکتی تھی۔

تیمور نے مسکرا کہا، اور میرا تمہیں یہ بتاتے کہ بار بار تھینک یو کہنے کی ضرورت نہیں ہے تمہاری خوشی میرے لئے سب سے زیادہ اہم۔ تمہاری زندگی میں ہر فیصلہ تمہاری مرضی سے ہونا چاہیے۔

ایک لمحے کے لئے، دونوں کی نظریں ملیں، اور اگلے ہی لمحے منسا نظریں چُرا گئی۔

"تھینکس۔"

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد وہ بولی

"Anything for you "

اس نے نرمی سے کہا۔

اب سب ٹھیک تھا کیوں کہ تایا ابو اور تائی امی مان گئے تھے۔

****

آدھی رات کا وقت تھا، کمرہ دھندلی روشنی میں ڈوبا ہوا تھا اور اشمل اپنے بستر پر لیٹی کروٹیں بدل رہی تھی تھکاوٹ کے باوجود وہ سو نہیں ہو رہی تھی۔ موبائل کی اسکرین پر ایک نیا نوٹیفکیشن آیا۔

ٹھر کی فیصل نمودار ہوا۔ سرمئی آنکھوں میں غصے کی جھلک آئی۔

کیا کر رہی ہیں آپ؟ ،اشمل نے میسج دیکھ کر فون سائیڈ پہ رکھ دیا

سین کر لیا، جواب کیوں نہیں دیا؟ ، جھٹک سے دوبارہ میسج آیا تھا

"تمہاری مسکراہٹ بہت پیاری ہے۔اُسے میری طرف بھیج دو۔"

"Send me a smiley face "

اشمل نے تصیح کی

اور مسکراہٹ ہے، کتے کا بچہ نہیں جو تمہاری طرف بھیج دوں۔اس نے بہت ضبط سے لکھا تھا

فیصل کے پیغامات کا سلسلہ رات بھر جاری رہا اور ہر میسج کے ساتھ اشمل کا دل بے زار ہوتا چلا گیا۔ کبھی اس کی کالز آتیں، تو کبھی مزید پیغامات۔ اگر وہ اس وقت نوفل سے بات نہ کر رہی ہوتی تو شاید وہ اپنا ٹوٹا ہوا فون دیوار میں مار کر مزید زخمی کر دیتی۔اس نے نوفل کو خدا حافظ بول کر موبائل کو ایک طرف رکھا

"سو جاتی ہوں، ورنہ اس کی بکواس سے موڈ مزید برباد ہو جائے گا۔"

وہ بار بار کالز کر رہا تھا اور اشمل جے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔

"فیصل، مجھے تمہاری مسلسل کالز اور پیغامات نے پریشان کر دیا ہے۔اب اگر مجھے تمہارا میسج آیا تو۔۔۔"

تو؟؟؟؟، سامنے سے فوراً جواب آیا

تو میں نہ صرف تمہیں ہر جگہ سے بلاک کروں گی بلکہ صبح پروجیکٹر پر تمہارے ٹاپک کی جگہ تمھارے سب کرہپی میسج چمک رہے ہوں گے۔

پیغام بھیجتے ہی اس کا دل مطمئن ہوا جیسے یہ دھمکی کافی تھی سامنے سے میسج پڑھ لیا گیا تھا مگر جواب نہیں آیا تھا

گڈ، وہ خود سے کہتی دوبارہ آنکھیں بند کرنے لگی۔

کچھ دیر بعد فیصل کا دوبارہ میسج آیا

"غصہ ٹھنڈا ہوا؟"

میسج پڑھ کے اشمل کا بس نہیں چل رہا تھا وہ اس کا منہ توڑ دے پھر اس نے گہری سانس لی اور اپنا فون پاور آف کر دیا۔
کیسے کیسے گدھے پیدا کر لیتے ہیں لوگ۔اور آخری لائٹ بھی آف کر دی، کمرے کا منظر غائب ہو گیا۔

****

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر اچانک نوفل نے اپنی طرف اسے متوجہ کیا

کل رات منسا نے مجھ سے رابطہ کیا تھا، وہ اشمل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کہہ رہا تھا۔

کون منسا؟، سرمئی آنکھوں میں سوال اُٹھا تھا۔

وہ ہماری جونیئر ہے، یاد نہیں؟ تمہیں اس کے بارے میں بتایا تھا۔وہ اب وضاحت دے رہا تھا۔

اشمل نے سر کو ہلکا سا جھکایا، اوہ
''اور یہ تم مجھے کیوں بتا رہے ہو؟''
کیونکہ یہ باتیں آپ کو پتا ہونی چاہیے میڈم کہ میں کس سے بات کر رہا ہوں، کیا بات کر رہا ہوں۔وہ حیران ہوئی

اس کے انکل ایک میوزک پروڈیوسر ہیں اور منسا نے ایونٹ پہ میری آواز سن کے اپنے انکل سے بات کی ہے میرے بارے میں

یہ ایک گولڈن چانس ہے نوفل۔وہ نرم پڑی۔

ہے تو سہی لیکن۔۔۔نوفل کی آواز میں ایک قسم کی الجھن تھی

لیکن ویکن کا ٹائم نہیں ہے یہ۔۔۔ نوفل ایسے موقعے زندگی بار بار نہیں دیتی، وہ اب اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھے اُسے سمجھا رہی تھی۔

ٹھیک ہے میں اس سے کہوں گا کہ میں اس کے انکل سے ملنے کے لیے تیار ہوں، نوفل کا لہجہ قدرے پھیکا تھا

ویسے عجیب بات ہے، اشمل سر جھکاتے بولی

کیا؟ ، نوفل نے گھبرا کر آنکھیں اٹھائیں

"تمہیں اس کے ساتھ زیادہ بات کرنی چاہیے تھی۔ کم از کم میں جیلس تو ہوتی۔"

آپ کو جیلس ہونے کا موقع ہی تو نہیں دینا محترمہ۔ وہ اطمینان سے بولا۔

اشمل مسکرا دی اشمل نے بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے نوفل کو ایک لمحے کے لیے دیکھا، پھر سر جھکاتے بولی
"میں اگلا لیکچر نہیں لوں گی، کیفے جا رہی ہوں پھر سیدھا گھر۔"

نوفل نے اس کی بات پر سر ہلا دیا، اوکے میڈم۔

****

کلاس روم میں خاموشی تھی اشمل اور عائشہ ساتھ بیٹھی ادھر ادھر کی باتوں میں مگن تھیں۔اچانک اس کے فون کی وائبریشن سے پورے کمرے کی خاموشی ٹوٹ گئی۔اشمل نے فون کی سکرین پر نظر ڈالی،اور ایک انجان نمبر سے آنے والی کال دیکھ کر تھوڑی دیر کے لیے حیرت زدہ ہو گئی۔

یہ کس کا نمبر ہے؟،وہ گھبرائی

ہیلو؟ ،اس نے معمول کی طرح جواب دیا مگر سامنے سے جو آواز آئی وہ اس کے لیے غیر متوقع تھی۔

"میڈم،آپ کا پارسل ہے اور میں آپ کی یونیورسٹی کے گیٹ نمبر تھری پر کھڑا ہوں آپ آکر رسیو کر لیں۔"

اشمل کا دماغ ایک لمحے کے لیے ساکت ہو گیا۔میرا پارسل؟وہ بھی یونیورسٹی ایڈریس پہ؟وہ کچھ لمحوں تک خاموش رہی،پھر بولی پارسل؟میں نے کوئی پارسل نہیں منگوایا۔

"جی میڈم،یہ آپ کا ہی پارسل ہے۔"

اوہ،دو منٹ،میں آتی ہوں۔اشمل نے بے دلی سے کہا اور فون بند کر دیا۔وہ کچھ سمجھی نہ پائی کہ پارسل آیا کہاں سے تھا لیکن پھر بھی اسے جا کر دیکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی تھی۔

کیا بات ہے؟ ،عائشہ نے اشمل کو اچانک فون بند کرتے ہوئے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

کچھ نہیں،بس ایک پارسل آیا ہے،مجھے گیٹ نمبر تھری پر جانا ہے۔اشمل نے جلدی سے جواب دیا اور اپنا بیگ اٹھا لیا۔

میں ساتھ چلتی لیکن میری کلاس ہے کمپیوٹر کی۔عائشہ اشمل کو دیکھتے بولی

اشمل نے سر ہلا دیا اور دروازے کی جانب بڑھنے لگی۔اس کے قدم تیز تھے۔

یونیورسٹی کا گیٹ نمبر تھری نسبتاً پرامن تھا یہاں بہت کم لوگ آتے جاتے تھے۔لیکن جیسے ہی اشمل نے گیٹ کے قریب پہنچی اس کی نظریں سامنے کھڑے شخص پر ٹھہر گئیں جو ایک چھوٹے سے پارسل کے ساتھ کھڑا تھا۔اس کے ہاتھ میں ایک براون پیکیج تھا۔

اس نے آدمی کے ہاتھ سے پارسل پکڑ لیا تھا مگر اس کا دل تیز دھڑک رہا تھا۔کچھ عجیب سا احساس تھا۔وہ چاہ کر بھی اس صورتحال کو معمولی نہیں مان پا رہی تھی۔

واپس مڑنے سے پہلے، گیٹ کی طرف،اس نے ایک آخری نظر اس شخص پر ڈالی۔

کلاس میں واپس جانے کے بجائے وہ وہیں ٹھہر کر پارسل کھولنے لگی۔اس کا تجسس اسے اس قدر بے چین کر رہا تھا کہ وہ اب مزید انتظار نہیں کر سکتی تھی۔

اشمل نے پارسل پر ایک نظر ڈالی اور پھر احتیاط سے اس کا ٹیپ کھولا۔جیسے ہی اس نے پیکیج کھولا پیکج کے اندر ایک چھوٹا سا نوٹ تھا جس کے ساتھ کچھ عجیب چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ایک پائیل،ایک کلپ،ایک انگوٹھی ساتھ لگے نوٹ پر کچھ لکھا تھا۔اشمل نے نوٹ کو کھولا اور پڑھنا شروع کیا

"آپ کی یہ چیزیں اب آپ کے پاس میری امانت ہیں،آپ کی جان بھی۔"

وہ سانس لینا بھول گئی تھی۔پیکج میں موجود تصاویر کو اشمل شرمندگی کے مارے دیکھ بھی نہیں پائی تھی۔

یااللہ لب پھڑپھڑائے۔اس کا جسم اب کانپ رہا تھا۔

فون پر کال آنے لگی نمبر اجنبی تھا۔اشمل نے فوراً کال اٹھائی اور دوسری طرف وہی آواز سنائی دی جس سے اشمل زبیر کو دنیا میں سب سے زیادہ نفرت تھی۔

کیا تم نے پارسل کھولا؟ ،وہ سنجیدگی سے سوال کر رہا تھا۔

ہاں،وہ سنبھل کر بولی۔

دوسری طرف سے جواب نہیں آیا اور کال اچانک بند ہو گئی اشمل ایک دم ساکت ہو گئی۔اس کا دل گھبرا رہا تھا،اور اس کے ذہن میں جو سوالات پیدا ہوئے تھے،وہ اب خوف کی شکل اختیار کر چکے تھے۔

اشمل کی آواز لرز رہی تھی،ہیلو؟؟ ہیل۔۔۔
کارڈ پر گلیٹر پین سے لکھے پیغام کی چمک اشمل زبیر کو اندھا کر دینے کے لیے کافی تھی۔
اُس نے کارڈ پہ لکھے نمبر کو سیو کر لیا تھا وہ جانتی تھی کہ ابھی تک اس نے جو قدم اٹھایا تھا وہ درست نہیں تھا یوسف سے رابطہ کرنا بے وقوفی تھی مگر اب اور کوئی آپشن بھی نہیں تھا۔

اور اگر نوفل کو کچھ پتا چل گیا تو؟ ،کوئی اندر سے سر اُٹھا کر بولا تھا

تو تم ہمیشہ کے لیے اندھیرے میں رہ جاؤ گی۔اس نے ٹوٹی آواز سے خود ہی خود کو جواب دے دیا تھا

اشمل کی تمام دنیا ایک لمحے میں تبدیل ہو گئی تھی۔

اس نے موبائل بیگ میں رکھا اور قدم آگے بڑھا دیے۔اگر کچھ تھا جو اسے جاننا چاہیے تھا،تو وہ اس کے بارے میں پتہ کر ہی لے گی
۔

****

اگلے دن نوفل کلاس روم میں بیٹھا تھا،اور جیسے ہی اس کا موبائل وائبریٹ ہوا،اس نے فوراً اسکرین پر نظر ڈالی۔اس پر ایک نیا میسج آیا تھا،منسا کا۔

"نوفل کیا ہم کچھ دیر بات کر سکتے ہیں؟"

نوفل نے فوراً جواب دیا،شیور،کیا ہوا؟

"دوسری طرف منسا کا جواب آگیا۔پتا نہیں کیوں مگر آج دل بہت بھاری ہے۔

نوفل کی نظر اس میسج پر تھوڑی دیر تک رکی اور پھر اس نے فوراً اس کا جواب دیا،کیا ہوا منسا؟

تھوڑی پرسنل بات ہے،نوفل۔مگر شاید۔۔مجھے کوئی۔۔۔کوئی سننے والا چاہیے تو آئی ہوپ۔۔۔آپ۔۔اِف اِٹس اوکے ود یو۔وہ ہچکچاتے ہوئے بولی

تم کہو میں سن رہا ہوں،منسا۔جو تم بھی کہنا چاہو،میں یہاں ہوں۔نوفل نے نرمی سے کہا

دوسری طرف منسا کا میسج آیا۔اس میں ایک لمبی خاموشی تھی،جیسے وہ کچھ وقت کے لیے سوچ رہی ہو۔پھر آہستہ آہستہ،اس نے اپنی باتوں کا آغاز کیا۔

نوفل، میں کبھی آپ کو اپنی زندگی کا یہ پہلو نہیں دکھانا چاہتی تھی، مگر شاید اب میں تھک گئی ہوں۔ میرے پیرنٹس کی موت بہت اچانک ہوئی تھی۔ ایک دن وہ گھر میں تھے، اور اگلے دن مجھے ان کی آواز سننے کو نہیں ملی۔ کچھ عرصہ پہلے کا واقعہ ہے، اور اب بھی وہ لمحے میری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ میں سو نہیں پاتی اور میں اب رو بھی نہیں پاتی۔
اس نے نوفل سے وہ سب کچھ کہا تھا جو وہ پہلے کبھی کسی سے نہیں کہہ پائی تھی۔

منسا، مجھے بہت افسوس ہے۔ اللہ ان کی مغفرت کرے، یہ اتنا بڑا دکھ ہے ہم جیسے لوگ تو تمہاری اذیت کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ میں تمہارے لیے واقعی دل سے معذرت خواہ ہوں۔

منسا نے پھر سے کچھ لمبے وقفے کے بعد جواب دیا
سب کچھ اتنا تیزی سے ہوا تھا، نوفل۔ وہ ایک دن میرے ساتھ تھے، اور اگلے دن مجھے ان کے جانے کا پتہ چلا۔ میری دنیا ایک لمحے میں بدل گئی۔ میں خود بھی کبھی نہیں جان پائی کہ کیا ہوا تھا۔ بس ایک بہت بڑا خلا چھوڑ گئے تھے وہ دونوں۔ میں آج تک اس چیز کو پروسیس نہیں کر سکی۔

نوفل نے تسلی دینے کی کوشش کی، یہ کوئی معمولی صدمہ نہیں، منسا۔ میں سمجھ سکتا ہوں کہ تم کیا محسوس کر رہی ہو۔ اور تمہارے لیے یہ تکلیف سہنا بہت مشکل رہا ہو گا۔ لیکن ان دونوں کی محبت تمہارے ساتھ ہمیشہ زندہ رہے گی۔"

منسا نے پھر سے میسج کیا، اور اس میں ایک ہلکا سا غم تھا۔ ایسا ہی ہے وہ دونوں ہمیشہ میرے دل میں زندہ ہیں، اور مجھے ان کی یادیں کبھی نہیں چھوڑیں گی۔ لیکن بعض اوقات، میں سوچتی ہوں کہ کیا وہ میری زندگی میں دوبارہ شامل ہو سکتے ہیں؟ کیا میں کبھی ان کا درد بھول پاؤں گی؟ جب نعمت چھن جاتی ہے تب ہی قدر کرنا کیوں آتی ہے؟

نوفل نے فوری طور پر جواب دیا، تم ان کا درد نہیں بھول سکتی، اور نہ ہی تمہیں ایسا کرنے کی ضرورت ہے۔ وہ تمہارے ساتھ ہمیشہ ہیں، اور تمہیں بس ان کی یادوں میں جینا سیکھنا ہو گا۔ انکی دعائیں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہیں، پھر چاہے خود وہ تمہیں نظر نہ آئیں۔"

منسا نے پھر ایک لمحے کے لیے خاموشی اختیار کی اور پھر اس کی طرف سے ایک آخری پیغام آیا۔ کبھی کبھی انسان کی بس یہی ضرورت ہوتی ہے کہ کوئی سننے والا ہو، کوئی ایسا ہو جو بس سن لے، جو جج نہ کرے۔

Thank you for listening

" You're welcome "نوفل نے جواب دیا

منسا نے اس کے میسج پر ہارٹ ری ایکٹ کر کے چھوڑ دیا۔

کلاسز کے بعد نوفل اور اشمل کیفے چلے گئے۔ کیفے میں پہنچنے پر، نوفل نے اشمل کو اپنے سامنے کرسی کھینچتے بیٹھتے دیکھا، جو اپنے بال کی لٹ کو انگلی پہ گھماتی ہوئی کچھ سوچ رہی تھی۔ نوفل کچھ پریشان نظر آیا تھا

وہ پوچھے بنا رہ نہیں سکی، تم ٹھیک ہو؟

"نوفل نے سرسری سا جواب دیا" جی

"دادی کو مجھ سے آج کل بہت مسئلے ہونا شروع ہو گئے ہیں"

"کیا ہوا؟ انھوں نے کوئی بات کی؟"

نہیں، پر ضروری تو نہیں نہ ہر بات کہہ کر ہی کی جائے، میں ان کی خاموشی کو پڑھنا جانتی ہوں اور مجھے پتہ ہے کہ اب وہ مجھے پہلے کی طرح پسند نہیں کرتیں۔ اس نے افسردگی سے کہا

نوفل نے ایک نرم مسکراہٹ کے ساتھ کہا، کسی نے آپ کو اپنی دنیا کا سب سے ضروری انسان بنا لیا ہے اور آپ اس بات پر دل بُرا کر رہی ہیں کہ فلاں آپ کو اب پہلے کی طرح پسند نہیں کرتا؟

"وہ فلاں جب آپ کا قریبی ہو نہ تو آپ کا دل یہ سوچ کر بُرا ہی ہوتا ہے کہ اب اس فلاں کو آپ سے محبت نہیں رہی۔"

وہ نرمی سے سانس اندر کھینچتا کہنے لگا

یاد ہے ایک بار آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ نوفل دکھوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ ان سے نظریں چھڑانے والا بزدل ہوتا ہے۔اور آپ نے مجھ سے کہا تھا اگر کبھی تم کمزور پڑو، تو تمہیں یاد رکھنا چاہیے کہ تم اکیلے نہیں ہو، کیونکہ اشمل تمہارے ساتھ ہے۔آج میں وہی سب باتیں آپ سے کہنا چاہتا ہوں۔

اشمل کے گلے میں گلٹی ابھری مگر نوفل نے بات جاری رکھی تھی،اشمل، میں پہلے نماز پڑتا تھا تو میں دعا نہیں کرتا تھا، بس یونہی سلام پھیر کے اٹھ جاتا تھا لیکن جب سے آپ میری زندگی میں آئی ہیں میری دعائیں لمبی ہو گئی ہیں، میرا دعا مکمل کرنے کو دل ہی نہیں چاہتا۔

''کیوں؟''

''کیونکہ مجھے ڈر لگتا ہے۔''

کس بات سے؟ ،وہ حیرت سے اُسے دیکھ رہی تھی

مجھے ڈر لگتا ہے کہ آپ کی خوشی کے لیے کوئی دعا رہ نہ جائے، میں لوگوں سے کچھ نہیں مانگتا، اپنے گھر والوں سے بھی نہیں۔کسی کے سامنے اپنی خواہشات کا اظہار تک نہ کرنے والا، اللہ تعالیٰ سے آپ کے بارے میں گھنٹوں بات کرتا ہے۔میں اللہ سے یہ بھی کہتا ہوں کہ ایک دن اشمل کو میری محبت کا یقین آجائے اور اس بات کا بھی کہ میں ان کے حصے کا ہر دکھ سہنے کو تیار ہوں۔

سرمئی آنکھوں سے دو موٹے موٹے آنسو گود میں آکر گرے تھے۔اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کہے۔نوفل اس کے ہاتھ کو نرمی سے تھامے بولا

''سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

وہ اُسے سنجیدہ دیکھ یک دم بولا

" Alexa play if the world is ending I wanna be next to you "

جس پر اشمل ہنسنے لگی''رہنے دو تم تو،اس فون کا مائیک اتنا خراب ہے کہ اس میں تمہیں میری آواز ٹھیک سے نہ آئے، الیکسا بیچاری تو دور کی بات ہے۔

''ہاں جی ہر ذی روح بیچارا ہے آپ کی کتاب میں سوائے نوفل کے۔''

وہ منہ بنائے بولا تو وہ ہنسنے لگی۔

وہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے نوفل نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا، آفٹر یو

وہ باہر نکلی تو سڑک پر نظر دوڑائے کہنے لگی

" It was good "

نوفل نے دروازہ کھولتے ہوئے پوچھا، "چائے؟"

" No Your confession "

وہ تو آپ فری نہیں کرتی ورنہ ہر سانس کے ساتھ آپ کو ایسا کنفیشن سننے کو ملے۔اب وہ اسے چھیڑ رہا تھا

"تھینک گاڈ۔"

****

ماہین اور حیدر اس وقت شہر کے مشہور سوشی بار میں بیٹھے تھے۔سوشی بار کا اندرونی منظر کسی جاپانی طرز کے سوشی بار کی طرح تھا۔ جس میں ہلکے ٹونز اور سادہ لیکن خوبصورت ڈیزائن کا استعمال کیا گیا تھا۔

ماہین اور حیدر کی میز چمکدار جاپانی چینی کے برتنوں سے سجی ہوئی تھی جہاں سوشی کی تین مختلف اقسام رکھی ہوئی تھیں۔

اور پھر اس کسی نے کہا تھا کہ اگر آج دیر تک بیٹھا تو کل آفس جانا مشکل ہو گا، ماہین نے ہنستے ہوئے حیدر سے کی نقل اتارنے کی کوشش کی۔

یار جانے بھی دو تین سال ہو گئے ہیں اس بات کو، ویسے تمہاری باتیں سن کر مجھے لگتا ہے کہ یہ طعنہ میری قبر تک میرا پیچھا کرے گا

وہ اُسے نرمی سے ٹوک رہا تھا

ماہین ایک اور لقمہ سوشی کا منہ میں ڈالا۔

"میرا موڈ خراب کرنے میں تم نے ماسٹرز کیا ہوا ہے"

پی ایچ ڈی۔ حیدر نے تصیح کی

کل حرا کا میسج آیا ہوا تھا، کہہ رہی تھی حیدر تمھیں تنگ تو نہیں کرتا؟ اگر کبھی کرے تو بتانا میں اس کے خلاف کیس لڑوں گی اب بیسٹ فرینڈ کو وکالت کے فائدے نہیں دوں گی تو کس کو فیورز کروں گی۔ وہ نزاکت سے بتا رہی تھی۔

یقیناً اُس کو پھر اندازہ نہیں کہ تم کتنی ٹیلنٹڈ ہو اور تمہارے پاس کتنے طریقے ہیں جو تم اپنے شوہر کو چپ کرانے کے لیے استعمال کر سکتی ہو۔ وہ مزے سے بولا

جن میں آنکھ کا اشارہ سرِ فہرست ہے۔ ماہین نے ہنستے ہوئے حیدر کا جملہ مکمل کیا۔

"ویسے تمہیں اپنی بیوی کو اپریشیئٹ نہیں کرنا آتا"

ہر وقت ذہن میں آپ کا خیال رہتا ہے بیگم صاحبہ بتائیں بھئی اور کتنا اپریشیئٹ کروں آپ کے اس کالے جادو کو جو آپ نے مجھ پہ کیا ہے مس ماہین؟

وہ اس کی باتوں سے محظوظ ہو رہا تھا۔

ماہین نے سوشی کی ایک اور ٹکڑی کاٹتے ہوئے حیدر کی طرف دیکھا اور کہا" تمہیں یاد ہے جب ہم نے لاسٹ ٹائم جو ریسٹورانٹ ٹرائے کیا تھا؟ اس کا ٹیسٹ کتنا عجیب تھا نا؟" اُسے نا جانے کیا یاد آیا تھا۔

حیدر نے مسکرا کر جواب دیا، ہاں، کیونکہ میں تم سے ناراض تھا۔

ماہین نے نا سمجھی سے پوچھا، ک۔۔۔ کیا مطلب؟

کم آن، اب اتنا بدلہ تو میں لے ہی سکتا ہوں۔ وہ اب مدھم آواز میں اعتراف کر رہا تھا۔

''کتنے بُرے ہو تم، تم مجھ سے ایسے بدلے پورے کرتے ہو؟''

''پہلی اور آخری دفعہ ہی کیا تھا پر میری بیوی کو ایمانداری کو شاید اپریشیئٹ نہیں کرنا آتا، نیور مائینڈ۔''

سوشی بار کی فضا میں ان کی ہنسی کی آواز مل کر ایک الگ ہی خوشبو محسوس ہو رہی تھی

ماہین کی نظر ایک اور پلیٹ پر رکھی سوشی پر پڑی اور اس نے ایک اور لقمہ اٹھایا۔ حیدر

یس؟، وہ متوجہ ہوتے سوال کر رہا تھا

"کچھ نہیں۔"

ہاں، ہاں آئی لو یو مور میری جان۔ اپنی گردن پیچھے کیے وہ اب دوبارہ ہنسنے لگی تھی اور ماہین کو ہنستا دیکھ حیدر کو اس لمحے ماہین سے پہلے سے زیادہ محبت ہو گئی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی باتوں میں محو تھے۔

اگر تمہیں دنیا کی سب سے حسین جگہ پر میرے ساتھ چلنے کا موقع ملے تو تم کہاں جاؤ گے؟ ، ماہین نے ایک نیا سوال اٹھایا

"جنت میں۔"

ماہین نے لب سکوڑ کر اوہ کہا

حیدر نے سر جھکایا اور پھر فوراً ہنس کر کہا، اس لیے کہتا ہوں نماز پڑھا کرو، پھر کہو گی کہ جنت میں اکیلے انجوائے کر رہا ہے

ہاں، ہر دفعہ روٹین بنانے کا سوچتی ہوں لیکن اس بار مجھے واقعی سوچنا ہے سیریس ہو کے۔ اور ایک اور بات تمہیں جنت کا تو پتا نہیں پر گھر میں مجھ سے وی آئی پی ٹریٹمنٹ ضرور ملے گا آج۔ ماہین تاسف سے بولی

حیدر نے ایک مسکراہٹ کے ساتھ اس کی آنکھوں میں دیکھا

آئی ڈونٹ مائنڈ، سو جاؤں گا صوفے پہ، وہ بڑبڑایا

ماہین نے ہنستے ہوئے جواب دیا، گڈ فوریو۔

حیدر نے پھر اس کی طرف ایک نرم سی نظر ڈالی

"تمہیں شاید اس بات کا یقین نہ آئے پر۔۔۔۔ مجھے خود پر ہر وہ سانس بھاری محسوس ہوتی ہے جب تم میرے قریب نہیں ہوتی۔

ماہین نے بظاہر لاپرواہی سے شانے اچکائے "Cringe"

" You are my soulmate"

وہ ماہین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بولا

"اپنی ہیں یاں گوگل کرتے ہو؟"

"کیا؟"

"Cheesy lines"

حیدر نے اس کے جواب میں ہنستے ہوئے سر ہلایا، جیسے وہ بھی اس بات سے اتفاق کرتا ہو۔

" Chat gpt "

پاگل۔وہ بڑبڑائی

اس نے کچھ دیر تک ماہین کے چہرے پر نظریں مرکوز کیں، پھر آہستہ سے کہا

"مجھے خود بھی نہیں پتہ میں کیوں پاگل ہوں تمھارے لیے۔"

بس کرو حیدر مجھے لگ رہا ہے مجھے شوگر ہو جائے گی۔وہ محظوظ ہو رہا تھا

اب تم بتاؤ تم دنیا کی کس جگہ میں میرے ساتھ چلو گی؟،اس نے بالآخر اس سے پوچھ ہی لیا۔

"دنیا کے ہر کونے میں، سوائے جہنم کے۔"

وہ زیرِ لب مسکرایا

"آپ کا شوہر حافظِ قرآن ہے ڈونٹ وری۔"

ماہین کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا " I'm speechless"

اب چلیں؟،وہ پوچھ رہا تھا

''جی، چلیں۔''

یہ سنتے ہی اس نے ویٹر کو اشارہ کیا۔

****

فون پر ایجنٹ کی آواز سنائی دی جو نورین کو کوئی اہم خبر دے رہا تھا۔

میم،ماہین حیدر کے اکاؤنٹ سے ہر تین دن بعد ایک مخصوص اکاؤنٹ میں ایک خاص رقم منتقل ہو رہی ہے۔اور یہ سلسلہ مسلسل دو ماہ سے جاری ہے۔ایجنٹ کی آواز میں سنجیدگی تھی۔

نورین اس خبر کو سنتے موم بتی کی روشنی میں چمکتے ہوئے اپنے ڈائمنڈ نیکلس پر انگلیاں پھیرتے مسکرا رہی تھی۔

''Very interesting''

اور کچھ؟ ،نورین نے سوال کیا

ایجنٹ نے تھوڑی دیر کے لیے خاموشی اختیار کی پھر آگے بتایا

اگر ہم ماہین میڈم کی کال ہسٹری کی بات کریں،تو آپ کو یہ سن کر حیرت ہو گی کہ وہ گیارہ مہینے سے مسلسل ایک خاص نمبر سے رابطے میں ہیں۔سب سے زیادہ کالز اسی نمبر سے کی گئی ہیں۔

"اور یہ خاص نمبر کس کا ہے؟"

"میں نے ڈیٹیلز نکلوائی ہیں، مگر اس کا پتہ لگانے میں تھوڑا وقت لگے گا۔"

نورین کھل کر مسکرائی۔ گڈ

ایجنٹ نے فون پر مزید تفصیل بتانے کی کوشش کی لیکن نورین نے جلدی سے اسے ٹوک دیا"ابھی میں بزی ہوں"نورین نے کر فون بند کر دیا۔ نورین کا دماغ تیز رفتاری سے چل رہا تھا۔ ہاتھ میں موجود ہار کی چمک کو دیکھتے ہوئے مزید رازوں کی کھوج میں تھی۔ ماہین اور حیدر شاہ کا رشتہ، حیدر کی نورین کے لیے بے رخی، اور ماہین کی کال ہسٹری، سب کچھ اس کے ذہن میں کسی ٹیپ کی مانند چل رہا تھا۔

اب دیکھتے ہیں، ماہین میڈم، تم کس طرح اپنے راز چھپاتی ہو۔ وہ جانتی تھی کہ اسے آگے کیا اور کیسے کرنا ہے۔

تمھاری گول گول آنکھوں سے اب میں کنچے کھیلوں گی ماہین آئی پرامس۔"نورین بڑبڑاتے، خود سے بات کرتے ہوئے یک دم قہقہ لگانے لگی۔

نورین نے فوراً اپنے اسسٹنٹ کو فون کیا اور کہا، ایسا کرو شام والی میٹنگ کینسل کر دو میری طبیعت نہیں ٹھیک، اور فون بند کر دیا

****

منسا اور تیمور گاڑی میں بیٹھے تھے سڑک کے دونوں طرف لہراتی روشنیوں میں گزرنے والی گاڑیاں ان کے ارد گرد تھیں۔

اس نے منسا کو بے چین دیکھا تو نرمی سے پوچھا، منسا، کیا ہوا؟ تم خاموش ہو، کوئی بات ہے؟

"تیمور، مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے... لیکن میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی۔"
کوئی بات نہیں، تم بتاؤ۔ مجھے سن کر پریشانی نہیں ہو گی۔ وہ اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔
"میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ مجھے یہ سب ایسے بتانا پڑے گا"

تیمور نے گاڑی کی رفتار کو تھوڑا سا سست کر لیا بولا کچھ نہیں۔ منسا کا دل فوراً تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔

پھر وہ نظریں رُائے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے بولی، **عمیر**۔

عمیر... تیمور نے ہلکی سی حیرانی کے ساتھ اس کا نام دہرا کر پوچھا۔

"کون عمیر؟"

وہ نہایت احتیاط سے بولا۔

وہی عمیر جس کو تم ایک نمبر کا گھٹیا لڑکا کہا کرتے تھے اور میں اس کو ڈیفینڈ کرتی تھی کہ نہیں وہ ایسا نہیں ہے۔ وہ افسوس سے بولی اور تیمور کو اچانک یاد آ گیا تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ وہ کونسے عمیر کی بات کر رہی تھی۔
ارے ہاں... تیمور نے اپنی نظریں سڑک پر مرکوز کرتے ہوئے کہا، اب یاد آیا۔ وہ عمیر جس کے ساتھ تمہاری انٹر میں دوستی تھی اور...؟

منسا نے ہچکچاتے ہوئے کہا، "ہاں، وہی عمیر۔" پھر کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اس نے مزید بتایا" میں نے وہ پکچرز اسی کو بھیجی تھیں لیکن جب اس نے اس چیز کی روٹین بنالی تو میں نے انکار کر دیا اور وہ میرے انکار کی وجہ سے مجھ پہ غصہ ہو گیا اس نے قسم اٹھائی کہ وہ مجھے کہیں منہ دکھانے کے لائق نہیں چھوڑے گا اور اس نے وہ سب تمہیں مجھ سے بدلہ لینے کے لیے بھیجا تھا، اس واقعے کے دو

دن بعد میں نے اسے بہت کالز کیں پہلے اس کا نمبر بزی جا رہا تھا مگر پھر کچھ گھنٹے بعد اس کا فون بند ہو گیا، آج تک دوبارہ آن نہیں ہوا وہ نمبر۔۔۔" منسا کی آواز اس کے الفاظ کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

تنگ تو نہیں کر رہا وہ پھر سے ؟ ، وہ اب فکر مندی سے سوال کر رہا تھا۔

"نہیں، میں چاہتی تھی تمھیں سب سچ بتا کر جاؤں، تمھیں پتا ہونا چاہیے"

منسا کی آواز میں ایک ہچکچاہٹ تھی

تیمور نے فوراً گاڑی کی رفتار کم کر دی سڑک پر چلتی ہوئی گاڑیاں، ان کی روشنی، اور ماحول کے سب رنگ جیسے اچانک مدھم پڑ گئے تھے۔ اس کا دماغ ان تصاویر اور منسا کی باتوں میں گم ہو گیا۔ اس نے اپنی نظریں سڑک سے ہٹا کر منسا کی طرف دیکھنا شروع کیا۔ اس کی آنکھوں میں کوئی خاص تاثر نہیں تھا، بس ایک خالی سی خاموشی، جیسے وہ پوری بات کو ہضم کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

منسا کی نظریں نیچے جھکی ہوئی تھیں آنکھیں برسنے کو تیار تھیں۔
"تیمور، وہ وقت... وہ تصاویر، میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی ہیں"
اس کے دل میں منسا کے لیے جو محبت اور یقین تھا وہ ان بے تکی باتوں سے کہیں بڑھ کر تھا۔ وہ اسے کسی بھی نادانی کی بنا پر اس حالت میں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

منسا... تیمور بہت دھیمے اور نرم لہجے میں بات کر رہا تھا۔
تم نے جو کچھ کیا، وہ تمہاری مرضی نہیں تھی، اگر مرضی تھی بھی تو تم اس وقت نادان تھی اپنی عقل اور شعور کے مطابق تمہیں جو ٹھیک لگا تم نے وہی کیا اب کوئی کم ظرف تمہاری غلطی کو اچھال رہا ہے اگر تو تمھیں اس پر خود کو قصوروار نہیں ٹھہرانا چاہیے۔

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی، لیکن تیمور۔۔۔اب جب میں ان سب باتوں پر سوچتی ہوں، تو مجھے لگتا ہے کہ میں نے کچھ ایسا کیا جسے میں شاید خود بھی کبھی معاف نہیں کر سکوں گی۔ کل کو جب کوئی اور اس بارے میں جانے گا تو وہ بھی مجھے معاف نہیں کرے گا

تیمور نے آہستہ سے گاڑی کی رفتار بڑھائی اور سڑک پر نظریں مرکوز کیں، پھر گہری سانس لی۔ منسا، ہر شخص اپنی زندگی میں ایسے فیصلے کرتا ہے جن پر وہ بعد میں پچھتاتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمھیں اپنی غلطیوں کے ساتھ جینا سیکھنا نہیں چاہیے۔ جو ہوا، وہ گزر گیا، اور تم اب جو کر رہی ہو، وہ بہت اہم ہے۔ تمہیں اپنے فیصلوں پر افسوس نہیں کرنا چاہیے، بلکہ انہیں اپنی زندگی کا حصہ سمجھ کر آگے بڑھنا چاہیے۔

منسا نے سر اٹھایا لیکن پھر بھی ذہن میں بہت ساری باتیں اُبھر رہی تھیں۔

شاید، لیکن اگر... منسا نے آہستہ سے کہا۔

تیمور نے گاڑی کو ایک طرف روکا اور پھر اس کی طرف مڑتے ہوئے کہا، تمھیں کسی چیز کا خوف نہیں ہونا چاہیے، منسا۔ وہ واپس نہیں آئے گا آئی پرامس۔

''میں تم سے وہ سب کچھ چھپاتی آئی ہوں، جو مجھے سب سے پہلے تمہیں بتانا چاہیے تھا۔''

" Then tell me something I don't know "

تیمور نے سنجیدگی سے کہا اور منسا کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا

''مزاق کر رہا ہوں یار تم اپنی بات جاری رکھو۔''

میں جانتی ہوں کہ تم ہمیشہ میری ہیلپ کرو گے تیمور، لیکن پھر ان سب باتوں کو تم سے ڈسکس نہ کرنا... مجھے لگتا تھا کہ میں کہیں نہ کہیں خود کو دھوکہ دے رہی ہوں اور تمہیں بھی۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

وہ فوراً بولا

منسا کچھ لمحے کے لیے خاموش رہی۔اس کے دماغ میں عمیر اور نوفل کے بارے میں کئی سوالات ابھر رہے تھے۔

"پھر بھی تمہیں میرا چھپانا برا لگا ہو تو آئی ایم سوری"

تیمور نے مسکرا کر اس کے ہاتھ پر نرم سا دباؤ ڈالا، بھئی تم سوری بولتے ہوئے نہیں سوری بلواتے ہوئے اچھی لگتی ہو

منسا نم آنکھوں سے ہنسنے لگی

" You're my support system "

اس اظہار کے لیے تو تیمور کب سے مرا جا رہا تھا۔کہاں کہاں کی خاک نہیں چھانی تھی اُس نے منسا سے اپنے لیے یہ بات سننے کی خاطر۔

منسا، جب تک تم نہیں چاہو گی، تب تک تمہیں کبھی اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔اور تمہیں کبھی بھی یہ نہیں لگے گا کہ تمہارے ساتھ کوئی نہیں ہے۔

''اور اگر میں تم سے کہوں گی کہ مجھے میرے لیے چھوڑ دو؟''

تو پھر تیمور اس دن منسا کی مرضی کو اپنی فیلنگز پہ ترجیح دے گا۔وہ زخمی سا مسکرایا

مجھے فضا کی طرف ڈراپ کر دو۔منسا نے اپنی نظریں تیمور سے ہٹائے بغیر کہا۔

منسا کے دل میں ایک نیا بوجھ آ گرا تھا ایک بوجھ جسے وہ اب مزید نہیں جھیلنا چاہتی تھی۔

اسے ڈراپ کر کے وہ جب گھر واپس آیا تو اس کے دماغ میں اب تک کچھ دیر پہلے والی باتیں گونج رہی تھیں اس کے سر میں شدید درد ہو رہا تھا وہ آنکھیں بند کیے صوفے پر سر ٹکائے کنپٹی مسلنے لگا۔ بند آنکھوں کے سامنے وہی منظر پھر سے نمایاں ہونے لگا

"تم شاید اس بات کے بعد مجھے کبھی ٹرسٹ نہ کرو"

تیمور، وہ جو کچھ بھی ہوا، جو بھی میں نے کیا... وہ سب میرے لیے ایک بہت بڑی غلطی تھی۔ اور میں جانتی ہوں کہ جب تک تمہیں مکمل سچ نہیں بتاؤں گی، میں اس گلٹ کے ساتھ کبھی بھی آگے نہیں بڑھ سکوں گی۔

تیمور، میں نے اس وقت جو کچھ کیا، وہ غلط تھا۔ میں عمیر سے...، وہ جو کچھ بھی تھا... میں نے اس کے ساتھ جو کچھ بھی کیا، اس کے لیے میں آج تک خود بھی اپنے آپ کو معاف نہیں کر پائی۔ لیکن میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ آئندہ۔۔۔۔ اسکی آواز تیمور کے دماغ میں گونج رہی تھی۔ وہ ابھی تک ان سب باتوں کو ہضم نہیں کر پا رہا تھا۔

میں جانتی ہوں کہ تمہارے لیے یہ سب بہت مشکل ہو گا، اور شاید تم مجھ سے ناراض بھی ہو، لیکن تمہیں یہ سب بتانا ضروری تھا تیمور۔ تمھیں پتا ہونا چاہیے تم کس لڑکی سے شادی کرنے جا رہے تھے۔

"منسا... میں ماضی کی غلطیوں پہ جج کر لینے والے آدمیوں میں سے نہیں ہوں"
تیمور کو اپنی کہی بات یاد آئی تھی۔

یہ سب مجھے صرف اور صرف مزید درد کی طرف لے جا رہا ہے۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ مجھے خود سے پہلے سے زیادہ گھن محسوس ہوتی ہے

میں یہ سب سمجھتا ہوں، منسا۔ لیکن میرا تم سے شادی کرنے کا فیصلہ تمہارے ماضی کی ایسی کروڑ غلطیاں بھی نہیں بدل سکتیں۔ وہ نرمی سے سمجھا رہا تھا۔

****

اشمل کا دل بے قابو ہو رہا تھا۔ وہ کارڈ کو ہاتھ میں پکڑے ہوئے مسلسل فون پر کال کر رہی تھی۔ پچھلے پندرہ منٹ سے وہ یہی کر رہی تھی اور ہر بار جب کال ریسیو نہ ہوتی، اس کا اضطراب بڑھتا جاتا۔

کیا وہ شخص جان بوجھ کر کال نہیں اٹھا رہا تھا؟ بے شمار سوالات ذہن میں گردش کر رہے تھے۔

آخر کار اس نے مایوسی کے عالم میں فون کو بیڈ پر پھینک دیا اور دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے کو چھپاتے اپنی بے چینی کو بھی چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

یا اللہ، وہ خود سے بڑبڑائی اور پھر چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس نے فون دوبارہ اٹھایا۔ اس نے کئی بار اس نمبر پر کال کی تھی لیکن کسی نے بھی فون نہیں اٹھایا۔ ہر بار اس کا دل جیسے دھڑکنا چھوڑ دیتا اور وہ بے چینی سے فون کو دوبارہ لگاتی اب امید تھی کہ شاید اس بار جواب ملے گا۔

ذہن اُلجھا ہوا تھا۔ چند لمحے گزرے اور پھر اچانک فون کی اسکرین پر ایک نوٹیفیکیشن ظاہر ہوا اس نے دوبارہ کال ملائی اور اس دفعہ کال ریسیو کی گئی تھی۔ اشمل نے فوراً فون کان کے مزید قریب کر لیا دل پہلے سے زیادہ تیز دھڑک رہا تھا۔

ہ۔۔۔ہیلو؟" اشمل نے بمشکل کہا نظریں بے چینی سے سامنے لگے آئینے پر جمی ہوئی تھیں۔

دوسری طرف خاموشی تھی اور پھر ایک بیزار سی آواز سنائی دی۔

"لگتا ہے آپ نے پہچانا نہیں"

تم واپس کیوں آئے ہو؟، وہ سنبھل کر بولی

معذرت، بس آپ کی یاد ستاتی رہی اتنے مہینے اور کچھ ضروری کام تھا، تو آنا پڑا۔ یوسف کی بھاری آواز سنائی دی بکواس بند رکھو اپنی۔ وہ دبا دبا سا چلائی۔

"مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے، تم آئے تو کسی مقصد کے تحت ہی ہو اور مجھے وہ مقصد جاننا ہے۔"

دوسری طرف سے چند لمحے کی خاموشی رہی اور پھر ایک ہنسی سنائی دی۔ اب تم جاننا چاہتی ہو؟ اب؟ جب اس سب کا وقت گزر چکا؟

اشمل کا دل تیز تیز دھڑک رہا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس بات کا کیا مطلب تھا اور وہ اس سے اس طرح بات کیوں کر رہا تھا ک—— کیا مطلب؟ ، وہ ہکلاتے ہوئے بولی۔"

تمہیں یہ سب جاننے کی ضرورت نہیں۔ آواز میں ایک طنز اور چیلنج کی جھلک تھی۔ وہ آپ سے تم تک کا سفر سیکنڈز میں طے کر گیا تھا۔

کیوں؟؟ ، وہ بات کاٹتے بولی

یہ سب چھوڑیں آپ ایک کام کر دیں پلیز، اس گلدستے میں سے ایک پھول نکال کر اپنے بالوں میں لگا کر تصویر تو بھیج دیں ذرا میں بھی آنکھیں ٹھنڈی کر لوں۔

آنکھیں ٹھنڈی نہیں تم جہنم میں جلنے کی تیری کرو۔ وہ غرائی اور یہ کہتے اس نے فون بند کر دیا مگر اس کے ہاتھ اب تک کانپ رہے تھے۔ دماغ ماؤف ہو گیا تھا۔

اگر یوسف نے کچھ خراب کر دیا تو؟ ، اشمل نے دل میں خود سے سوال کیا، دل کی حالت اب بے حد بے چین ہو چکی تھی۔ اور اس وقت وہ اس بے چینی کا سامنا کرنے کے لیے تیار نہیں تھی۔

اشمل کی نظریں مسلسل فون کی سکرین پر جمی ہوئی تھیں، لیکن کوئی جواب نہیں آیا۔ اس کا دل تیز تیز دھڑک رہا تھا اور وہ بے چین ہو کر ایک طرف کو گھوم کر بیٹھ گئی۔ اس نے پھر سے فون اٹھایا اور ایک آخری بار وہی نمبر سیلیکٹ کیا اور میسج ٹائپ کرنا شروع کیا۔ اس بار اس کا ہاتھ کچھ زیادہ کانپ رہا تھا، اور وہ بے اختیار اس سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی کہ کیا وہ ٹھیک کر رہی ہے؟ کیا وہ اشمل کو بس ڈرا رہا ہے؟

"کیا مجھے کسی سے شیئر کرنا چاہیے؟"

مجھے یہ سب خود ہی ٹھیک کرنا ہو گا۔ اسے اب اپنا دل ٹوٹتا محسوس ہو رہا تھا۔

حیدر آفس کی آرام دہ کرسی پر بیٹھا تھا ایک ہاتھ میں کافی کا کپ تھا اور دوسرا ہاتھ ٹیبل پر بکھرے ہوئے فائلز اور نوٹس کی ترتیب دے رہا تھا۔ سامنے ایونٹ پلانر تھا، جو نہایت دھیان سے حیدر کی باتوں کو سن رہا تھا، اور اس کے سر ہلانے کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ ہر ایک بات سمجھ رہا ہے۔

سب کچھ مجھے پلان کے مطابق چاہیے" حیدر نے حکم دیا۔"اور ہاں، تھیم ہو گی **بیچ اینڈ براؤن**۔"

کوئی غلطی نہ ہو۔ Make sure

''ایونٹ پلانر نے سر ہلا کر کہا، جی، سر ڈونٹ وری۔

حیدر نے ایک لمحے کے لیے اسے دیکھا پھر کافی کے کپ کو نیچے رکھ کر تنبیہ کی، مجھے اس ایونٹ کا ہر پہلو پرفیکٹ چاہیے۔

وہ نوٹس بناتا سر اُٹھا کر کہنے لگا

"آپ فکر نہ کریں، سر، یہ برتھ ڈے آپ کی توقعات سے بڑھ کر ہو گا۔"

پھر اس نے ہاتھ سے ایک اشارہ کرتے بولا

"ٹھیک ہے، تم جا سکتے ہو"

وقار اثبات میں سر ہلاتا اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ گیا تو حیدر کی مسکراہٹ مزید پھیل گئی، اُسے کبھی کسی بھی ایونٹ کو پلان کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی سوائے ماہین کے برتھ ڈے کے۔ اُسے ماہین کے برتھ ڈے کے سارے انتظامات خود دیکھنے تھے۔ وہ ایک کامیاب بزنس مین تھا، مگر زن مریدی کا پریشر فی الحال اس کا کانفیڈینس تباہ کر رہا تھا۔

چند لمحوں بعد، حیدر بوجھل طبیعت کے باعث گھر کی طرف روانہ ہونے لگا۔

گھڑی پر بارہ بج گئے تھے اور ماہین حیدر کے منہ پر بھی۔ وہ ساتھ لیٹی بے آواز سسکیاں لے رہی تھی۔ حیدر نے اُسے وِش تک نہیں کیا تھا، اُسے ماہین کا برتھ ڈے بھول گیا تھا۔ روایتی مردوں کی طرح وہ بھی شادی کے بعد بدل گیا تھا۔ حیدر ابھی تک اپنی نیند پوری

کر رہا تھا اس کی حالت سے بے خبر۔اس نے کوئی خاص فرق نہیں محسوس کیا تھا کہ اس کی بیوی اس کے ساتھ لیٹ کر روتی رہی تھی۔وہ اپنی دنیا میں مگن تھا اور ماہین کا دل حیدر کی لاپرواہی نے توڑ دیا تھا۔

وہ چاند جسے حیدر خاص محسوس کروانے کے لیے سب کچھ کرتا تھا اب وہی چاند اپنی روشنی گنوا چکا تھا۔یہ تبدیلی ماہین کے لیے تکلیف دہ تھی۔

وہ کمرے میں نیون لائٹ کی نرم روشنی میں چھپ کر اپنے دکھ کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔وہ احساس کوڑے کھانے جیسا تھا کہ اس کا شوہر اب اسے اتنی اہمیت نہیں دیتا جیسی پہلے دیتا تھا۔

کیا ہر مرد شادی کے بعد ایسے ہی بدل جاتا ہے؟"وہ مایوس تھی لیکن خود کو سمجھا رہی تھی کہ شاید حیدر غلطی سے بھول گیا ہو۔کیا وہ اپنی زندگی کے سب سے اہم شخص کو آہستہ آہستہ کھو رہی تھی؟ماہین کے دل میں بے شمار سوالات تھے اور ان سوالات کا جواب صرف حیدر کے رویے میں چھپا تھا مگر کچھ جواب شاید اب کبھی نہیں ملنے والے تھے۔اس کی آنکھوں میں ماضی کی محبت اور موجودہ حقیقت کی تلخی کا فرق واضح تھا۔شادی سے پہلے حیدر اس کی ہر بات کو اہمیت دیتا تھا ہر چھوٹی سی بات بھی اس کے لیے خصوصی ہوتی تھی۔وہ یاد کر رہی تھی کہ کیسے حیدر اس کی سالگرہ پر ایک خاص پلان بناتا تھا،دن بھر کالز پہ بات کرتا تھا۔

اب وہی حیدر جس کے لیے وہ چاند کی طرح تھی،اب اس چاند کی روشنی ماند پڑ جانے سے اس کے شوہر کو کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا۔شاید یہ چاند ہمیشہ اس کے قریب رہنے کی وجہ سے اب اپنی روشنی کھو چکا تھا۔

کیا محبت کی شادیاں بھی ایسی ہوتی ہیں؟کیا مرضی کا مرد بھی شادی کر کے خوار کرتا ہے؟

ایک اور آنسو ماہین کی آنکھ سے گرا،اور اس نے آہستہ سے آنکھیں صاف کیں۔وہ جانتی تھی کہ اگر وہ حیدر سے اس بارے میں بات کرے گی،تو اس کا ردعمل شاید ویسا نہ ہو جیسا وہ چاہتی تھی۔

وہ مجھے اب اتنا اہم کیوں نہیں سمجھتا؟، پسند کی شادی کر کے مرد بدل جاتا ہے اور عورت کی نگاہیں ہمیشہ کے لیے شوہر پہ رک جاتی ہیں۔ وہ اس سے بد گمان ہو رہی تھی۔

حیدر کا نیند میں ڈوبا چہرہ اب ماہین کو زیادہ تکلیف دے رہا تھا، اور اس نے آہستہ سے کمبل کو اپنے اوپر درست کیا، آنکھیں بند کیں لیکن دل میں بے چینی کی لہر محسوس کی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس رات کے بعد سب کچھ کیسے بدلنے والا تھا، مگر وہ چاہتی تھی کہ وہ سچ کو جان سکے، چاہے وہ سچ کتنا ہی تلخ کیوں نہ ہو۔ حیدر کی کھانسنے کی آواز نے ماہین کی سوچوں کا تسلسل توڑ دیا۔ وہ ایک لمحے کے لیے چونکی، اور فوراً حیدر کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اس کا دل تیز تیز دھڑک رہا تھا، اور اس نے اسے دیکھنے کی کوشش کی کہ وہ کس حال میں تھا۔ حیدر کی آنکھیں بند تھیں، اور اس کا جسم قدرے ٹوٹا ہوا لگ رہا تھا۔ وہ گہرے سانس لے رہا تھا اور پھر اچانک اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا، **میرا دل بہت گھبرا رہا ہے، ماہین۔**

وہ فوراً اس کے قریب ہو گئی اور پریشانی سے اس کی طرف جھک کر کہا، کیا ہوا حیدر؟ تم ٹھیک ہو؟

حیدر بمشکل بولا، ڈرائیور سے کہو، مجھے ہاسپٹل لے چلے۔

ماہین کی حالت جیسے مفلوج ہو گئی۔ وہ فوراً ہمت کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

وہ فوراً موبائل نکال کر ڈرائیور کو کال کرنے لگی، مگر اس کے ہاتھ لرز رہے تھے یہ لمحہ اُس کی زندگی کا سب سے زیادہ مشکل وقت تھا۔

ڈرائیور کے نمبر پر رابطہ کرتے ہوئے اس نے کہا، اسلم، حیدر کو فوراً ہاسپٹل لے کر جانا ہے، گاڑی نکالو جلدی۔

وہ اپنی بے ترتیب سانسوں کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔اس کی حالت سے ماہین کا دل اور بھی زیادہ دہل رہا تھا۔

"حیدر، بس تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔ ہم ہاسپٹل جا رہے ہیں، بس تم پینک نہ کرو، ٹھیک ہے؟"

"میں تمہیں نہیں چھوڑنا چاہتا، ماہین۔"

حیدر کی حالت دیکھ ماہین کے آنسوؤں کے سیلاب کو اب رستہ مل گیا تھا۔

حیدر کو ہاسپٹل لے جانا، اس کی اوّل ترجیح تھی۔ماہین کی حالت اب مکمل طور پر بکھر چکی تھی۔گاڑی میں بیٹھے ہوئے وہ ایک لمحے کے لیے بھی پُر سکون نہیں نظر آئی تھی۔اس کی نظریں حیدر کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں، جو ابھی تک سانس لینے میں مشکل محسوس کر رہا تھا۔حیدر کے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ مسلسل سسکیاں لے رہی تھی۔

جلدی کرو، ماہین کی آواز میں اضطراب اور بے بسی تھی،

ڈرائیور نے فوراً گاڑی کی رفتار بڑھا دی ماہین کی نظریں حیدر کے چہرے پر مرکوز رہیں۔

"حیدر، تمہیں کچھ نہیں ہو گا، میں تمہارے ساتھ ہوں، ہم ہاسپٹل پہنچ جائیں گے، بس تم ٹھیک ہو جاؤ۔"

حیدر نے اس کے ہاتھ کو اپنی انگلیوں میں تھام کر ہلکی سی مسکراہٹ دینے کی کوشش کی۔

یااللہ پلیز حیدر کو ٹھیک کر دیں، وہ یہ ایک جملہ بار بار اپنے دل میں دہرا رہی تھی۔اس کے ساتھ اتنی یادیں جڑی ہوئی تھیں، اتنی محبتیں، اور اتنی امیدیں، اور اب جب اس کا شوہر تکلیف میں تھا، تو وہ اپنی بے بسی کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

کتنا دور ہے ہاسپٹل ؟، وہ اتنی بے تاب تھی کہ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ خود گاڑی کے اسٹیرنگ پر ہاتھ رکھے اور اسے فوراً ہاسپٹل لے جائے۔

بس بی بی جی آٹھ منٹ اور۔ ،ڈرائیور نے گاڑی کی رفتار مزید بڑھادی تھی مگر حیدر کی حالت میں کوئی بہتری نہیں آرہی تھی۔

حیدر کی آنکھیں آہستہ آہستہ بند ہو رہی تھیں اور اس کی سانسیں تیز اور بے ترتیب ہو رہی تھیں۔ماہین نے فوراً اس کا ہاتھ پکڑا اور اس کے قریب ہو گئی، حیدر، آنکھیں بند نہ کرو پلیز، تمہیں کچھ نہیں ہو گا، تمہاری ماہین تمہارے ساتھ ہے۔

یہ کہہ کر وہ حیدر کے جسم کو سنبھالنے لگی لیکن اس کے دل میں وہ خوف اور بے چینی تھی جو ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ گاڑی اچانک رک گئی، اور ماہین کا دل ایک دم سے دہل اٹھا۔اس نے فوراً نظر اٹھا کر ڈرائیور کو جھنجھلاہٹ سے دیکھا اور بپھر کر کہا **تم پاگل ہو؟اس کی طبیعت خراب ہے اور تم نے گاڑی روک دی؟اتنا وقت نہیں ہے، ہم ہاسپٹل جا رہے ہیں !اس کی آواز میں بے حد اضطراب تھا۔**

ڈرائیور، جو پہلے سے ہی کسی گہری پریشانی میں ڈوبا ہوا لگ رہا تھا، آہستہ سے گاڑی سے نکل گیا، لیکن ماہین کی نظروں میں کوئی بھی تسلی نہیں تھی۔اس کا دماغ الجھا ہوا تھا، اور اس کے اندر بڑھتی ہوئی بے چینی کی لہریں اس کی آواز میں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

لیکن پھر، جب ڈرائیور نے گاڑی کے دروازے سے باہر قدم نکالا، وہ خالی نظروں سے پیچھے حیدر کی طرف دیکھنے لگا۔ماہین نے اس کی حرکت پر نظریں اُٹھائیں تو ایک لمحے کے لیے اسے کچھ سمجھ نہیں آیا۔

حیدر، جو پورے راستے سینے پر ہاتھ رکھے اور آنکھیں بند کیے ہوئے تھا، اب اچانک گاڑی سے اُتر کر دروازہ کھولنے کے لیے باہر آ چکا تھا۔ اور جب ماہین نے حیدر کو مسکراتے ہوئے دروازہ کھولتے ہوئے دیکھا، تو اس کا دل ایک لمحے کے لیے رُک سا گیا۔

ماہین کی آنکھیں بے ساختہ کھل گئیں، لیکن اسے ابھی تک یہ نہیں سمجھ آیا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا تھا۔ کیا حیدر نے اس کا مذاق بنایا تھا؟ وہ اتنی دیر سے جس تکلیف سے گزر رہا تھا، کیا وہ سب محض ایک مذاق تھا؟

حیدر کا چہرہ مسکراہٹ سے روشن تھا، اور اس کی آنکھوں میں وہ پرانی چمک واپس آ گئی تھی اس نے ایک قدم بڑھایا، اور باقاعدہ ماہین کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا، آ جاؤ، ہم پہنچ گئے ہیں۔

ماہین کی آنکھیں حیرانی سے پھیل گئیں۔ اس کے دماغ میں مختلف سوالات چل رہے تھے — **کیا حیدر کی طبیعت ٹھیک ہے؟ کیا وہ ---؟ کیا یہ سب کچھ مذاق تھا؟** لیکن اس کا دل ابھی تک تذبذب میں تھا۔

حیدر! ماہین کی آواز میں بے یقینی تھی۔ اس نے قدم آگے بڑھایا۔ کیا اس کا شوہر اس وقت صحت یاب ہو گیا تھا؟ یا پھر یہ سب کچھ صرف ایک دھوکہ تھا؟ وہ جس کے لیے پریشانی محسوس کر رہی تھی، کیا وہ جھوٹ بول رہا تھا؟

حیدر نے ماہین کی نظروں کا تعاقب کیا اور پھر مسکراتے ہوئے کہا

"میں ٹھیک ہوں، ماہین۔ مجھے کچھ نہیں ہوا تمہارے لیے ایک سرپرائز ہے آؤ۔"

ماہین کا دل گزرے لمحوں کی شدت سے ڈگمگا رہا تھا لیکن اس نے اپنی آنکھوں میں جو سکون دیکھا وہ کسی حد تک غیر متوقع تھا۔ وہ حیدر کا ہاتھ تھامتے ہوئے باہر نکلی اور اس کے ساتھ گاڑی سے اُتر کر چلنے لگی۔

حیدر، تم نے مجھے...ماہین نے غصے اور تکلیف کے ملے جلے لہجے میں کہہ رہی تھی، مگر حیدر نے چپ چاپ اس کا ہاتھ تھامے رکھا۔

آئی ایم سوری پر میں بری ایکٹنگ کر کے پلان خراب نہیں کر سکتا تھا اس لیے تمھیں دلانا پڑا اور تم نے یہ سوچ بھی کیسے لیا کہ میں تمھارا برتھ ڈے بھول گیا؟

ماہین نے گہری سانس لی، میں نے کب کہا ایسا؟

حیدر مسکراتا ہوا بولا، تمھیں تم سے زیادہ جانتا ہوں میں، اوور تھینکنگ کی دکان۔

دل کی دھڑکن اتنی تیز کہ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اسے زیادہ غصہ کس بات پہ آیا تھا؟ حیدر کی تکلیف پہ یا اس کی بے وقوفی پہ؟

"تم ایسا کیسے کر سکتے ہو؟"

حیدر نے اس کے سوال پر کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ چپ چاپ آگے بڑھ رہا تھا۔

حیدر!" وہ دوبارہ اس کے سامنے آئی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر روکا، کیا تمہیں احساس ہے کہ تم نے مجھے کس حد تک ڈرا دیا تھا؟ تمہاری حالت اور پھر یہ سب۔۔یہ سب کیا تھا؟ ،اب کی بار وہ کہتی پھر سے رونے لگی اور حیدر نے اسے اپنے قریب کر لیا، وہ اس پر جھک کر اسکے آنسو صاف کرنے لگا۔

وہ جو کچھ سننا چاہتی تھی، وہ اسے سننے کو نہیں ملا تھا۔

"میں چاہتا تھا کہ میں کچھ ڈفرنٹ کروں۔"

تو تم نے مجھے بے وقوف بنالیا؟ واہ یاں پھر تم یہ ٹیسٹ کر رہے تھے کہ میں تمہاری پرواہ کرتی ہوں یاں نہیں؟ وہ بری طرح تلملائی

۔

نہیں، ماہین۔ آئی سوئیر میں تمہیں ٹیسٹ نہیں کر رہا تھا۔ وہ احتیاط سے بولا

اس لمحے کے بعد، حیدر کی خاموشی اور ماہین کی بے چینی دونوں منظر سے غائب ہو گئیں، جہاں ماہین شاہ کی نظر اچانک اس خوبصورت ڈیکوریشن پر پڑی، جو بیج اینڈ براؤن تھیم میں سجا ہوا تھا۔

حیدر... ماہین کی آواز حیرت زدہ آواز سنائی دی جیسے اس نے ایک ہی لمحے میں سب کچھ کھو دیا ہو، اور ایک ہی لمحے میں سب حاصل کر لیا ہو۔

ماہین نے اس کی طرف دیکھا اور پھر ہال کی طرف نظر دوڑائی

"یہ سب... تم نے یہ سب کچھ تم نے میرے لیے کیا؟"

"حیدر نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا، یس بیگم ہیپی برتھ ڈے

ماہین کے آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ اس نے سر جھکایا اور کہا، حیدر، مجھے لگ رہا تھا اب تمھیں مجھ سے محبت نہیں رہی

وہ اُس کے آنسو پونچھتا کہہ رہا تھا، تم سے محبت نہیں رہی؟ میری جان حیدر شاہ نے تمہارے علاوہ کبھی کسی سے محبت ہی نہیں کی۔

"

ماہین نے اس کی باتوں پر نم آنکھوں سے مسکرا کر سر ہلایا

تمہارا دکھ میرا دکھ ہے، ماہین۔اور تمہاری ہر تکلیف میری تکلیف۔ تمہاری ہر خوشی منانا میری ذمہ داری ہے، تمہیں کبھی ایسا نہیں لگنا چاہیے کہ تم سے پیار نہیں کرتا میں۔ مجھے ہر گزرتے دن کے ساتھ تم سے پہلے سے زیادہ پیار ہو جاتا ہے آئی سوئیر۔

ماہین نے بے چین ہو کر سر اٹھایا اور حیدر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا، **آئی لو یو**

آئی نو۔وہ اب اس کی نقل اتار رہا تھا اور وہ چڑ رہی تھی۔

****

نوفل کال پر اشمل سے بات کر رہا تھا۔ وہ کچھ دیر تک خاموش رہا، پھر آہستہ سے اشمل سے پوچھا، آپ نے گھر ہمارے رشتے کی بات کی؟

اشمل کی طرف سے فوراً کوئی جواب نہیں آیا اور اس کی خاموشی نے نوفل کو مزید بے چین کر دیا۔ وہ فون کے اس پار سے اشمل کی آواز سننے کا منتظر تھا۔

اشمل؟"نوفل نے دوبارہ اس کا نام پکارا تو اشمل خیالوں کی دنیا سے باہر آئی۔

نوفل مجھے نہیں پتا تھا کہ تمہارے لیے یہ سب اتنا سیریس ہو گا۔ ،وہ دھیرے سے بولی

کیا مطلب؟،نوفل کا دل زور سے دھڑکا

مجھے...مجھے لگتا ہے کہ تم خود اس بات کو ابھی نہیں سمجھ پائے ہو کہ شادی کتنا بڑا فیصلہ ہے ویسے بھی مجھے لگتا ہے کہ شاید تم تیار نہیں ہوا تنی جلدی...وہ آہستہ سے بولی

اشمل۔۔۔۔وہ کچھ کہتے کہتے رُکا

''مذاق کر رہی ہوں۔۔اصل میں حالات ایسے تھے بس کہ موقع نہیں ملا۔جب موقع ملا میں فوراً دادی سے بات کر لوں گی۔''

وہ اُسے پریشان ہوتا دیکھ اب وضاحت دینے لگی۔

"لیکن میں انتظار نہیں کر سکتا،اشمل۔میں نے تمھیں بتایا بھی تھا کہ امی نے مجھ سے رشتہ لے جانے کے بارے میں پوچھا ہے۔"

وہ گہرا سانس لیے بولا

"میں جانتی ہوں،نوفل۔میں تمہاری فیلنگز کو بھی سمجھتی ہوں۔لیکن کچھ وقت اور۔۔۔۔"

اور مجھ سے تمیز سے بات کرو، تمھارا آپ فوراً تم میں کیوں تبدیل ہو جاتا ہے، عجیب۔اشمل نے ناراضی سے کہا

نہیں، سوری، جزباتی ہو گیا تھا پتا نہیں چلا میڈم آئندہ نہیں ہو گا، ٹھیک ہے؟ ،فون کی دوسری جانب اشمل مسکرا رہی تھی۔

''اچھا میں بزی ہوں بائے۔''

یہ کہہ کر اشمل نے فون بند کر دیا۔اب نوفل خاموشی سے موبائل کو دیکھ رہا تھا۔وہ جادو کرتی تھی ورنہ نوفل کسی عورت کے لیے اس حد تک دیوانہ کیسے ہو سکتا ہے؟اس نے اشمل سے زیادہ مضبوط اور خود مختار لڑکی آج تک نہیں دیکھی تھی لوگ جب کسی سے محبت کرتے ہیں تو وہ ایک وقت کے بعد آ کر کم ہونے لگتی ہے مگر اشمل زبیر کی محبت ہر گزرتے دن کے ساتھ نوفل کے دل پہ گہرے نشان چھوڑ رہی تھی۔وہ جسے کسی حد تک محبت سمجھ رہا تھا،اس کا دل اب اسی محبت کو عشق کا درجہ دے رہا تھا۔

میچور ہو جاؤ نوفل، نوفل بڑبڑایا

****

منسااور تیمور شاپنگ مال کے اندر چل رہے تھے۔وہ اُسے ڈیزائنر آؤٹ لُٹا پہ لے گیا۔وہ پاکستان چھوڑ کر جا رہی تھی اس لیے وہ آخری لمحے کی خریداری میں مشغول تھی۔

تیمور ہاتھوں میں شاپنگ بیگز کا اور کندھوں پہ پسندیدہ لڑکی کی تمام خوشیوں کا بوجھ لیے اس کے پیچھے چل رہا تھا۔وہ چپ تھا مگر اس کی نظریں منسا کی طرف مسلسل اُٹھ رہی تھیں۔اس کی خاموشی منسا کو اور زیادہ بے چین کر رہی تھی، کیونکہ وہ جانتی تھی کہ تیمور اَپ سیٹ تھا۔وہ کچھ کہہ کیوں نہیں رہا تھا؟اسے شیئر کرنا چاہیے تھا۔

تم ٹھیک ہو؟ ،منسا نے آہستہ سے پوچھا جب وہ شاپنگ کے دوران رک کر کچھ کپڑوں کی طرف دیکھنے لگی۔وہ چاہتی تھی کہ تیمور اس سے کھل کر بات کرے۔

تیمور نے ایک لمحے کے لیے اس کی طرف دیکھا، پھر سر ہلا کر کہا، "ہاں، سب ٹھیک ہے۔" وہ نپے تلے انداز میں بولا

چند منٹ بعد، جب وہ ایک اور اسٹور کے اندر داخل ہوئے، منسا کی نظریں ایک براؤن بیگ دیکھ کر رک گئیں۔وہ اسے ہاتھ میں اُٹھا کر دیکھنے لگی۔

کیسا ہے؟ ،اُسے کا سامنے بیگ لہراتے وہ سوال کر رہی تھی۔

تیمور نے بیگ کو دیکھتے ہوئے سر ہلایا اور نرمی سے کہا" تمہیں پسند آیا؟اتنا کافی ہے۔" پھر خاموشی سے اس نے بیگ کو اُٹھایا اور کاؤنٹر کی طرف چل پڑا۔

وہ جانتی تھی کہ تیمور کچھ چھپانے کی کوشش کر رہا ہے، لیکن وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اب وہ اس سے کچھ نہیں پوچھ سکتی، کیونکہ اس نے اور تیمور نے ایک دوسرے سے باتیں شیئر کرنا چھوڑ دی تھیں۔

دلوں میں بہت کچھ تھا جو ابھی تک وہ دونوں کہہ نہیں سکے تھے مگر زبان تھی کہ ساتھ ہی نہیں دے رہی تھی۔

تیمور نے بیگ گاڑی میں رکھے اور پھر منسا کی طرف رخ کیا۔ اس کے چہرے پر ایک نرم مسکراہٹ تھی، مگر اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی گہرائی چھپی ہوئی تھی، جیسے وہ کچھ کہنا چاہ رہا ہو، مگر الفاظ کہاں سے لائے؟

ہم اپنے پسندیدہ انسان کو کبھی قائل نہیں کر سکتے کہ وہ ہمیں چُنے۔ اُس نے منسا کے قریب سرگوشی کی۔ کمزور لمحات کی حقیقت کو تسلیم کر لینا سب کے بس کی بات نہیں ہوتی۔

منسا نے نفی میں سر ہلایا، نہیں، ایسی بات نہیں ہے، کس نے کہا کہ میں نے تمھیں چھوڑ دیا ہے؟

منسا، تم نے مجھے چنا بھی تو نہیں ناں۔ وہ نے ساختہ شرمندہ ہوئی۔

تیمور کوئی بات نہیں تمھیں عادت ہو جائے گی۔ وہ خوف کو نارمل رکھتے بولی

تیمور نے اسے سر سے پاؤں تک غور سے دیکھا اور پھر ایک گہری سانس لے کر کہا، سب سگریٹ کو یونہی بُرا کہتے ہیں، انسانوں کی عادتیں آپ کو کینسر سے زیادہ ڈیمیج کرتی ہیں، جب آپ اس انسان کی موجودگی کے لیے ترستے ہیں، اس کو سننے کے لیے مرے جا رہے ہوتے ہیں اور وہ آس پاس نظر نہیں آتا تو آپ کو اپنا آپ اُس بھیکاری کی طرح محسوس ہوتا ہے جس کے پاس سے سب اُس کی مجبوری کو سمجھنے کی کوشش کیے بنا گزر جاتے ہیں، کوئی اس کا نہیں سوچتا۔ میں تمھاری موجودگی کو ترس جاؤں گا منسا کیونکہ تم تیمور ولید کی جان لیوا عادت ہو۔

منسا کے خلق میں جیسے کانٹے اُگنے لگے تھے

"تمہیں نہیں لگتا کہ ہم دونوں کو اب اس موضوع پہ دوبارہ بات نہیں کرنی چاہیے؟"

تیمور نے اس کی بات پر خاموشی سے سر ہلا دیا۔ آئی انڈر اسٹینڈ

تیمور نے گاڑی کو اسٹارٹ کیا۔ دونوں کے درمیان پورے راستے کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔

منزل جو بھی تھی، سفر تھکا رہا تھا دونوں کو۔

اگر اُس کے لیے یہ چیز مشکل تھی تو آسان منسا کے لیے بھی کچھ نہیں تھا۔

تیمور، تم ٹھیک ہو؟ ، منسا نے خاموشی کو توڑنے کی کوشش کی۔

تیمور نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا، میں ٹھیک ہوں۔

تمہیں لگتا ہے کہ یہ سب کبھی نارمل ہو پائے گا؟ ، تیمور کی نظریں اب سیدھی سڑک پر مرکوز تھیں۔

مجھے نہیں پتا، تیمور۔ لیکن اگر تم اس طرح بی ہیو کر کے مجھے گلٹی فیل کروانا چاہتے ہو تب بھی بتا دو مجھے۔ منسا نے اکھڑے انداز میں جواب دیا۔

آئی ایم سوری۔ وہ معافی مانگتے بولا "میں بس چاہتا ہوں کہ تم خوش رہو، چاہے وہ خوشی یہاں ہو یا وہاں۔"

تو پھر رہنے دو نا مجھے خوش تیمور کیوں تم میرے پلانز پہ پانی پھیر رہے ہو؟ ،اُسے پتا تھا کہ یہ سب سننا تیمور کے لیے کتنا تکلیف دہ ہو گا پر دونوں کے لیے یہی بہتر تھا۔

کبھی کبھی زندگی ہمیں ایسے راستوں پر لے آتی ہے جہاں ہمیں وہ سب کچھ چھوڑنا پڑتا ہے جو ہم چاہتے ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہمارے دل میں اس چیز کی چاہت اور اہمیت ختم ہو گئی ہے ہمیں بس اپنے دل کو مارنا پڑتا ہے تاکہ ہم اس راستے پر چل کر کہیں پہنچ سکیں پھر چاہے دل زخمی ہو یا پاؤں، کیا فرق پڑتا ہے۔ منسا نے دھیرے سے کہا۔

تیمور نے سر گھما کر منسا کی طرف دیکھا، **ہاں، پر میں چاہوں گا کہ تمھیں کوئی راستہ تکلیف نہ دے، تمہیں کبھی بھی یہ نہ لگے کہ تم اکیلی ہو۔**

رات کو کمرے میں واپس آ کر تیمور نے موبائل رکھ دیا اور چہرے پر ایک مدھم سی مسکراہٹ سجاتے اپنی تکلیف کو چھپانے کی کوشش کی۔ پھر اس نے گہری سانس لیتے ہوئے، اپنے دل میں خود سے وعدہ کیا، اگر اس کو مجھ سے محبت ہے تو میں اس کے لیے سب ٹھیک کر دوں گا، اور اگر نہیں... تو میں خود کو اس سے آزاد کر دوں گا۔

****

باب نمبر:15

اب میرا ہر شخص اعتبار توڑ چکا ہے

خوابوں کا رنگ پھیکا ہو چکا ہے

محبت کا درخت، اب تنہا ہے

جہاں دل تھا، وہاں آج ایک خلا ہے

رنگین وعدے، اب سیاہ ہو گئے ہیں

دلی جذبات بھی اب کھوکھلے ہو گئے ہیں

کبھی چہرے پر مسکراہٹوں کا جال تھا

مگر پھر بھی آنکھوں میں چھپے آنسو

بے مثال تھے

کبھی میں نے دلوں میں امن سجایا

کبھی اِک اجنبی کو اپنا بنایا تھا

مگر وقت نے مجھ سے میرا اعتبار چھینا

میری محبت نے مجھ سے میرا وقار چھینا

جو کبھی قریب تھے، وہ دور ہو گئے

تکلیفیں اب بھی بہت ہیں، مگر سکون بھی ہے

وفاداری کا درس دے رہے تھے زمانے میں

پھر بھی بے وفا مشہور ہو گئے

ہر ٹوٹے ہوئے وعدے نے مجھے کچھ سکھایا

ہر شخص نے محبت کے نام پہ آزمایا

ہر مرتبہ اعتبار کا ٹوٹنا، ایک دروازہ کھول دیتا تھا

ہر شخص کسی تازہ زخم کو چیڑ دیتا تھا۔

میں بس یہی کہوں گا

انسانوں سے امیدیں وابستہ نہیں کرنی چاہیں

ان پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے

انکی محبتوں پر ایمان نہیں لانا چاہیے

دل کے خواب کبھی سچے نہیں ہوتے

رشتہ جتنا بھی گہرا ہو، انسان ہمیشہ کے لیے مخلص نہیں ہوتے

دھوکہ اور فریب کے رنگ بدل جاتے ہیں

ہم جو مان اپنوں پہ کرتے ہیں

وہ کبھی نہ کبھی ٹوٹ جاتا ہے

رشتہ چاہے کتنا بھی مضبوط ہو

موتیوں کی مالا کی مانند بھکر جاتا ہے

ہمیں امیدیں خود سے وابستہ کرنی چاہئیں

اعتبار کا آئینہ
از علیہا زاہد

اپنے خوابوں کو خود حقیقت بنانا چاہیے

کیوں کہ انسان، چاہے جتنا بھی قریب ہو

آخر کار، وہ خود کو ہی ترجیح دیتا ہے

جہاں اُسے اپنی ذات میں سے چُننا ہو گا

وہ تمہیں اُس ہی لمحے میں چھوڑ دے گا

وہ ترجیح دے گا خود کو

تم سے محبت کے ہر دعویٰ کے باوجود

تو جب وہ رکھے گا خود کو اوّل پہ

تو تم کیوں نہیں؟

امیدیں انسانوں سے نہیں

خود سے رکھنی چاہئیں

کیوں کہ آخر میں خود کی محبت اور وفا

سب سے زیادہ سچی اور پائیدار ثابت ہوتی ہے

****

وہ بالکونی سے باہر کی دنیا کو اپنے گرد گھومتا دیکھ رہی تھی اور اُس ہی لمحے اُسے اپنے پیچھے کوئی کھڑا محسوس ہوا اُس نے مڑ کر دیکھا تو پیچھے تیمور پر سکون انداز میں ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ وہ اُسے دیکھ بے اختیار مُسکرائی۔

''تم اتنی جلدی کیسے واپس آ گئے؟ میٹینگ تو چار بجے تک تھی ناں؟''

ایسے ہی طبیعت عجیب سی ہو رہی تھی تو آ گیا، سوچا آرام کر لوں گھر۔ وہ اطمینان سے تفصیل بتا رہا تھا

اوکے، تم آرام کرو پھر، کچھ چاہیے ہوا تو بتا دینا۔ وہ نرمی سے مسکرائی

مجھے جو چاہیے ہوتا ہے، وہ مجھے نہیں ملا کرتا۔ وہ زخمی سا مسکرایا

منسا بے آہستہ سے اُسکے کندھے پر ہاتھ رکھا، تیمور ہم کسی کو مجبور تو نہیں کر سکتے ناں کہ وہ بھی ہم سے محبت کرے، کتنے ہی لوگ یک طرفہ محبت کرتے ہیں۔ وہ شرمندہ تھی مگر اس وقت تیمور کو تسلی دینا زیادہ بہتر تھا۔

مجھے اِس محبت کو اکیلے اور تنہا نبھانے میں کبھی بھی کوئی مسئلہ نہیں تھا منسا، پر جب سے مجھے پتا چلا ہے کہ تم نوفل سے پیار کرتی ہو تو ۔۔۔ تو میرا دل پھٹنے لگتا ہے، میں اُس سے حسد محسوس کرتا ہوں کہ اُسے بن مانگے سب مل گیا اور مجھے ایڑیاں رگڑ کر بھی کچھ حاصل نہیں ہوا، پہلے لگتا تھا یک طرفہ محبت ایک حسین خواب ہوتا ہے، جس میں دل کے ٹوٹ جانے کا خدشہ نہیں ہوتا، اب لگتا ہے یک طرفہ محبت وہ غضیلہ عاشق ہے جس کو آپ شادی سے انکار کر دیتے ہو اور وہ آپ کے منہ پر تیزاب پھینک جاتا ہے، تم نے بھی منسا مجھے ۔۔۔ وہ لمحے بھر کو سانس لینے کے لیے رُکا

تم نے بھی مجھے یہ بتا کر کہ تم نوفل سے محبت کرتی ہو جبکہ مجھے پسند تک نہیں کرتی ۔۔۔ مجھ پہ تم نے تیزاب پھینک دیا منسا۔

وہ اُس کی جانب مزید بڑھی مگر وہ ہاتھ چُھڑا کر منہ موڑ کر چلا گیا۔

****

حیدر نے کمرے کے دروازے کو نرمی سے کھولا اور ہاتھ میں ایک خوبصورت، سفید رنگ کا بیگ تھامے اندر آیا۔ ماہین، جو کہ کمرے کے ایک کونے میں بیٹھی کتاب پڑھ رہی تھی، نے حیدر کو آتے ہوئے دیکھا۔ وہ حیدر کے آتے ہی کتاب سائیڈ پہ کیے اُسے مسکرا کر دیکھنے لگی، لیکن حیدر نے پُر تکلف انداز میں سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ سر اثبات میں ہلایا، کہا کچھ نہیں۔

حیدر نے ہاتھ میں تھامی چابیوں کے گُچھے کو آہستہ سے میز پر رکھا اور ماہین کی طرف قدم بڑھایا۔ ماہین، یہ تمہارے لیے ہے۔ اس کی آواز میں ایک خاص نرمیت اور محبت تھی۔

ماہین نے نظریں اُٹھائیں اور حیدر کی طرف دیکھا۔ اس کی نظریں پہلے بیگ پر گئیں اور پھر حیدر کی آنکھوں میں گہرا سوال پوچھا:

"یہ... یہ کیا ہے؟"

حیدر نے مسکراتے ہوئے کہا، **تمھارا برتھ ڈے گفٹ**

ماہین قدرے الجھی پھر خوش اخلاقی سے مسکرائی۔اس نے وہ بیگ اُٹھایااور جیسے ہی اس کا کور اترا،ماہین کی نظریں چمک اُٹھیں مگر منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔وہ جو کچھ دیکھ رہی تھی وہ ایک خواب سے کم نہ تھا۔چینل کا "ڈائمنڈ فار ایور "کلاسک فلیپ بیگ، جس کا چمکتا ہوا سفید ایلیگیٹر چمڑا اور اس پر جڑے ہوئے 334 ہیروں کی چمک نے پورے کمرے کی فضاء کو جادوئی بنا دیا تھا۔18 قیراط سفید سونے سے مزین ہارڈ ویئر، جیسے ایک شاہی خزانہ تھا۔

،بیگ کے سامنے کے حصے پر **چینل کا مشہور لوگو** جڑا ہوا تھا، جو کہ 334 چھوٹے ہیروں سے مرصع تھا، ہر ہیرا الگ الگ چمک رہا تھا جیسے چاندنی رات میں چھوٹے چھوٹے ستارے جھلک رہے ہوں۔

ماہین نے اپنی سانسیں روکے ،اس کی آنکھوں میں حیرانی اور محبت کی جھلک تھی۔**حیدر... یہ**

تمہیں پسند نہیں آیا؟، حیدر نے نرمی سے پوچھا۔

''نہیں۔۔۔ایسی بات نہیں ہے لیکن۔۔۔''

ماہین نے بیگ پر مزید نظریں جماتے نفی میں سر ہلایا۔اس کی آنکھوں میں چمک تھی، لیکن ساتھ ہی کچھ نمی بھی تھی۔

یہ بہت۔۔۔وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر ایک گہری سانس کے بعد اس نے بیگ کو دوبارہ ستائش سے دیکھا اور پھر حیدر کی طرف نگاہ ڈالی۔

یہ۔۔حیدر یہ بہت مہنگا ہے۔۔میں کیسے رکھ سکتی ہوں، ماہین کی آواز اتنی دھیمی تھی کہ حیدر کے چہرے پہ بے اختیار مسکراہٹ آ گئی۔

خود ہی تو کہہ رہی تھی کہ تمہیں پسند ہے۔ماہین کی آنکھوں کے سامنے مال کا وہ منظر آگیا جہاں کھڑے وہ حیدر کو اس بیگ کے متعلق اپنی پسندیدگی بتا رہی تھی اور اب جب وہ شے اسے اس کے شوہر نے دلائی تھی تو ماہین کو اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ اُس نے بلاوجہ اتنا خرچہ کر دیا۔

اب تم مسکراؤ گی نہیں تو مجھے بُرا لگے گا۔ویسے اگر تم نے نہیں رکھنا تو مجھے دے دو میں۔۔۔۔حیدر نے شرارت سے کہا تھا جبکہ ماہین اسے خونخوار نظروں سے اسے گھور رہی تھی۔اُس کا خراب ہوتا موڈ بھانپ کر وہ خود ہی پھر سے کہنے لگا۔

ہو سکتا ہے تم مجھے پاگل سمجھو مگر مجھے تمہاری خوشی کے آگے دنیا کی ہر دوسری شے بے مول لگتی ہے۔ماہین کا چہرہ سرخ ہوا جبکہ حیدر کو اسکی حالت دیکھ کر ہنسی آگئی تھی۔

مجھے کشمیری ٹماٹر بہت پسند ہیں۔اُس نے ماہین کے گلابی پڑتے گالوں کو دیکھتے ہوئے چھیڑنے والے انداز میں کہا

''بکواس مت کرو۔''

عزت سے بات کیا کرو بھئی، کہو بکواس مت کیا کریں۔حیدر نے مصنوعی سنجیدگی چہرے پر سجائے کہا اور ماہین کا قہقہ کمرے کی خاموشی کو توڑ رہا تھا۔

ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے وہ دونوں اس لمحے میں وقت کو جیسے تھما ہوا محسوس کر رہے تھے، جہاں دنیا کی تمام قیمتی چیزیں اس ایک تحفے کی نسبت ماند پڑ گئیں۔ماہین کی آنکھوں میں نمی سی پھیلی، اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اس بے لوث محبت کا کیسے جواب دے۔

چند لمحے گزرے، حیدر اور ماہین دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے، ماہین نے آہستہ سے بیگ کو اپنے دائیں جانب رکھا اور کہنا شروع کیا

حیدر، کبھی کبھی مجھے لگتا ہے میں تمھارے قابل نہیں ہوں، ماہین کی آواز میں کچھ لرزش تھی، اور اس کی آنکھوں میں ایک نرم سی نمی تھی جو اس کی شرمندگی کو ظاہر کر رہی تھی۔

حیدر نے اس کی طرف مسکرا کر دیکھا، اور پھر آہستہ سے کہا، "ہے ناں مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے کہ میں تمھارے قابل نہیں ہوں تم مجھ سے بہت بہتر ڈیسرو کرتی ہو لیکن چونکہ تم میری زندگی کا سب سے قیمتی اثاثہ ہو اس لیے میں تمھارے حق میں بہتر ہونے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہوں" وہ بولا تو بولتا ہی چلا گیا اس کی آواز میں ایک گہری سنجیدگی اور سچائی تھی، جو ماہین کو لاجواب کر گئی تھی۔

کیا کہتی وہ؟ حیدر کا اظہار ہی ایسا تھا۔

ریلیکس، اچھا مجھے واپس آج فرانس جانا ہے، دیر ہو رہی ہے پیکنگ بھی کرنی ہے، میں فریش ہو جاؤں؟ چائے پیتے ہیں پھر میں چلا جاؤں گا۔

وہ ماہین کو سلگاتا آگے بڑھ گیا تھا۔

ماہین نے سامنے پڑے بیگ پر نظر دوڑاتے ہوئے اس کی باتوں کو دل سے محسوس کیا تھا۔

اس کا دل اس آدمی کے لیے مزید نرم ہو گیا۔ مگر کیا دل کا نرم ہو جانا محبت ہو جانے کے برابر ہوتا ہے؟

وہ جانتی تھی کہ حیدر نے یہ تحفہ صرف مالی حیثیت کی بنا پر نہیں دیا تھا، بلکہ یہ حیدر شاہ کی محبت کا نشان تھا جو ہر لمحہ، ہر دن بڑھتی جاتی تھی۔ بعض محبتیں وقت کے ساتھ ختم ہوتی جاتی ہیں اور بعض پہلے سے زیادہ شدت اختیار کرتی رہتی ہیں۔

چند لمحے بعد ہاتھ میں چائے کے مگ لیے ماہین کمرے میں داخل ہوئی تو حیدر نے چمک کر ماہین کی طرف دیکھا، اور اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا، **میں تمہیں مِس کروں گا۔**

اور؟، ماہین نے چیلنج کرنے والے انداز میں پوچھا

حیدر نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے نرم مسکراہٹ کے ساتھ کہا، **اور میں ہمیشہ تُم سے پہلے سے زیادہ محبت کروں گا۔**

ماہین نے حیدر کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے ایک لمحے کے لیے خاموشی اختیار کی، وہ اُسے ہمیشہ یونہی لاجواب کر دیا کرتا تھا، **میں تمہیں ہمیشہ اپنی زندگی کا حصہ سمجھوں گی، حیدر۔**

Also thank you for the bag, I loved it "

"تمہیں پسند آ گیا، پیسے پورے ہو گئے۔"

حیدر نے اس کی طرف محبت سے دیکھا اور اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔ دونوں کے درمیان جو خاموشی تھی، وہ لفظوں سے کہیں زیادہ باتیں کر رہی تھی۔

تم بھی ساتھ چلتی تو اچھا ہوتا۔ حیدر نے اسے ساتھ چلنے کی آفر کی تھی جسے ماہین نے ٹھکرا دیا تھا،

"نہیں میرے اپنی فرینڈز کے ساتھ پلانز ہیں کچھ۔"

****

منسا اور تیمور پیزا ہاؤس سے نکل کر مال کی طرف بڑھتے ہوئے ایک دوسرے کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ دونوں کا موڈ بے حد خوشگوار تھا۔ مال کی طرف جاتے ہوئے، تیمور نے اپنے آپ کو تھوڑا سا آگے کیا، اور منسا کو دیکھتے ہوئے کہا

میں چاہتا ہوں ہم دونوں ایک جیسی ہُوڈی لیں۔

آئیڈیا تو بہت اسٹوپڈ ہے لیکن۔۔۔۔ وہ نیم رضامندی سے بولی

تیمور نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور بولا

"ہاں، یقیناً آپ مان گئی ہیں، اجازت کا شکریہ۔"

منسا نے ہنستے ہوئے کہا، "ٹھیک ہے، اگر تم چاہتے ہو تو۔" پھر دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے مال کے اندر داخل ہو گئے۔ مال کا داخلی دروازہ کھلا، اور اندر کا منظر بہت زیادہ چمکدار اور روشن تھا۔ رنگ برنگی روشنیوں کے نیچے مختلف برانڈز اپنے سجے سجائے مال کے شوقین خریداری کرنے والوں کو دعوت دے رہے تھے۔

تیمور اور منسا نے ہنسی مذاق کرتے ہوئے، مختلف دکانوں کے شیشوں میں اپنی تصاویر دیکھتے ہوئے، ایک طرف بڑھنا شروع کیا۔ وہ دونوں ایک برانڈ کی طرف بڑھے جہاں خوبصورت اور جدید ہُوڈیز رکھی ہوئی تھیں۔

یہ والی مجھے بہت پسند آئی ہے، تیمور نے ایک سیاہ رنگ کی ہُوڈی کو ہاتھ میں اٹھاتے ہوئے کہا۔

منسا نے آنکھوں میں چمک لاتے ہوئے وہی رنگ دیکھتے ہوئے کہا، ہاں اچھی ہے۔

دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے ہنسے، جیسے یہ ایک چھوٹا سا راز ہو جو صرف ان کے درمیان ہو۔ تیمور نے ہُوڈی کو ہاتھ میں تھامے ہوئے مسکراتے ہوئے منسا کی طرف دیکھا، وہ کچھ کہنے لگا تھا مگر پھر اس کی بات منسا نے کچھ یوں کاٹ دی

"ویسے میں پاکستان سے جاتے ہوئے تمہاری کوئی ہُوڈی ساتھ لے کر جانے کو فوقیت دوں گی بجائے اس نئی ہُوڈی کے۔"

منسا کی بات سن کر تیمور تھوڑا چونکا، پھر ہنستے ہوئے بولا، اچھا؟ ایسا ہے تو پھر سب تم ساتھ ہی لے جانا

I don't mind "

منسا کی مسکراہٹ گہری ہوئی اور اس کی سیاہ آنکھیں چمکنے لگیں، اس کے چہرے پر ایک شرارتی سا تاثر آیا۔ ہاں، تمہیں کیا فرق پڑتا ہے؟ تمھیں پرانی عادت ہے لڑکیوں کو اپنی ہُوڈیز گفٹ کرنے کی۔

منسا نے بیزاری سے ایک نظر ہُوڈی پر ڈالی، مگر پھر تیمور نے ہنستے ہوئے اس کے جواب میں کہا، نہیں میں گفٹ نہیں کرتا وہ خود مانگ لیتی ہیں تو بس۔۔۔

بد تمیزی نہ کرو، تایا ابو کو بتاؤں گی ورنہ۔ وہ ہونہہ کرتی آگے کی جانب چلنے لگی۔

اپنی دفعہ رونے نہ لگ جایا کرو۔ وہ اس کے پیچھے لپکا

''روئیں میرے دشمن، بلکہ روؤ تُم۔ خیر ایک ہی بات ہے تم بھی دشمن ہی ہو میرے۔''

''ہاں وہ دشمن جس کا دل چاہتا ہے کہ وہ ہر اُس محاذ پہ کھڑا ہو کر لڑے، جہاں جیت جانے کے بعد بطورِ انعام اُسے تُم ملو۔''

تیمور نے دل میں سوچا اور اس کے لبوں پہ ایک زخمی مسکراہٹ اُس کے لبو کو چُھو گئی۔

تیمور بیگز اُٹھائے اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا

دونوں کی شخصیتوں کا مجموعہ ایک دوسرے سے مکمل تھا۔ تیمور اور منسا ایک دوسرے کے ساتھ بہت خوبصورت لگ رہے تھے جیسے وہ دونوں ایک دوسرے کے لئے بنے ہوں۔

****

ماہین ایک عالی شان ہوٹل کے خوبصورت کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی، جہاں ہر چیز نفاست اور شان و شوکت سے سجی ہوئی تھی۔ کھڑکی سے آتی شہر کی روشنیوں کا منظر بہت دلکش تھا، جو اس لمحے کی خاموشی میں چمک رہی تھیں۔ ہوٹل کے اندر کی فضا میں ایک نرم سی موسیقی چل رہی تھی، اور کمرے کی نرم روشنی نے ماحول کو اور بھی پُر سکون بنا دیا تھا۔

ماہین کے سامنے ایک آدمی بیٹھا تھا، جو شاید اس ماحول کا عادی تھا۔ اس نے سیاہ رنگ کا مہنگا سوٹ پہنا ہوا تھا، جس کے پر کشش شیڈز اس کے خود اعتمادی کو مزید اجاگر کر رہے تھے۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں، لیکن وہ چمک کسی اور دنیا کی تھی۔ وہ ماہین کی طرف نظر بھر کر دیکھ رہا تھا، مگر اس کی نظریں کہیں اور ہی گم تھیں، جیسے اس کا دل اور دماغ اس ماحول کے علاوہ بھی کسی اور شے میں مشغول تھے۔

ماہین نے اس کی طرف ایک طویل نگاہ ڈالی،اس کے چہرے پر ایک نرم سی مسکراہٹ تھی،اور وہ بات کر رہی تھی، لیکن اس آدمی کی نظر میں توجہ نہیں تھی۔اُسے ماہین کی باتوں میں کچھ خاص نہیں لگا تھا، مگر اس کے لبوں کی ہلکی سی حرکت اور نرم لہجہ ماحول کو اور بھی پر کشش بنا رہا تھا۔

تم نے کبھی اس شہر کی راتوں کا یہ منظر دیکھا ہے؟ ،ماہین نے نرمی سے سوال کیا، مگر اس کے سوال میں ایک خوبصورت تجسس تھا۔

معاذ نے چند لمحوں کے لئے نظر اٹھائی اور ماہین کی طرف دیکھا، لیکن اس کی نظریں ملنے کے بجائے، وہ ایک پل کے لئے پھر سے کمرے کی کھڑکی کی طرف مڑ گئیں، جیسے وہ کسی اور چیز میں محو ہو۔اس کی آواز بھی نرم اور دور تھی، "ہاں، بہت بار... لیکن یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے، تمھیں پتہ بھی ہے کہ میں پریشان ہوں اس لیے ان فضول باتوں کا میرے پاس وقت نہیں ہے" معاذ کی ٹون بدل گئی تھی۔

ماہین کا دل ایک لمحے میں ٹوٹ گیا تھا۔

وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے تھے، مگر فاصلے کا احساس تھا،ایک مخصوص فرق جو اس وقت کی بے تکلفی اور ماحول کی خوبصورتی کے باوجود تھا۔ماہین نے اپنی نظر اس آدمی پر ڈالی، جس کی آنکھوں میں دنیا کے تمام منظر تھے، مگر وہ کسی کو بھی مکمل ،طور پر نہیں دیکھ رہا تھا، سوائے اس کے سامنے بیٹھی عورت کے ،جو شاید اس کی نظر میں کچھ اور نہ تھی، بس ایک عارضی تفریح ایک اویلیبل عورت جو ہر آواز پر بے وقوفوں کی طرح پلٹ کر معاذ احمد کو دیکھ لیا کرتی تھی۔

ماہین کے لبوں پر زخمی ہنسی کی ایک ہلکی سی لہر تھی، جیسے وہ خاموشی سے اس آدمی کو سمجھ رہی ہو، جو خود میں گم تھا، جسے خود کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا تھا، جسے ہر شے میں اپنے مفاد دیکھنے کی پرانی عادت تھی۔

معاذ مسلسل اپنے مسئلوں کی گتھیاں کھولتا جا رہا تھا۔کمرے کی نرم روشنی میں اس کی پریشانی اور غصے کی گہرائی صاف نظر آ رہی تھی جیسے ہر لفظ میں وہ دبے دبے غصے کا عذاب لے کر بیٹھا ہو۔

آواز میں موجود تلخی صاف بتا رہی تھی جیسے وہ کسی اور کو الزام دینے کی کوشش کر رہا ہو، لیکن اس کا بس نہیں چل رہا تھا۔

''تم میرے کبھی کام مت آنا ماہین، مجھے جب ضرورت ہوتی ہے تم غائب ہوتی ہو۔''

''میں نے بات کی ہے علی رحمان سے وہ کل تک باقی پیمنٹ بھی ارینج کروا دے گا۔''

تمہیں کیا پتہ ہے؟ اس سب کے بارے میں، دو ٹکے کی عقل نہیں تم میں اور باتیں کروالو بس بڑی بڑی، وہ دبے دبے غصے میں بولا، اور اس کی آنکھوں میں جلن سی تھی، جیسے اندر سے کوئی طوفان اُٹھ رہا ہو۔ "معاذ تم فکر نہ کرو!" ماہین نے ہمدردی سے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا مگر معاذ نے ایک ہی لمحے میں اس کا ہاتھ جھٹک دیا

مجھے ہاتھ لگانے کی ضرورت نہیں ہے، اچھے سے جانتا ہوں کتنی پرواہ ہے تمھیں میری، معاذ کی آواز بلند ہوئی، اور ماہین کو اپنے ہاتھوں میں تھوڑی سی لرزش محسوس ہوئی۔ وہ اپنے آپ کو بے بس محسوس کر رہی تھی، اور ماہین کو یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ رہی تھی کہ اس لمحے وہ آدمی ماہین کی تذلیل کر رہا تھا۔

ماہین نے گہری سانس لی اور پھر دھیرے سے کہا، شاید تمہیں کسی سے بات کرنے کی ضرورت ہے۔

معاذ کی آنکھوں میں ایک عارضی تاثر اُبھرا، مگر فوراً اس کے چہرے پر ایک تلخ مسکراہٹ چھا گئی۔

"کیا فرق پڑتا ہے؟ بات کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا... سب کچھ ویسا کا ویسا ہی رہتا ہے۔"

وہ پھر سے چپ ہو گیا، جیسے اس کے اندر کا غصہ کچھ اور بڑھ چکا ہو۔ ماہین کے اندر جذبوں کا ایک طوفان چھپا ہوا تھا، جسے لفظوں کے ذریعے بیان کرنا شاید ناممکن تھا۔

ماہین نے آہستہ سے اپنے بیگ کی جیب سے چیک نکالا اور اس کی طرف بڑھایا۔اس کی آنکھوں میں تھوڑی سی بے چینی تھی، جیسے وہ اس لمحے میں کچھ ایسا کر رہی ہو جو اسے ناپسندیدہ لگ رہا ہو، لیکن پھر بھی وہ اس آدمی کی طرف چیک بڑھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

جوں ہی چیک معاذ کی طرف بڑھا، وہ آدمی، جو پہلے اپنے غصے اور پریشانی سے پاگل ہو رہا تھا، اچانک سے اُٹھ کھڑا ہوا اور اس کے قدموں کی رفتار تیز ہو گئی۔ وہ ایک دم سر اٹھا کر کھڑا ہوا، جیسے کسی چیز کا بوجھ اچانک اتار گیا ہو۔

ماہین اُس کی توجہ کی آس لیے بیٹھی تھی، لیکن معاذ نے ایک لمحے کے لیے بھی اس پر نظر نہیں ڈالی۔ وہ ایک بھی لفظ کہے بغیر، بے نیاز سا تیز قدموں کی آواز لیے کمرے کے دروازے کی طرف بڑھا۔

تم کہاں جا رہے ہو؟ ،ماہین نے ہلکی سی آواز میں کہا، مگر ماہین کے الفاظ میں وہ شدت نہیں تھی جو اس کا دل محسوس کر رہا تھا۔

معاذ نے اُس کے ہاتھ سے چیک لیا اور مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔اس کا چہرہ سنگین اور بے حس تھا، جیسے اس نے سب کچھ چھوڑ دیا ہو اور نظریں اب صرف ایک راستے کی تلاش میں تھیں۔ وہ دروازے تک پہنچا، پھر ایک آخری بار مڑ کر، بغیر کسی تاثر کے، نظر دوڑائی اور بس دروازے کو کھولتے ہی باہر نکل گیا۔

ماہین کی نظریں دروازے کے پیچھے خالی خالی سی ہو گئیں۔ دل میں ایک خالی پن تھا، جیسے کوئی بات ادھوری رہ گئی ہو۔ کمرے میں خاموشی چھا گئی تھی

ماہین اس طوفان کے بعد کی خاموشی کو سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو، جو ابھی تک اس کے ارد گرد گھوم رہا تھا۔ نگاہیں دروازے پر جمی ہوئی تھیں، جہاں سے وہ آدمی نگل کر گیا تھا۔ماہین اپنی پہلی محبت کو بھولی نہیں تھی اور ماہین کی پہلی محبت نے اُسے یاد رکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

تمہیں تو بس پیسوں سے غرض تھی، ہے نا؟ ،وہ دھیرے سے اپنے آپ سے گویا ہوئی،اور اس کے لبوں پر ہنسی کا ایک تلخ سا تاثر تھا۔

دکھ کی ایک لہر دل میں اُٹھی،اور ماہین کی آنکھوں میں نمی آئی، مگر اس نے آنکھیں جھپک کر اسے واپس روکا۔ وہ جانتی تھی کہ اس آدمی کا رویہ کچھ زیادہ ہی بے توجہی کا تھا،اور وہ جانے سے پہلے صرف پیسوں کے بارے میں سوچ رہا تھا، لیکن اس کا دل یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ وہ اس سے یہ توقع کر رہی تھی کہ وہ کم از کم "خدا حافظ "تو کہے گا، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا تھا۔ کچھ لوگوں کی آنکھیں بس اُس راستے کو چُنتی ہیں جہاں منزل ملے نہ ملے مگر رستے میں ان کا مفاد پورا ہو جائے۔ معاذ کا مطلب پورا ہو گیا تھا اِس لیے وہ منظر سے ہٹ گیا تھا۔

****

تیمور اور منسا گاڑی میں بیٹھے تھے،اور شہر کی روشنیوں میں گاڑی کی ہلکی سی چمک تھی۔ باہر کا منظر تیزی سے بدل رہا تھا، لیکن گاڑی کے اندر کا ماحول خاموش اور پُر سکون تھا۔ تیمور کی نظریں کبھی منسا کی طرف تو کبھی سڑک پر مرکوز تھیں،اور اس کی آنکھوں میں ایک نرمی تھی

گاڑی کے ہینڈل کو تھامے تیمور نے اچانک اپنی جیب سے ایک چھوٹی سی ڈبی نکالی اور آہستہ سے منسا کی طرف بڑھائی۔ اس کی آنکھوں میں ایک پر سکون، مگر گہری کیفیت تھی

منسا نے حیرت سے تیمور کی طرف دیکھا، پھر اس کی نظر ڈبی پر جا کر رک گئی۔ منسا کے چہرے پر ایک تذبذب تھا،اور نظریں لمحے کے اثر میں گم ہو رہی تھیں۔ تیمور نے نرم آواز میں کہا، یہ تمہارے لیے ہے۔

منسا نے ڈبی کو تھام لیا اور آہستہ سے اسے کھولا۔ اندر ایک خوبصورت، چمکدار ڈیری رِنگ رکھی تھی جو اب گاڑی کی روشنی میں مزید چمک رہی تھی۔

"تیمور..." اس نے آہستہ سے کہا، اور اس کی آواز میں ایک نرم سی شگفتگی تھی، "ڈیری رِنگ ہی کیوں؟"

تیمور نے چہرے پر مسکراہٹ کے ساتھ کہا، کیونکہ یہ آپ زندگی میں بس ایک مرتبہ، ایک ہی انسان کے لیے خرید سکتے ہیں اور وہ تم ہو۔

منسا کو اپنے گلے میں کانٹے اُگتے محسوس ہوئے

تیمور تھینک یو، منسا نے اُلجھے ہوئے انداز میں کہا

باہر کی دنیا تیز رفتار میں گزر رہی تھی، سامنے فٹ ہاتھ پر ایک بچہ ہاتھ میں غبارے لیے بیٹھا تھا جس کے پاس اب کوئی نوجوان آ بیٹھا اور باتیں کرنے لگا، ایک ہی جگہ پر کوئی کسی کا مرہم بننے کی کوشش کر رہا تھا اور کوئی کسی کے دل پر پاؤں رکھ دینے کی تیاری۔
تیمور نے ایک چھوٹی سی فائل نکالی اور اس میں سے ایک کاغذ نکال کر آہستہ سے منسا کی طرف بڑھایا۔ کاغذ پر کچھ الفاظ لکھے ہوئے تھے، اور اس کے نیچے ایک جگہ خالی تھی، جس پر دستخط کرنے کی درخواست کی جا رہی تھی۔

****

اس کے چہرے پر بے چینی تھی۔ ماہین کی آنکھیں تھکن کی وجہ سے سرخ ہو رہی تھیں۔ لمبے اور تھکا دینے والے دن کی وجہ سے دماغ بوجھل تھا۔ جب گھر داخل ہوئی ہمیشہ کی طرح سجی دھجی ہوئی نظر آئی۔ اسکی نظر لاؤنج میں گئی جہاں نورین بیٹھی تھی، مگر آج اسکی مسکراہٹ کچھ عجیب تھی۔

نورین نے جیسے ہی ماہین کو دیکھا، وہ فوراً ایک مطلبی اور بے تکلف مسکراہٹ کے ساتھ اُٹھ کھڑی ہوئی، جیسے وہ ماہین کی آمد کا شدت سے انتظار کر رہی ہو۔ نورین جیسی عورتوں کی مسکراہٹ کبھی سادہ اور بے تکلف نہیں ہوتی، بلکہ ہر حرکت میں ایک مقصد چھپ ہوتا تھا۔

ماہین کے قدم سست ہو گئے، اور اس کی تھکن میں مزید اضافہ ہوا۔ اس کا دل پہلے ہی بے چین تھا، نورین اس کی اذیت کو چار چاند لگانے کھڑی تھی۔

ارے! ماہین، تم تو بہت تھکی ہوئی لگ رہی ہو، سب ٹھیک ہے؟ نورین نے مصنوعی ہمدردی سے کہا نورین

ماہین نے اس کی طرف دیکھا، اور ایک لمحے کے لیے اس کے دل میں

ایک گہری ٹیس اُٹھی۔ اس نے خود کو سنبھالا، اور آہستہ سے کہا

''جی، سوائے آپ کی مینٹل ہیلتھ کے۔''

نورین نے ایک اور قدم آگے بڑھایا، اور اس کے چہرے پر مسکراہٹ میں مزید اضافہ ہو، جیسے اس کی نظریں ماہین کے ہر رد عمل پر مرکوز تھیں۔

تمھیں شاید تھوڑا آرام کی ضرورت ہے، مگر تم جانتی ہو

تمہارے لیے یہاں موجود ہوں، چاہے کچھ بھی ہو۔

''مس نورین اگر دنیا میں ایک قتل حلال ہوتا نا، یقین کریں آپ کو اگلی سانس نصیب نہ ہوتی۔''

نورین ماہین کی آنکھوں میں موجود تپش سے محظوظ ہو رہی تھی۔

اس نے یہ بہت پہلے جان لیا تھا کہ نورین کا مقصد صرف باتوں سے کچھ نہ کچھ نکالنا ہوتا ہے، اور آج بھی وہ یہی کر رہی تھی اس لیے نورین سے بات کرنا فضول تھا۔

ماہین آہستہ آہستہ کمرے کی طرف بڑھ گئی، لیکن اس کے قدموں کی رفتار سست تھی، نورین کے الفاظ اور انداز نے اس کے دماغ میں ایک ہلکی سی چبھن پیدا کر دی تھی، جیسے وہ جان بوجھ کر کسی نہ کسی طریقے سے ماہین کا سکون چھیننے کی کوشش کر رہی ہو۔

اتنی جلدی جا رہی ہو؟ ،نورین نے پھر پیچھے سے کہا،اس کی آواز میں وہی جاندار تاثر تھا

ماہین نے خود کو روکا اور آہستہ سے مڑ کر کہا، آپ میں تو اتنی بھی سیلف ریسپیکٹ نہیں ممی کہ آپ اپنے دشمن سے ہم کلام ہونا چھوڑ دیں۔

ہنی انسان کو اپنے دشمن سے سب سے زیادہ باتیں کرنی چاہیں، پوچھو کیوں؟ ،نورین کے چہرے کی مسکراہٹ اب قہقے میں بدلی تھی

ناٹ انٹرسٹڈ، ماہین کے چہرے پر بے زاری ابھری تھی

کیوں کے کچھ دشمن اتنے بے وقوف اور نوب ہوتے ہیں کہ آپ کو ان سے بات کر کے پتہ چل جاتا ہے کہ اُن کا بیک اَپ پلان کیا ہے۔ نورین ماہین کے پیلے پڑتے رنگ سے بے نیاز سی کہنے لگی۔

وہ ایک قدم اور آگے آئی اور اس نے ماہین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، "مجھے پتا ہے کہ تمھارے لیے یہ سب تھوڑا مشکل ہو رہا ہے لیکن میں سب کچھ ٹھیک کر دوں گی آئی پرامس۔ خاص طور پر اب، جب بات تمھاری زندگی کے بڑے فیصلوں کی ہے۔

ماہین کا دل ایک لمحے کے لیے رک سا گیا۔ نورین کے الفاظ میں ایک چیلنج تھا، جو سیدھا اس کی ذاتی زندگی اور فیصلوں پر حملہ کر رہا تھا۔

کیا خیال ہے؟ ،نورین نے پھر ایک قدم بڑھایا، جیسے وہ ماہین کو کسی بات میں الجھانے کی کوشش کر رہی ہو۔ نورین بات ادھوری چھوڑتے آگے بڑھنے لگی مگر ایک لمحے کو مڑ کر سرسری نظر ماہین پر ڈالتے بولی

بائے دی وے حیدر اور معاذ میں سے ایک چوز کرنے میں مسئلہ ہو تو

I can help honey

ماہین کے جسم میں ایک سنسنی دوڑ گئی۔اس کی آواز میں واضح طور پر تناؤ تھا، لیکن وہ اپنی آواز کو قابو میں رکھتے ہوئے کہہ رہی تھی "آپ کو میرے معاملات سے دور رہنا چاہیے۔"

نورین نے ایک مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا، جیسے وہ ماہین کے رد عمل کا پہلے ہی اندازہ کر چکی ہو۔

" You could have appreciate my homework skills but never mind "

ماہین نے سر دپڑتے چہرے کے ساتھ ایک قدم پیچھے ہٹایا

نورین نے کچھ دیر تک ماہین کی آنکھوں میں غور سے دیکھا، پھر ہنستے ہوئے کہا، "تمہارا جواب ہمیشہ ایک جیسا ہی ہوتا ہے، ماہین۔پر میں جانتی ہوں خیر

"Consider it my best shot honey"

ماہین نے خاموشی اختیار کی،اور پھر بغیر کسی جواب کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔اس کے دل دھڑکن اب پہلے سے تیز تھی،اور ذہن میں بے شمار خیالات۔

کمرے میں پہنچ کر ماہین نے دروازہ بند کیا اور ایک لمحے کے لیے خود کو آئینے میں دیکھا۔وہ تھکی ہوئی تھی، لیکن اُسے اب خود پر ترس آرہا تھا۔معاذ کی محبت سے موو آن نہ کرنا ہر دن اُسے نئے طریقے سے ڈیمج کر رہا تھا وہ انسان ماہین حیدر کی زندگی کا روگ بن گیا تھا،ایک دھبہ جو اس کی زندگی کے سفید لباس پر نا جانے کب سے موجود تھا، جس کا نشان اتنے سالوں بعد بھی گیا نہیں تھا، آج بھی وہیں کا وہیں تھا بالکل پہلے دن جیسا یاں شاید پہلے سے گہرا۔

اس نے گہری سانس لی، پھر اپنی نظریں آئینے سے ہٹا کر باہر کی طرف دیکھنے لگی۔

****

حبا حسیب اس وقت اپنے تھیراپسٹ کے آفس میں بیٹھی تھی، اس کی نظریں سفید دیواروں کی طرف گم تھیں، جیسے وہ اُن سفید دیواروں میں سکون تلاش کر رہی ہو۔ آفس کا ماحول پُر سکون اور نرم تھا، لیکن حبا کے دل کی بے چینی اُسے اپنی ہر سانس میں محسوس ہو رہی تھی۔

آہستہ سے اپنے ہاتھوں کو ایک دوسرے کے ساتھ رگڑتے وہ اپنے اندر کے خوف اور دباؤ کو کم کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی تھکن اور اداسی کے آثار تھے، اور آنکھوں میں موجود گہرا غم، ماضی کے کسی بوجھ کو چھپانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

تھیراپسٹ کی کرسی کے سامنے رکھی ہوئی آرام دہ کرسی پر بیٹھے ہوئے، حبا کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اس کی انگلیاں مسلسل ٹوٹے ہوئے ناخنوں کو چھو رہی تھیں، اندر ایک عجیب سا خالی پن اور بے چینی چھائی ہوئی تھی، اور وہ ان سب احساسات سے نمٹنے کے لیے تیار نہیں تھی۔

آمنہ نصیر نے آہستہ سے حبا حسیب کی طرف نظر ڈالی، اور پھر نرم آواز میں کہا، "حبا، تم کہو، میں سن رہی ہوں" اس کی آواز میں وہ تسلی تھی جو حبا کو تھوڑا سکون دے رہی تھی، لیکن وہ ابھی تک اپنے اندر کے بوجھ کو مکمل طور پر نہیں سمجھا پائی تھی۔

حبا نے گہری سانس لیتے اپنی نظریں نیچے کر لیں، پھر سرگوشی میں کہا، مجھے لگتا ہے کہ میں ہر وقت کچھ نہ کچھ غلط کر رہی ہوتی ہوں۔ ایک مسلسل گلٹ ہے کہ میں کسی عزیز کو مایوس کر چکی ہوں، ہر وقت میرا دل بھاری رہتا ہے اور یہ میری غلطیوں کا بوجھ ہے جو مجھے چین نہیں لینے دیتا۔

اس کے الفاظ جیسے اس کی روح کی گہرائیوں میں چھپے ہوئے ایک طوفان کو بے نقاب کر رہے تھے۔اس کے اندر کا گلٹ، جو روز بروز بڑھتا جا رہا تھا، اس کے چہرے سے چھلک رہا تھا۔

آمنہ نے نرمی سے کہا، یہ گلٹ ہمیشہ ہمیں تنگ کرتا ہے، لیکن تمہیں یاد رکھنا ہو گا کہ اس کا سامنا کرنے کے لیے تمہیں خود کو معاف کرنا سیکھنا ہو گا۔

حبا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، اور اس نے آہستہ سے سر ہلایا، جیسے وہ کچھ کہنا چاہ رہی ہو، مگر الفاظ گم ہو گئے تھے۔
اس کے دل کی گہرائی میں ایک خالی جگہ تھی، اور وہ اس جگہ کو بھرنے کی کوشش کر رہی تھی، لیکن ہر قدم پر وہ خود کو اور زیادہ کھو دیتی تھی۔

"کیسے؟" اس نے بمشکل کہا، "کیسے معاف کروں؟ یہ احساس ہر لمحے مجھے ستاتا رہتا ہے۔"

آمنہ نے اسے دھیرے سے سمجھاتے ہوئے کہا، اس کا آغاز خود سے محبت کرنے سے ہوتا ہے، حبا۔ جب تک تم خود سے پیار نہیں کرو گی، تم اپنے آپ کو معاف نہیں کرو گی اور اس طرح تم اپنے آپ کو آزاد نہیں کر پاؤ گی۔

حبا نے اپنے ہاتھوں کو دوبارہ آپس میں رگڑتے ہوئے کہا، لیکن یہ گلٹ اتنا طاقتور ہے۔ ہر بار جب میں سوچتی ہوں کہ میں آگے بڑھ سکتی ہوں، یہ مجھے پیچھے کھینچ لیتا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ میں کبھی بھی اپنی غلطیوں کے اس دائرے سے نہیں نکل پاؤں گی۔

آمنہ نے نرمی سے کہا، گلٹ قدرتی طور پر آتا ہے، خاص طور پر جب ہم کسی سے محبت کرتے ہیں یا کسی کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔ لیکن تمہیں یہ سمجھنا ہو گا کہ گلٹ کا مقصد ہمیں سزا دینا نہیں ہوتا، بلکہ ہمیں اپنی غلطیوں سے سیکھنے اور رہنمائی کرنا ہوتا ہے۔ اگر ہم اس سے سیکھنا شروع کریں، تو یہ ہمیں کمزور نہیں، بلکہ مضبوط بناتا ہے۔

حبا کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے امید کی چمک آئی، جیسے اس کے دماغ میں کوئی بات روشنی بن کر چمکی ہو، لیکن پھر وہ دوبارہ شکوک وشبہات کی گہرائی میں ڈوب گئی۔ لیکن کچھ غلطیوں کو میں کیسے مٹا سکتی ہوں؟ وہ چیزیں جو میں نے کیں، یا جو میں نے نہیں کیں، وہ میرے ساتھ ہمیشہ رہیں گی۔

تھیراپسٹ نے اس کی طرف جھک کر کہا، ہم سب انسان ہیں، حبا۔ ہم سب سے غلطیاں ہوتی ہیں، اور ان غلطیوں سے بچنا ممکن نہیں۔ یہاں کوئی بھی فرشتہ نہیں ہے۔ ہمیں خود کو اپنے حصے کی غلطیاں کرنے دینی چاہیں، لیکن تمہیں اس بات کو سمجھنا ہو گا کہ ہم ان غلطیوں کا بوجھ اٹھا کر ساری زندگی نہیں گزار سکتے۔ معافی کا پہلا قدم یہ ہے کہ ہم خود سے کہہ سکیں، 'میں نے یہ غلط کیا، اور میں اسے ٹھیک کرنے کی کوشش کروں گا۔' لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہم خود کو معاف کرنے کی کوشش کریں کیونکہ کوشش ہی سب کچھ ہوتی ہے۔

حبا نے سر ہلایا، لیکن اس کی آنکھوں میں اب بھی وہی بے یقینی تھی۔ میں کبھی کبھی سوچتی ہوں آمنہ میں خود کو کیسے معاف کر سکتی ہوں، آپ کو نہیں پتا میں نے کسی کے اعتبار کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔

آمنہ نے ایک لمحے کے لیے خاموشی اختیار کی، پھر آہستہ سے کہا، خود کو معاف کرنا ایک سفر ہے، حبا۔ یہ ایک لمحے کی بات نہیں۔ یہ اس بات کا علم ہے کہ تم اپنی زندگی میں جو کچھ بھی کر چکی ہو، وہ تمہیں اس شخص سے الگ نہیں کرتا جو تم ہو۔ تمہارے اندر ابھی بھی محبت، ہمت اور چیزیں فکس کرنے کی صلاحیت ہے۔ تم سب کچھ فکس کر سکتی ہو بس تمہیں خود پر یقین رکھنا ہو گا کہ تم یہ کر سکتی ہو، اور تمہارا ماضی تمہیں ابھی تک جکڑے رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ تمھاری غلطیاں تمہیں ڈیفائن نہیں کرتیں

حبا کی آنکھوں میں اب کچھ بدل رہا تھا۔ وہ آمنہ کی باتوں پر غور کر رہی تھی، جیسے اس کے دل میں کوئی دروازہ کھل رہا ہو، جو وہ خود سے بھی چھپاتی آئی تھی۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور کہا، لیکن جب میں خود سے کہتی ہوں کہ میں نے غلط کیا، تو پھر وہ احساس کم نہیں ہوتا۔ وہ تو اور بھی گہرا ہو جاتا ہے۔

آمنہ نے تحمل سے کہا، یہ احساس کم نہیں ہو گا اگر تم اسے دبا کر رکھو گی، حبا۔ اس کا سامنا کرنا پڑے گا۔ تمہیں اپنے جذبات کا احترام کرنا سیکھنا ہو گا۔ غلطیوں کا سامنا کرنا اور ان سے سیکھنا ایک اہم حصہ ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ خود کو محبت اور ہمدردی دینے کی بھی ضرورت ہے۔

حبا نے خاموشی سے سر جھکایا، اور اس کی نظریں کچھ دیر تک زمین پر جمی رہیں۔ وہ جانتی تھی کہ اس سفر کو شروع کرنا آسان نہیں ہو گا، لیکن شاید یہ وہ قدم تھا جو اسے آگے بڑھنے کے لیے اٹھانا تھا۔ اس نے ایک گہری سانس لی، اور آہستہ سے کہا، شاید مجھے خود سے محبت سیکھنی ہو گی۔

آمنہ نصیر نے سر ہلاتے مسکرا کر کہا، "حبا یاد رکھو، ہر دن ایک نیا موقع ہوتا ہے، خود کو معاف کرنے کا، اور اس سفر کو شروع کرنے کا۔" حبا کے چہرے پر آنکھوں کے گوشے سے بہتے ہوئے آنسو تھے، جو اس کی نرم گلابی آنکھوں کے گرد ہلکی سی لکیریں بنا رہے تھے۔ وہ تھیراپسٹ کی کرسی پر بیٹھی تھی، اس کے ہاتھ ایک دوسرے کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے، وہ اپنے جذبات کو قابو میں رکھنے کی کوشش کر رہی تھی، اُسے کم از کم یہاں نہیں رونا تھا۔ لیکن جب اس کی زبان سے الفاظ نکلے، تو وہ ایک گہرے دکھ میں ڈوبے ہوئے تھے۔

پتہ نہیں، مجھے ایسا کیوں لگتا ہے... کہ کچھ لوگ میری محبت کو بار بار کیوں آزماتے ہیں، حبا نے روہانسی آواز میں کہا، لفظوں میں کڑواہٹ تھی۔

آمنہ نے اس کی طرف نرم نگاہوں سے دیکھا، اور اس کی خاموشی میں حبا کے درد کا ادراک تھا۔ حبا کی نظریں واپس نیچے کی طرف مڑ گئیں۔

تم کہو حبا، خاموش نہ ہو۔ آمنہ نے اطمینان سے کہا

یہ سب مجھے بہت تکلیف دیتا ہے... لوگ میرا حجاب دیکھ کر فیصلہ کر لیتے ہیں، میرا ایمان، میری شخصیت، ایسے جیسے سب کچھ اس ایک کپڑے میں لپٹا ہو۔ حبا کی آواز میں دکھ اور غم کا گہرا عکس تھا۔ اس نے ہچکی لی، اور پھر آہستہ سے کہا، وہ مجھ سے کہتے ہیں کہ میں ان سے الگ ہوں، کہ میرا حجاب مجھے ان کی نظر میں نیک بناتا ہے، معتبر کرتا ہے مگر آمنہ جب مجھے کوئی نیک کہتا ہے یاں مجھے یہ بتانے کی کوشش کرتا ہے کہ میں تو بہت قریب ہوں اللہ کے، تو میرے زخموں سے خون رِسنے لگتا ہے۔

آنکھوں کے گوشے سے ایک اور آنسو گرا، اور حبا نے آنکھوں کو جھپکتے ہوئے اس کو صاف کیا۔ وہ اس دکھ کو اپنے اندر چھپانے کی کوشش کر رہی تھی، لیکن اس کی چہرے کی بے چینی اور اس کے دل کی دھڑکن سے اس کا دکھ واضح تھا۔
اس کے الفاظ میں بے بسی اور سوالات کا طوفان تھا۔

اور کیا پتہ اللہ تعالیٰ تمہیں یہ ریمائنڈر زدینا چاہتا ہو؟ کہ حبا حسیب تم نیک ہو، اپنے اور میرے تعلق پہ کچھ غلطیوں کی وجہ سے گیو اَپ نہ کرو بلکہ توبہ کر کے سب ٹھیک کر لو۔ کیا تم نے کبھی اِس اینگل سے سوچا ہے حبا؟

حبا نے گہری سانس لی، اور ایک لمحے کے لیے اپنی نظریں اُٹھا کر آمنہ کی طرف دیکھا۔ "لیکن جب۔۔۔" اس کی آواز میں ایک کرب تھا، جو اس کے جملے کو مکمل نہیں ہونے دے رہا تھا۔

تم جو ہو، جیسی ہو، وہ تمہارا اصل ہے۔ لوگوں کی نظر میں کوئی نہ کوئی کمی ہوتی ہے، انہیں سب میں عیب دِکھتے ہیں، اس حساب سے تو تم بہت خوش قسمت ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں لوگوں میں اتنی عزت دی ہے اللہ سے یہ تعلق تمہاری قوت ہے، نہ کہ تمہاری کمزوری۔ باقی لوگ تمہاری پوزیشن نہیں جان سکتے لیکن وہ تمہاری اندرونی طاقت کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔ اور مجھے تم پہ پورا یقین ہے حبا کے تم اس کو فکس کر لو گی۔

حبا کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔

میں کوشش کروں گی، حبا نے اپنی آنکھوں کی نمی کو ہنسی سے چھپاتے ہوئے کہا

گڈ لک، آمنہ نے اس کے ہاتھ کو تھپتھپاتے ہوئے کہا

****

ایئرپورٹ کے داخلی راستے کے قریب، تیمور کی گاڑی رکی ہوئی تھی۔ روشنیوں میں چمکتا ایئرپورٹ، ہوائی جہازوں کی گونج اور لوگوں کی بھاگ دوڑ میں ایک عجیب سی بے سکونی تھی۔ منسا گاڑی سے باہر نکلنے کے لیے تیار تھی، لیکن اس کے چہرے پر بے چینی اور کچھ گہرا اضطراب تھا۔

تیمور اپنے ماں باپ کے ساتھ گاڑی سے نکلا، اور اس کے قریب آ کر رکا۔ تائی نے منسا کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھا، اور آہستہ سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا، بیٹا، تمہیں اپنا بہت خیال رکھنا ہے۔ پرائے ملک میں ہو گی، اور ادھر تمہارے ساتھ تیمور بھی نہیں ہو گا۔

منسا مسکرائی، مگر اس کے چہرے کی اداسی صاف واضح تھی جسے وہ چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔ "جی، تائی امی، آپ فکر نہ کریں۔" وہ کہہ کر ان کے ہاتھ کو تھامنے لگی۔

منسا نے تائی کو ایک آخری مرتبہ گلے لگایا، اللہ تمہارا حافظ، میری بچی، اور اگر تمہیں کچھ بھی مشکل پیش آئے تو بلا جھجھک ہم سے رابطہ کرنا۔

تیمور کا چہرہ بھی ہلکا سا سنجیدہ تھا، مگر وہ اپنی آنکھوں میں محبت کے ساتھ منسا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ "اپنا خیال رکھنا۔" اس نے نرم لہجے میں کہا۔ وہ بہت کچھ کہنا چاہتا تھا، لیکن لفظ جیسے گلے میں اٹک گئے تھے۔

منسا نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا، پھر تائی کی آخری نصیحتوں کی طرف متوجہ ہوئی۔ "میں بالکل ٹھیک رہوں گی کیونکہ آپ سب کی دعائیں میرے ساتھ ہیں۔" اس نے دھیرے سے کہا، مگر اس کی آنکھوں میں ایک غمگینی چھپی ہوئی تھی۔

تیمور نے گاڑی سے اس کا بیگ نکالا اور منسا کی جانب دیکھتے ہوئے بولا، "چلیں میڈم، دیر نہ ہو جائے۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا لیکن اس کی آنکھوں میں ایک نرم سا دکھ تھا جو وہ چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''اپنا اور سب کا خیال رکھنا تیمور۔''

یہ کہتے ہوئے وہ نم آنکھیں لئے ایئرپورٹ کے دروازے کی طرف بڑھ گئی، تیمور اور اس کی والدہ کی نظریں منسا کا پیچھا کر رہی تھیں۔ وہ اندر قدم رکھ چکی تھی، اور اس کے اندر کی بے چینی، دکھ اور امید ایک نئے سفر کی طرف بڑھ رہی تھی۔ منسا ایئرپورٹ کے اندر قدم رکھتے ہی ایک لمحے کے لیے رکی، اُسے یہ سب جذبات اسی ملک میں چھوڑ کر جانے تھے۔

وہ دونوں آہستہ آہستہ ایئرپورٹ کے داخلی راستے کی طرف چل پڑے۔

دوسری طرف، منسا ایئرپورٹ کی ہال میں چل رہی تھی، جہاں لوگوں کا ہجوم تھا، لیکن اس کے اندر جیسے ایک سکوت تھا۔ اس کے قدموں کی آواز ساکت تھی، دل میں ایک مٹھی بھر خوف اور بے یقینی تھی۔

اس نے بورڈنگ پاس نکالا اور اس کی تاریخ اور وقت کو ایک بار پھر سے پڑھا۔

اس کے ذہن میں ایک سوال گردش کر رہا تھا: کیا میں تیمور کے بغیر یہ سب کر سکوں گی؟ کیا میں اپنے فیصلوں میں اتنی مضبوط ہوں کہ اس نئے ماحول میں اپنے آپ کو ڈھال سکوں؟

اس نے خود سے سوال کیا، اور پھر خود کو دوبارہ سنبھال کر آگے بڑھنے لگی۔

وہ بورڈنگ گیٹ کے قریب پہنچی اور اپنی ٹکٹ دکھانے کے لیے لائن میں کھڑی ہو گئی۔اس کی نظریں باہر آسمان کی طرف تھیں جہاں پرواز کے لیے تیار ایک ہوائی جہاز کھڑا تھا۔کچھ لمحوں بعد،اس کا نام پکارا گیا اور وہ آگے بڑھ گئی۔

جب وہ جہاز میں سوار ہوئی،تو اس کے دل میں ایک ملے جلے جذبات تھے۔ایک طرف نیا سفر،نیا ماحول اور نئے امکانات کی طرف بڑھنے کی امید تھی،اور دوسری طرف ایک گہرا احساس تھا کہ وہ تیمور اور اپنے پیاروں سے دور ہو رہی تھی۔

تیمور کا چہرہ اس کے ذہن میں گہرے نقوش چھوڑ چکا تھا،اور اس کا وہ جملہ،**"مجھے نہیں پتا میں کیسے سروائیو کروں گا خیر سب تمہیں بہت یاد کریں گے،اپنا خیال رکھنا۔"**اس کی آواز جیسے منسا کے دل میں گونج رہی تھی۔

وہ کرلے گا سروائیو،اس نے خود کو تسلی دیتے ہوئے کہا،اور پھر ایئر لائن کی انٹری دروازہ بند ہونے کی آواز نے اسے حقیقت کی طرف واپس کھینچ لیا۔

اب جب وہ چلی گئی تھی تو تیمور آنکھوں کے سامنے وہ منظر پھر سے آگیا تھا۔

منسا نے نرم اور نم آواز میں کہا،اس کی آنکھوں میں ایک مدھم سی نمی تھی۔"...میرے بس میں ہوتا تو میں تمہیں چُنتی"

یہ الفاظ جیسے تیمور کے دل کو گھائل کر گئے تھے۔وہ اسے روک نہیں سکتا تھا کیونکہ اُسے حق نہیں تھا اور جسے منسا نے یہ حق دیا تھا وہ بے پرواہ تھا،اُسے فرق نہیں پڑتا تھا کہ منسا کہیں بھی ہو۔تیمور ایک تکون کا حصہ تھا،اس تکون کا حصہ بننا بے حد تکلیف دہ تھا اور ،تیمور کی آنکھوں میں اس درد کا عکس صاف ظاہر تھا،لیکن وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا،کچھ محبتیں ایسی ہی ہوتی ہیں بے بس کر دینے والی ہاتھ باندھ دینے والی اور بعض دفعہ بے سکون کر دینے والی۔

اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس کا ہاتھ تھامے،اسے روکے،لیکن وہ جانتا تھا کہ وہ اسے روک نہیں سکتا۔

وہ جانا چاہتی تھی اور تیمور نے اُسے اُسکی خوشی کے لیے جانے دیا تھا۔

وہ اس کے پیچھے، اس کے قدموں کے نشان کی طرف اُس وقت تک دیکھتا رہا، جب تک وہ اس کی نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں اس کی کمی کا احساس، اور دل میں یہ سوال تھا کہ، **کیا وہ کبھی واپس آئے گی؟**

****

اشمل یوسف کے سامنے بیٹھی، وہ اپنی پریشانی کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔ یوسف کے چہرے پر کسی بھی قسم کا تناؤ یا پریشانی نہیں تھی، وہ پر سکون تھا۔

یوسف!" اشمل نے ایک گہری سانس لی اور پھر اپنے سامنے بیٹھے ہوئے شخص کو گھور کر کہا، تم مجھے پھول بھیج کر کیوں پریشان کر رہے ہو؟

اس کی آواز میں دبے دبے غصے کے ساتھ ایک سوال تھا، جیسے وہ سچ میں جاننا چاہتی ہو کہ یوسف اس کا صبر کیوں آزما رہا تھا۔

یوسف نے اس کی طرف ایک لمحے کے لیے غور سے دیکھا، پھر آہستہ سے مسکراتے ہوئے کہا، پریشان؟ اشمل، میں نے تو سوچا تھا کہ تمہیں خوشی ہو گی۔

"خوشی؟؟؟"
اشمل نے بے ساختہ اس کی بات کاٹی

تمہیں یہ کیسے لگتا ہے کہ میں پھولوں کے ذریعے خوش ہو جاؤں گی؟

یوسف کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی، وہ ہلکا سا سر ہلا کر بولا

My bad

مجھے لگا تھا اشمل زبیر آج بھی پھولوں کی خاطر اپنا سب کچھ نچھاور کر دیتی ہے۔

اشمل نے نم آنکھوں کے ساتھ سامنے پڑے پھولوں کے پتے آہستہ سے مسلتے ہوئے کہا، یوسف، اپنی بکواس بند رکھو۔

وہ اشمل کی آنکھوں میں اس کا غصہ اور دکھ دیکھ رہا تھا۔

"اشمل، میں نے کبھی نہیں چاہا کہ تمہیں تکلیف ہو۔"

میں جانتا ہوں کہ تم مجھ سے ناراض ہو، لیکن میں چاہتا تھا کہ تمہیں بتاؤں کہ میں تمہاری قدر کرتا ہوں۔

اشمل کی آنکھوں میں اب کچھ موتی نما کانٹے چبنے لگے تھے۔ مگر اُسے اس گھٹیا آدمی کے سامنے رونا کہ خود کو کمزور ظاہر نہیں کرنا تھا۔

اُسے یوسف سے جیتنے کے لیے یوسف کی طرح ہی کھیلنا تھا۔

جانتی ہوں کہ تمہارا مقصد برا نہیں تھا، یوسف، مگر میں اب ان چیزوں کو فوراً قبول نہیں کر سکتی۔

اشمل نے نرمی سے کہا، اور اس کی آواز میں ایک ٹھہراؤ تھا وہ سوچ سوچ کر بول رہی تھی

یوسف بغور اشمل کو سر سے پیر تک دیکھ رہا تھا۔ اسکی نظر اشمل کے جامد پیروں پر ٹھہر گئی۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو، تمہیں جتنا وقت چاہیے، لے لو لیکن تمہارا فیصلہ میرے حق میں ہونا چاہیے ورنہ۔۔"

یوسف نے آہستہ سے تنبیہ کی۔

''میں چلتی ہوں، دادی انتظار کر رہی ہوں گی۔''

اس کا چہرہ غیر محسوس طور پر سنجیدہ تھا اشمل نے ایک آخری نظر یوسف کی طرف ڈالی، اس کی نظریں اشمل کے چہرے پر دراڑ کی طرح پڑی تھیں۔ پھر وہ سخت قدموں سے چلتی ہوئی اس کے سامنے سے نکل گئی۔ اس کی پشت پر یوسف کی ہنسی کی گونج سنائی دی وہ دل ہی دل میں خود سے کہہ رہا تھا، وہ اپنی کامیابی پر خوش ہو رہا ہو۔ اس کا دل ایک کامیاب کھیل کے بعد کی فتح کی طرح دھڑک رہا تھا، اور وہ جانتا تھا کہ اس کا پلان کامیاب ہو چکا تھا۔

****

تیمور عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد جائے نماز پر بیٹھا تھا، اس کے چہرے پر ایک گہرے غم کی لکیریں ابھر آئی تھیں۔ وہ سفید کُرتا پہنے ہوئے تھا، لباس شفاف جبکہ دل بوجھل تھا، اور اس کی آنکھوں میں آنسو تھے جو بہنے سے پہلے ہی رک گئے تھے۔

اس کی نظریں سامنے پڑی جائے نماز پر جمی ہوئی تھیں، وہ اس لمحے میں سکون تلاش کر رہا تھا مگر وہاں سکون کی جگہ ماضی کی یادوں نے لے لی تھی۔

منسا... اس نے بے حد آہستہ آواز میں کہا

وہ مجھ سے پیار نہیں کرتی یا اللہ، میں نے ہر طرح سے چاہا، اسکو ہر اختیار دیا، اپنی دنیا بنایا اور اس نے۔۔۔ وہ نوفل سے محبت کرتی ہے اُسکے لیے میں صرف ایک اچھا دوست ہوں پر میرے لئے وہ میری پوری دنیا ہے، میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے کوئی مجھ سے پوچھے تیمور تمھارے پاس کیا ہے؟ تو میں کہوں گا میں خالی ہاتھ ہوں کیونکہ جس کے پسندیدہ انسان کو اُس سے محبت نہیں ہوتی وہ خالی ہاتھ ہی تو ہوتا ہے اللہ تعالیٰ۔ وہ اپنے ہاتھوں کو دیکھتا کہہ رہا تھا اور اس کے لفظوں میں دنیا بھر کے دکھ چھپے ہوئے تھے۔

''میں نے اُسے بہت روکا کہ مت جاؤ مگر وہ نہیں رُکی، نوفل اس کو رکنے کا کہتا تو وہ اپنا فیصلہ بدل لیتی۔''

اس کی سانسیں رکی ہوئی تھیں، جیسے کوئی تکلیف دہ سوچ اس کے ذہن میں بار بار آ کر چمٹ رہی ہو۔

مجھے دنیا میں سب سے زیادہ اس کی ہنسی کی آواز سکون دیتی ہے اور۔۔وہ مجھے پچھلے منگل رات کے ۱۱ بجے بتا رہی تھی کہ اس نے نوفل سے زیادہ حسین مسکراہٹ کسی کی نہیں دیکھی۔

تیمور کے دل میں منسا کی مسکراہٹ، اس کی آواز، اور وہ لمحے جب وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ہوتے تھے، وہ سب کچھ ایک طوفان کی طرح اس کی روح میں دوڑ رہا تھا۔

وہ مجھ سے پیار نہیں کرتی، اس کی آنکھ مجھے، میری محبت کو نہیں دیکھتی اور جب جب مجھے اس بات کا احساس ہوتا ہے تو میرا شدت سے دل چاہتا ہے کہ میں اپنی آنکھیں نوچ لوں جنہیں منسا کے علاوہ کچھ دِکھتا ہی نہیں ہے۔

تیمور کی آنکھوں سے آہستہ آہستہ آنسو بہنے لگے، جیسے کوئی باندھ کر رکھے ہوئے جذبات اب اپنی جگہ نکال کر باہر آ رہے ہوں۔ وہ سر جھکائے بیٹھا رہا، اور جیسے ہر قطرہ آنکھوں سے باہر گرتا، وہ منسا کی یادوں میں مزید گم ہوتا گیا۔

اُس کو لگتا ہے میں مزاق کر رہا ہوں، وقتی باتیں کر رہا ہوں مگر مجھے پتا ہے کہ اگر مجھے میری محبت نہ ملی تو نہ میں زندہ لوگوں میں ہوں گا نہ مردوں میں اللہ تعالیٰ میں شاید۔۔میں شاید خود کو کھو دوں گا ہمیشہ کے لیے "اس نے بھرائی آواز میں کہا، وہ اپنی تکلیف کا اظہار کر رہا تھا، لیکن وہاں صرف خاموشی تھی، اور جائے نماز کی نرم سطح۔

وہ کچھ دیر ایسے ہی بیٹھا رہا، اس کا دل پھر بھی بے چین تھا۔ اس کے ذہن میں منسا کی ہنسی گونج رہی تھی، اور وہ لمحے جب دونوں ایک دوسرے کی موجودگی میں خوش ہوتے تھے، وہ سب اس کے لیے ایک خواب کی طرح تھے۔

"میں چاہتا ہوں کہ میری تکلیف کم ہو جائے۔"

تیمور نے اپنی آنکھیں بند کیں، اور پھر ایک طویل سانس لی۔

:اس کی آنکھیں بند تھیں، لیکن ذہن میں منسا کا وہ جملہ گونج رہا تھا، جس نے اس کی روح تک کو ہلا دیا تھا

"...میرے بس میں ہوتا تو میں تمہیں چُنتی، تیمور"

یہ الفاظ اس کے دماغ میں بار بار ایک گونج کی طرح اٹھ رہے تھے، جیسے وہ ایک خواب ہو جسے وہ حقیقت میں بدلتا دیکھنا چاہتا تھا۔ منسا کی آنکھوں میں جو درد اور مایوسی تھی، وہ اس جملے میں چھپی ہوئی تھی، اور تیمور یہ نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ آخر وہ کہاں کم پڑ گیا تھا۔

اس کی پیشانی زمین پر جمی ہوئی تھی، اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہتے جا رہے تھے، جیسے ایک دریا جو بے قابو ہو کر بہا جا رہا ہو۔

وہ سفید کُرتے میں ملبوس، اپنے ہاتھوں کو جوڑ کر دعا کے انداز میں بیٹھا تھا، لیکن اس کے اندر کا درد اتنا گہرا تھا کہ وہ بس روتا جا رہا تھا جیسے اس کا دل کسی غم سے دب کر بکھر گیا ہو۔

اس کے دماغ میں وہ عورت تھی، جس کا خیال ہر وقت اس کے دل میں تھا—**منسا**۔ وہ ایک یاد بن کر، ایک خواب بن کر اس کے دماغ میں گونج رہی تھی، اور تیمور کا دل ان یادوں میں غرق ہو رہا تھا۔

یا اللہ، کیا وہ مجھ سے کبھی محبت نہیں کرے گی؟" وہ اشک بہاتے ہوئے گویا ہوا، اور اس کی آواز میں ایک غمگینی تھی، جیسے وہ ایک مشکل سوال کا جواب مانگ رہا ہو۔

****

دونوں کے درمیان فون پر بات جاری تھی۔ نوفل کا لہجہ معمول سے قدرے نرم تھا، فون کی اس ہلکی سی خاموشی میں اشمل کی آواز سنائی دی کہ اچانک ہی نوفل نے کہنا شروع کیا

پتہ نہیں میں بس کبھی کبھی بہت اِن سکیور ہو جاتا ہوں کہ آپ اتنی حسین ہیں اور میں..." نوفل نے آہستہ سے کہنا شروع کیا اور اس کے الفاظ میں ایک قسم کی ہچکچاہٹ اور بے چینی تھی جیسے وہ اپنی سچائی کا اعتراف کرنے میں ہچکچا رہا ہو۔

اشمل نے چند لمحے کے لیے خاموشی اختیار کی اُسے لگا نوفل مزاق کر رہا ہے۔ نوفل مزید کچھ کہنے کی کوشش کر رہا تھا، مگر الفاظ اس کی زبان سے صحیح طرح نہیں نکل رہے تھے۔

نوفل نے پھر سے کہا، اس کی آواز میں اب کچھ بے بسی تھی۔ **"کیا آپ کو کبھی لگتا ہے کہ میں آپ کے برابر نہیں ہوں؟"** اس نے یہ بات اپنے دل کی گہرائیوں سے نکال کر بہت ہمت کر کے اشمل کے سامنے رکھی تھی۔

اس کی بات سن کر اشمل کی آنکھوں میں لمحے بھر کے لیے حیرت ابھری۔ وہ جانتی تھی کہ نوفل کی طبیعت میں حساسیت ہے، اور وہ کبھی اپنی حقیقت کو دوسروں سے چھپانے کی کوشش کرتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک محبت بھری مسکراہٹ ابھری، اور پھر اس نے آہستہ سے کہا

نوفل، آپ کیا سوچتے ہیں؟" اس کی آواز میں نرمی تھی، جیسے وہ اس کی بے چینی کو کم کرنا چاہتی ہو۔ **تم جیسے بھی ہو میں نے تمہیں اُسی سب کے ساتھ ہی پسند کیا ہے اور کوئی چیز اس سے زیادہ اہم نہیں ہے کہ تم میری محبت ہو۔ اس لیے مسٹر۔ نوفل آپ میرے لیے بہت خاص ہیں، اور انسان کا حسن اُس کو ڈیفائن نہیں کرتا کیونکہ اس میں انسان کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا یہ سارا اللہ کا کمال ہے۔**

نوفل خاموش ہو گیا، اور پھر اس کی شخصیت میں ایک نرم سی تسلی کا اثر دکھائی دینے لگا۔ اشمل کی باتوں نے جیسے اس کے اندر کی ساری بے چینی اور شک کو دور کر دیا تھا، اور وہ آہستہ سے مسکرایا۔

اور اگر ٹیلنٹ کی بات کریں تو تم مجھ سے زیادہ ٹیلنٹڈ ہو، اشمل نے آہستہ سے کہا، کیونکہ مجھے تمہاری طرح اتنا اچھا گٹار نہیں بجانا آتا اور نہ میری اتنی اچھی آواز ہے۔ وہ چاہتی تھی کہ نوفل کو کوئی بھی احساس کمتری نہ ہو۔ نوفل نے گہری سانس لے کر نرم لہجے میں کہا

میں پھر بھی یہی کہوں گا کہ تم بہت حسین ہو، میں نے تم سے زیادہ حسین لڑکی اپنی زندگی میں نہیں دیکھی۔

"اس میں میرا تو کوئی کمال نہیں ہے ناں، یہ تو اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے، اور اس نے شکلیں تو سب ہی کی خوبصورت بنائی ہیں۔" وہ نہیں چاہتی تھی کہ نوفل اپنے آپ کو کسی اور سے کم سمجھے۔

اس کا یہ جواب نوفل کے دل تک پہنچا تھا، اور اس کے اندر کی ساری بے چینی دور ہو گئی تھی۔

****

تیمور آفس میں اپنے ڈیسک پر بیٹھا تھا، لیکن اس کا ذہن کہیں اور تھا۔ نہ تو اس کی نظریں اسکرین پر مرکوز ہو رہی تھیں اور نہ ہی وہ اپنے کام میں کوئی دلچسپی لے پا رہا تھا۔ ایک بے چینی کی لہر ہر لمحہ اس کے اندر اُٹھی جا رہی تھی، جیسے کوئی دباؤ تھا جو اس کے دماغ کو مسلسل ستا رہا تھا۔

اس کی نظر بار بار گھڑی پر جا کر رک جاتی، جیسے وقت کا گزرنا اتنا سست ہو گیا ہو کہ ہر پل ایک صدی کی طرح لگ رہا تھا۔ منسا کے پہلی اکیلے سفر پر جانے کا خیال جیسے اس کے دماغ میں مسلسل بجتا ہوا الارم بن گیا تھا۔ اس کا دل بار بار یہی سوچ رہا تھا کہ وہ اس کے ساتھ کیوں نہیں جا سکا۔

میں اس کے ساتھ ہوتا تو بہتر ہوتا...اس نے دل میں کہا، لیکن منسا کی وہ آواز یاد آئی جب اس نے اسے منع کیا تھا، "نہیں" تیمور تمہیں میرے ساتھ آنے کی ضرورت نہیں ہے، میں خود ہی چلوں گی۔

وہ جملہ اس کے دماغ میں گونج رہا تھا، اور اس کے ساتھ ہی ایک عجیب سی بے بسی کا احساس بھی اُبھرا۔

****

منسا نے جیسے ہی اسپین کے شہر ''والنسیا'' کی فضاء میں قدم رکھا، اُسے ایسا لگا جیسے وہ ایک نئی دنیا میں آ گئی ہو۔ ایئرپورٹ سے باہر نکلتے ہی شہر کا رنگین منظر نے اس کی نظریں اپنی جانب کر لی تھیں یہ سب کچھ اتنا مختلف تھا کہ وہ اپنی آنکھوں میں حیرت اور مسکراہٹ لیے ہر طرف دیکھ رہی تھی۔

چمکتے ہوئے آسمان کے نیچے، یہاں کی عمارتیں اپنی خوبصورتی میں غمگینی اور رنگینی کا امتزاج کیے ہوئے تھیں۔ اس جگہ کا ہر چھوٹا سا منظر، ہر گلی کا موڑ، ہر درخت کی ہلکی سی سرسراہٹ اسے متاثر کر رہی تھی۔

کتنی خوبصورت عمارتیں ہیں! منسا نے دل میں کہا، جب اُس کی نظریں ایک تاریخی طرز کی عمارت پر رکیں۔ اس کی چھتوں پر پیچیدہ نمونے، اور دروازوں کے اوپر بنے سونے کے رنگ والے جزئیات اس کے دل کو بہت خوش کر رہے تھے۔

گلیوں میں چلتے ہوئے وہ رنگین مارکیٹوں کی جانب متوجہ ہوئی، جہاں ہنستے ہوئے لوگ خریداری کر رہے تھے اور ہر طرف خوشبوؤں کا ایک جھرمٹ تھا۔ "یہ کیسی خوشبو ہے؟" وہ بار بار اپنے ارد گرد کی تازہ پھولوں کی خوشبو کو محسوس کر رہی تھی۔ اسپین کی یہ گلیاں اسے ایک خواب کی طرح لگ رہی تھیں۔ وہاں بیٹھے لوگ محوِ گفتگو تھے۔
اس شہر کی رونق اور جاذبیت نے اسے مکمل طور پر اپنے حصار میں لے لیا تھا۔

وہ چلتے ہوئے ہر منظر کو اپنی نظروں میں سمیٹ رہی تھی۔ سڑکوں کے کنارے پر درختوں کی ہلکی سی سرسراہٹ، قدیم طرز کی عمارتیں جو ہر زاویے سے اپنے تاریخی ورثے کو اجاگر کر رہی تھیں، اور رنگ برنگے کینوس کی طرح پھیلی ہوئی چھتیں جو اسے کسی فنی منظر کی طرح لگ رہی تھیں۔

"کتنی خوبصورت جگہ ہے! پکچرز میں سے کئی زیادہ حسین رئیل میں ہے"

وہ خود سے بڑبڑائی

وہ ایک چھوٹی سی کافی شاپ کے باہر کھڑی تھی، جہاں لوگوں کی ہنسی مذاق کی آوازیں اور خوشبوؤں کا مکسچر تھا۔ اُس نے اندر جا کر ایک کیپوچینو آرڈر کیا اور باہر کی ٹیرس پر بیٹھ گئی۔ اس کے سامنے ایک خوبصورت منظر تھا؛ وہاں ایک دریا کے کنارے کی سڑک سے گزرتی ہوئی کشتیوں کی تصاویر، اور دور آسمان پر سورج کی نرم کرنیں، جو شہر کو نرم، سنہری رنگ دے رہی تھیں۔
کیفے کے آس پاس کی رنگین عمارتیں، جن کے دروازوں پر دلکش رنگوں کی رنگینیاں اور خوبصورت درخت موجود تھے، سب کچھ جیسے ایک دوسرے سے جڑا ہوا تھا۔

****

نوفل جب اشمل کے قریب آ کر بیٹھا، تو اس کی آنکھوں میں ایک تجسس اور بے چینی کا ملا جلا اظہار تھا۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے چپ رہا، پھر اچانک اشمل کی طرف مڑا اور سوال کیا، کل آپ کدھر تھیں؟

اشمل نے اس کا سوال سنا تو وہ تھوڑی دیر کے لیے لاجواب سی ہو گئی۔ وہ نوفل کے سامنے بیٹھی تھی، اور اس کے سوال نے اشمل کو ایک ہلکا سا جھٹکا دیا تھا۔

میں... بس تھوڑی دیر کے لیے سو گئی تھی شام میں۔"اس نے دروازے کے کونے کی طرف دیکھا، پھر نوفل کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کی، مگر اشمل کی نظریں نظرانداز کر گئیں۔

نوفل کی نظریں اس کی بے چین حالت کو فوراً محسوس کر گئیں۔وہ کچھ لمحے کے لیے خاموش رہا، پھر نرم لہجے میں بولا، "سب ٹھیک ہے؟''اس کی آواز میں نرمی تھی۔

اشمل نے گہری سانس لی اور اپنا تاثر بہتر بنانے کی کوشش کی، پھر زبردستی مسکراتے ہوئے کہا، ہاں، سب کچھ ٹھیک ہے۔

آپ کچھ چھپا رہی ہیں؟''اس کی بات کو سن کر ایک لمحے کے لیے وہ چپ ہو گئی۔کیا وہ جانتا تھا کہ اشمل کل یوسف سے ملنے گئی تھی ؟

نہیں۔اشمل نے یک لفظی جواب دیا

نوفل نے اثبات میں سر ہلایا

اگلی دفعہ میں پوچھوں کہ آپ کدھر تھیں تو آپ نے جواب دینا ہے نوفل آپ کے دل میں۔اوکے ؟؟''وہ اب ہنستے ہوئے اسے کہہ رہا تھا

اپنا منہ دیکھا ہے، اشمل کا تو جیسے یک دم سے بلڈ پریشر ہائی ہو گیا تھا۔

آپ منہ پہ مرتی ہی کب ہیں؟ ویسے بھی آپ تو آوازوں پہ مرتی ہیں۔وہ اب اُسے چھیڑ رہا تھا۔

نوفل کی ہنسی اور مزاح نے اشمل کو اپنی پریشانی سے تھوڑی دیر کے لیے آزاد کر دیا تھا۔

****

نوفل اپنے موبائل کی اسکرین پر نظر ڈالتے آہستہ سے ایک میسج ٹائپ کر رہا تھا۔اس کے چہرے پر معمول سے زیادہ سنجیدگی کا اثر تھا۔اس کی انگلیاں کی بورڈ پر چل رہی تھیں، میسج مکمل کر کے اس نے ایک گہری سانس لی پھر اس نے میسج اشمل کو بھیج دیا۔

"اشمل،ابو کی طبعیت ٹھیک نہیں ہے،اس لیے میں کچھ دنوں کے لیے گھر جا رہا ہوں۔"

میسج بھیجنے کے بعد،نوفل کچھ لمحوں کے لیے چپ ہو گیا۔اس کے ذہن میں بے شمار خیالات تھے،اور وہ جانتا تھا کہ اشمل اس کے بارے میں کیا سوچے گی۔کیا وہ پریشان ہو گی؟یا پھر وہ صرف یہ سمجھے گی کہ وہ زیادہ حساس ہو رہا ہے؟لیکن پھر بھی،اس نے اشمل کو یہ اطلاع دی تھی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ان دونوں کے درمیان جو تعلق ہے،وہ اتنا گہرا ہے کہ اسے اس بارے میں بتانا ضروری تھا۔

چند لمحوں بعد،نوفل کی نظریں پھر سے موبائل پر تھیں،جب اُس نے اشمل کا جواب دیکھا
اللہ انہیں صحت دے اپنا اور ان کا خیال رکھنا۔اس نے جواب دیے بنا موبائل جیب میں ڈال لیا

****

اشمل بیٹھے بیٹھے تھک گئی تھی وہ فون کی اسکرولنگ میں محو تھی،لیکن کہیں نہ کہیں اس کی سوچ نوفل کی طرف جا رہی تھی۔ایک دم اس کا ہاتھ رک گیا اور آنکھوں میں ایک خیال آیا
"...نوفل نے مجھے ایک دفعہ اپنے انسٹا گرام کا الگ اِن بھیجا تھا"

یہ خیال آتے ہی اشمل کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔وہ فوراً اپنی انگلیاں موبائل کی اسکرین پر دوڑاتی ہوئی انسٹا گرام کی تلاش میں لگ گئی۔اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ نوفل کے وہ پیغامات دیکھے،جو اس نے کبھی سوچے بغیر بھیجے تھے۔اس کا ارادہ تھا کہ وہ کچھ نیا کرے

اس طرح شاید اشمل کو نوفل کی دنیا سے کچھ قریب ہو جانے کا موقع مل جائے۔ وہ نوفل کی محبت کی تلاش میں تھی، لیکن اس کو ایک تلخ حقیقت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ وہ موبائل کی اسکرین پر موجود چیٹس کی فہرست میں آئی تھی۔

وہ جیسے اس کے ڈی ایمز میں آ کر گم ہو گئی، پھر اس کی نظریں ایک آشنا نام پر ٹھہریں **منسا**۔ جب اس کی نظر ایک ایک کر کے چیٹس پر پڑی، تو ایک چیٹ نے اس کا دھیان کھینچ لیا۔ اُس چیٹ کو نوفل نے پِن کر رکھا تھا۔

اشمل اور منسا کی چیٹس کو دونوں ہی کو پِن کیا گیا تھا۔ اشمل کی آنکھیں بے ساختہ پھیل گئیں، جیسے کسی نے اچانک اس کی آنکھوں کے سامنے ایک دروازہ کھول دیا ہو، جو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

پہلے اشمل کی چیٹ آئی، پھر نوفل کے ساتھ منسا کی چیٹ بھی پِن تھی۔

اس لمحے، اشمل کا دل جیسے منجمند ہو گیا۔ آنکھوں کے سامنے تاریک دھیما سا سایہ پھیل گیا۔ اس کا دل دھڑکنا بند ہو گیا، اور پھر ایک لمحے میں اشمل کے اندر گہرا احساسِ کمتری اور تنہائی کا سیلاب اُمڈ آیا۔ وہ جیسے ایک گہری کھائی میں گر گئی تھی۔

''نوفل ایسا نہیں ہے ویسے بھی اس نے مجھے بتایا ہے کہ اُس کی دو تین دفعہ منسا سے بات ہو چکی ہے۔''
وہ دل میں سوچتے ہوئے منسا کے ان باکس میسج کو کھول کر پڑھنے لگی۔

اشمل نے اس آئی ڈی کو پہلے کبھی نہیں کھولا تھا، لیکن آج، اس لمحے میں، اسے اس کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔

اس کے دماغ میں ایک شور تھا، جیسے ہر بات ایک لمحے میں ٹوٹ کر بکھر رہی ہو۔ اس کے ہاتھ نے اسکرین کو اس طرح پکڑا تھا جیسے وہ کسی گہرے غم میں ڈوبی ہو۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی، اور

''**منسا؟**''اشمل نے بے اختیار دل میں کہا، جیسے کسی نے اس کے دل کو چھلنی کر دیا ہو۔**''کیا نوفل۔۔۔؟''**

اشمل کے جسم میں لرزہ آگیا، اور وہ سوچنے کی بجائے بے ساختہ رو پڑی۔اس کی آنکھوں سے قطرے بہنے لگے، جیسے وہ کسی دریا میں ڈوب رہی ہو، اس کا دل، اس کا اعتماد، اور اس کی پوری ہمت پانی میں بہہ رہی تھی۔

اس کے گالوں پر گہرے آنسو بہنے لگے۔اس کا چہرہ سرخ اور نم تھا، اور وہ اسے کنٹرول کرنے کی کوشش کرتی رہی، مگر وہ اس میں ناکام ہو گئی۔

وہ موبائل اسکرین کو آنکھوں کے سامنے دیکھتے ہوئے پھر بے اختیار کچھ لمحوں کے لیے روتی رہی، اشمل کی انگلیاں اسکرین پر لرزتے ہوئے چل رہی تھیں، اور جب اس نے نوفل اور منسا کی چیٹ پر کلک کیا، تو ایک لمحے کے لیے اس کا دماغ سن ہو گیا۔اس کے اندر کی اُداسی اور الجھن ایک بار پھر بڑھ گئی تھی۔اس کی نظریں اسکرین پر مرکوز تھیں، لیکن دل کا کرب بڑھتا جا رہا تھا۔

اس نے ایک نظر پہلے میسج پر ڈالی، پھر دوسرے اور تیسرے پر۔ہر ایک لفظ میں کچھ ایسا تھا جو اشمل کے دل کو مزید توڑ رہا تھا۔اس کے دل میں ایک بھاری احساس اُبھرا کہ یہ سب کچھ اس کے لیے تھا، لیکن وہ خود اس میں شامل نہیں تھی۔جیسے وہ کبھی ان لمحات کا حصہ ہی نہیں تھی۔

اس کی نظریں دھندلا گئی تھیں، اور وہ اپنی حالت پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی، مگر ہاتھ ابھی بھی کانپ رہے تھے۔

چہرے پر بے شمار سوالات اور احساسات کا گہرا گماں تھا، اور اشمل نے اپنے ہاتھ کو آنکھوں پر رکھ کر آنسو صاف کرنے کی کوشش کی۔اس کا دل بھر آیا تھا اور وہ اپنے جذبات پر قابو پانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔وہ جانتی تھی کہ وہ اس حقیقت کو بدل نہیں سکتی لیکن پھر بھی، اس نے اپنی نظریں اسکرین سے ہٹا کر باہر کی طرف گھمائیں، جیسے خود کو اس تکلیف دہ حقیقت سے دور کرنا چاہ رہی ہو۔

اس کا جسم ابھی بھی لرز رہا تھا، وہ میسجز تھے جو نوفل نے منسا کو کیے تھے، پڑھ کر اشمل کے دل میں ایک گہری ٹیس اُبھری۔

،نوفل نے ایک جگہ لکھا تھا **"تم اکیلی نہیں ہو، منسا۔ میں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں۔"** اور اس کے بعد ایک اور پیغام بھیجا گیا تھا "چاہے دنیا کچھ بھی کہے، میں تمہارے ساتھ ہوں، ہمیشہ تمہارا ساتھ دوں گا۔"

اشمل کی نظریں اس بات پر جمی ہوئی تھیں، اور وہ کچھ لمحوں تک بے سدھ سی بیٹھ گئی۔ دل میں گہری چوٹ محسوس ہوئی جیسے کسی نے اس کی روح کو چھیڑ لیا ہو۔ ان الفاظ میں ایک گہرائی، ایک پختگی تھی جو اشمل کے لیے نئی اور تکلیف دہ تھی۔

اس کی آنکھوں کے سامنے وہ منظر لہرایا تھا جب اس نے نوفل سے اپنی ماں کی موت کا ذکر کیا تھا اور جواب میں نوفل کا ردِ عمل کچھ یوں تھا

مجھے نہیں پتا اشمل کہ میں کیا کہوں، مجھے تسلیاں دینی نہیں آتیں۔ اور آج وہ آدمی منسا کی چیٹ میں بیٹھا اُسے گھنٹوں سن رہا تھا اسکے زخموں پر مرہم کا کام کر رہا تھا۔

نوفل کی یہ تسلیاں، وہ پیار بھری باتیں، ایک طرف تو اُسے تکلیف دے رہی تھیں، دوسری طرف وہ یہ بھی سوچ رہی تھی کہ کیا نوفل نے کبھی اسے اس طرح محسوس کرایا تھا؟ کیا نوفل نے کبھی اشمل کو یقین دلایا تھا کہ وہ ہمیشہ اس کے ساتھ کھڑا رہے گا؟

اشمل کا دل ایک لمحے کے لیے ساکت ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں نمی تھی، اور دل میں ایک خلا تھا جس کا کوئی نام نہیں تھا۔ وہ شاید کبھی نوفل کی زندگی کا حصہ نہیں تھی اور اگر کبھی تھی بھی، تو آج اس کی یہ خوش فہمی دور ہو گئی تھی۔

اس کی انگلیاں موبائل کی اسکرین پر اس طرح چل رہی تھیں جیسے وہ کسی چیز سے بچنا چاہتی ہو، لیکن اس کا دماغ اس وقت بھی نوفل اور منسا کی چیٹس میں گم تھا۔ جب اس نے نوفل کے میسجز میں وہ لفظ پڑھے، تو ایک تلخ مسکراہٹ اس کے لبوں پر آئی۔

وہ بے اختیار خود کلامی کرتی گئی، **جس دن میں نے تمہیں اپنی ماں کی موت کا بتایا تھا تو تم نے کہا تھا کہ 'اشمل، مجھے تسلیاں دینی نہیں آتیں۔**

اس کی آواز میں ایک خاص نوعیت کا کرب تھا، اب وہ ہر اُس لمحے کو یاد کر رہی تھی جس لمحے وہ غم سے جکڑی ہوئی ہوتی تھی اور نوفل نے اس سے کہا کرتا تھا کہ وہ اسے تسلیاں نہیں دے سکتا تھا، کیونکہ اسے خود بھی ان تسلیوں کی ضرورت تھی۔

کیسی عجیب بات ہے!" اشمل نے خود سے کہا، **اب میں دیکھ رہی ہوں کہ تم منسا کو کیا تسلیاں دے رہے ہو، اور وہ ساری باتیں تمہیں آتی ہیں۔**

وہ ایک طرف نوفل کی محبت اور تعلقات میں منسا کے لیے دکھائی جانے والی دلچسپی دیکھ رہی تھی، تو دوسری طرف وہ خود کو کمتر محسوس کر رہی تھی۔

وہ شخص جسے وہ اتنا چاہتی تھی، جسے وہ اپنا سمجھتی تھی، وہی شخص اس کے ساتھ کھیل رہا تھا۔

اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ خود کو اتنا کم تر محسوس کرے گی۔

وہ ایک لمحے کے لیے نوفل کے ساتھ گزارے ہر اُس لمحے کو یاد کرنے لگی جب وہ ایک دوسرے کے ساتھ خوش تھے لیکن اب اس کی آنکھوں کے سامنے وہ لمحہ تھا جب اشمل کو یہ سچائی سامنے آئی کہ وہ شخص، جس پر اس نے اتنا بھروسا کیا تھا، وہ اُسے دھوکہ دے رہا تھا۔

میں نے تمہیں اپنا آئینہ سمجھا، تم میں خود کو دیکھا اور تم نے میرے اعتبار کو توڑ دیا نوفل، تم نے مجھے، میرے دل اور میرے اعتبار کے آئینے کو توڑ دیا نوفل۔ وہ اب سسکتی آواز میں کہہ رہی تھی۔

دنیا کو کیسے بتاؤں گی کہ میرے پسندیدہ آدمی نے مجھے دھوکہ دیا ہے...اشمل زخمی انداز میں قہقہ لگائے اُٹھی۔اس کی دنیا ٹوٹ چکی تھی اور وہ خود اس ٹوٹ پھوٹ میں دب کر رہ گئی تھی۔اس کا دل بے چارگی اور غم کی گہرائی میں ڈوبا تھا۔اس لڑکی کی دنیا اب نوفل کی بے وفائی کی حقیقت کے ساتھ بکھر چکی تھی۔

اس نے نہ صرف اشمل کو، بلکہ اشمل کے دل کی ہر خوشی کو بھی چُرا لیا تھا۔

****

تیمور کا دماغ گہری سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ایک مخصوص منظر کا عکس اس کی آنکھوں کے سامنے اُبھرا۔وہ منظر ایسا تھا جو کبھی بھی تیمور کی آنکھوں سے چھپ نہ پایا تھا، جسے وہ بھلا نہ سکا تھا۔

وہ منظر اس کی آنکھوں کے سامنے ایک بار پھر سے ظاہر ہونے لگا۔وہ عمیر تھا، جس کے ساتھ تیمور کا ایک نہ ختم ہونے والا تعلق تھا،اور جس کے ساتھ تیمور کی زندگی میں ایک پیچیدہ کہانی جڑی ہوئی تھی۔

عمیر زمین پر گرا ہوا تھا،اور تیمور اس کے سر کے اوپر کھڑا تھا۔ تیمور کی آنکھوں میں غصہ تھا

تم نے اچھا نہیں عمیر ! تیمور اس کو زمین پر گھسیٹ رہا تھا۔

عمیر کی آنکھوں میں خوف تھا،اور اس کے جسم میں ایک سکوت سا چھایا ہوا تھا، جیسے وہ تیمور کی طاقت کے سامنے بے بس ہو۔

تیمور کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ عمیر کو اس کے کیے کی سزا دے، وہ سب کچھ جو اس نے منسا کے ساتھ کیا۔

لیکن جب تیمور نے اس منظر پر غور کیا، تو اس کی سانسیں تیز ہو گئیں۔ عمیر کا خوف اس کی آنکھوں میں صاف ظاہر تھا، اور وہ کٹے پھٹے الفاظ میں تیمور سے کچھ کہنے کی کوشش کر رہا تھا، مگر تیمور یہاں اُس کی باتیں سننے نہیں آیا تھا۔

تیمور نے اُسکے گریبان پر اپنی گرفت مضبوط کرتے اُسے اُٹھایا" مجھے پتا ہوتا اس سب کے پیچھے تم ہو تو میں بہت پہلے تمہارا قصہ تمام کر چکا ہوتا۔" وہ آنکھوں میں تپش لیے بولا تھا اور اپنے بات مکمل کرتے ہی اُس نے سامنے کھڑے لڑکے کو اشارہ کیا اور وہ لڑکا آگے بڑھتے عمیر پہ جھک کر اس کے جسم میں انجیکشن کی نوک کو اندر کرتا عمیر کے جسم سے خون نکالنے لگا۔

اُسے کے جسم سے اتنا خون نچوڑ لو کہ جب اس کی موت ہو تو اس کا جسم چند منٹوں کے اندر ہی نیلا پڑ جائے۔

تیمور حقارت سے کہنے لگا۔

"تمہیں پتا ہی ہے شہباز کے تمہیں آگے کیا کرنا ہے، مجھے کچھ کام ہے تم بھی اپنا کام کر کے مجھے تصویریں بھیج دینا۔"

شیور سر۔ شہباز نے خوش دلی سے سر ہلایا

تیمور آگے بڑھنے لگا تو عمیر نے اس کی دائیں بانٹ پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کی کوشش کی مگر بندھے ہاتھوں سے یہ کوشش کچھ زیادہ کارآمد ثابت نہیں ہوئی۔

تیم۔۔ور۔ "عمیر منت بھرے انداز میں بولا وہ اُس بھیڑیے سے اپنے زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا جو سیکنڈ چانسز پہ یقین نہیں رکھتا تھا۔

ایسا کرتا ہوں میٹنگ کینسل کر دیتا ہوں، اس وقت عمیر کو مشکل وقت میں کمپنی دینا سب سے ضروری کام ہے۔ وہ معصومیت سے مسکرایا۔

چند منٹوں بعد شہباز جب عمیر کے جسم سے خون نچوڑ لینے میں کامیاب ہو گیا تو عمیر نڈھال سا زمین پر پڑا دکھائی دیا اور تیمور چہرے پہ ناگواری لیے کھڑا تھا۔ تیمور نے شہباز کو اشارہ کیا تو اس نے تائید سے سر ہلایا اور عابد کو آگے آنے کا اشارہ کیا

عابد آگے آیا تو اس نے اپنے ہاتھ میں موجود پستول تیمور کی طرف بڑھائی جسے تیمور نے بے حد خوشی سے تھاما تھا بالکل ایسے جیسے کسی بچے کو اس کا پسندیدہ کھلونا مل گیا ہو۔

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ایک ہی جھٹکے میں اس نے لگاتار پانچ گولیاں عمیر کے سر میں گھسا دیں۔ عمیر کے دماغ سے نکلتا خون دھیرے دھیرے پھیلنے لگا تھا مگر اس کے دماغ سے نکلتا مواد دیکھ کر تیمور کو اُس سے گھن آگئی اور وہ پستول عابد کو واپس تھماتا گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

****

اشمل آج جب گھر پہنچی تھی تو اس کے بیڈ پر ایک یو ایس بی رکھی تھی جس کے ساتھ ایک چھوٹا سا کارڈ لگا تھا، جس پر لکھا تھا

" Open me love , before it's too late "

کارڈ پر لکھی انگریزی کی طرز نے اشمل کو یو ایس بی لیپ ٹاپ سے کنیکٹ کرنے پر مجبور کر دیا تھا اشمل نے جوں ہی فائلز کو کھولنا شروع کیا تو اس کا جسم کپکپانے لگا، اسکرول کرتے کرتے اُسے وہ سب تصاویر نظر آگئی تھیں اور وہ حواس باختہ ہوتی یوسف کو فون ملانے لگی

دوسری طرف یوسف تو جیسے اِس کی کال کے انتظار میں بیٹھا تھا، اُس نے ایک ہی رِنگ پر کال رسیو کر لی تھی

تم نے مجھ سے کہا تھا کہ یہ سب تم نے ڈیلیٹ کر دیا ہے۔ اشمل روہانسی آواز میں بولی

اور تم نے یقین کر لیا؟، یوسف کو اشمل کی بے وقوفی پر حیرت ہو رہی تھی اُسے اشمل سے اس احمقانہ بات کی توقع نہیں تھی

یوسف، یہ بس ایک غلطی تھی اور تم میری غلطیوں کو یوں اچھال نہیں سکتے، آنسو اب اشمل کی بائیں آنکھ سے چھلکنے لگے تھے،

عورت کی غلطی، غلطی نہیں گناہ ہوتا ہے اشمل، تمہیں تمہاری دادی نے اتنا بھی نہیں سکھایا؟

I mean it's basic "

اشمل نے ایک گیلی سانس اندر کھینچتے پھر سے بولنے کی کوشش کی

''اب تم کیا چاہتے ہو؟''

بس یہی کہ مجھ سے شادی کر لو ورنہ تمھارے سب رشتے داران پکچرز میں ٹیگ کر کے لکھوں گا کہ آپ کے گھر کی لڑکی کو ماڈل بننے کا بہت شوق ہے۔ اس نے بے نیازی سے شانے اچکائے

اس سے پہلے اشمل کچھ کہتی دوسری طرف سے کال کاٹ دی گئی تھی۔اور وہ یونہی بیٹھی اپنی قسمت کا ماتم کر رہی تھی۔

****

آج علی رحمان کی بیٹی میرب کی بارات تھی،رحمان صاحب کا پورا گھر سجا تھا اور ہر جگہ مہمان دکھائی دے رہے تھے چند منٹ پہلے ہی انکی بیٹی میرب سیلون سے واپس آئی تھی اور اب وہ اپنے باپ کے گلے لگ کے رو رہی تھی

ابو آپ نے ہمیشہ میری ہر خواہش پوری کی ہے پھر چاہے وہ پسند کی گڑیا لے کر دینا ہو یا اں پسند کا لہنگا، میں آپ کو بہت مس کروں گی۔وہ اپنے باپ کے کندھے پر سر ٹکائے روتے ہوئے کہہ رہی تھی اور رحمان صاحب میرب کے سے پر شفقت سے ہاتھ پھیر رہے تھے کہ اچانک ان کی جیب میں موجود موبائل بجھنے لگا اسکرین پر فہیم کا نام چمک رہا تھا انہوں نے فوراً فون کان سے لگا لیا

ہاں بولو فہیم کیا بات ہے؟،وہ دوستانہ انداز میں گویا ہوئے

تم نے وہ آصف منصور والی فائل دیکھی ہے کہیں؟ میں نے پورا آفس چھان مارا مجھے کہیں نہیں ملی،ایسا کرو تم آفس آجاؤ جلدی سے

۔

لیکن یار آج تو میرب کی شادی ہے، بارات بس آنے والی ہی ہو گی،اس وقت تو ممکن نہیں۔انہوں نے معذرت کی،

دیکھ یار میں بالکل اسرار نہ کرتا پر تجھے میڈم کا پتا ہی ہے، آدھے گھنٹے میں ان کے سامنے میں نے اگر فائل کھول کر نہ رکھی تو وہ میرا دماغ کھول کے رکھ دیں گی، پلیز۔ فہیم نے تقریباً منت کرنے والے انداز میں کہا

اچھا اوکے میں آتا ہوں بس پانچ سات منٹ کی ہی تو بات ہے۔رحمان صاحب نے ہنستے ہوئے ہامی بھر لی، فہیم ان کا بارہ سال پرانا دوست تھا وہ اگر اسرار کر رہا تھا تو ضرور کوئی ایمرجنسی ہی تھی۔

اپنی امی سے کہنا میں ایک کام سے جا رہا ہوں بس بیس پچیس منٹ کے اندر اندر واپس آجاؤں گا۔وہ میرب کے کندھے کو تھپتھپاتے باہر نکل گئے۔

ٹھیک پانچ منٹ کی ڈرائیو جے بعد جب علی رحمان آفس پہنچا تو باہر نورین کی گاڑی کھڑی دیکھ اس کے اندر کوئی الارم بجھا جسے اس نے سر جھٹک کر نظر انداز کر دیا، لفٹ میں سوار ہو کر جب وہ تیسرے فلور پر پہنچا تو سامنے فہیم اُس کا استقبال کرتا دکھائی دیا

یار رحمان آنے کا بہت شکریہ، آج تو نہ آتا تو تیرا دوست جان سے چلا جاتا۔

تیرے لیے تو جان بھی حاضر ہے۔رحمان نے فہیم کے ہاتھ کو قریب کرتی ہوئے کہا

وہ آفس میں فائل ڈھونڈنے کی نیت سے پہنچا تو سامنے کرسی پر نورین کو بیٹھا دیکھ ذرا سنبھل گیا

میڈم آپ یہاں۔۔۔ جھجھکتے ہوئے کہا

ہاں، پورا ایک ہفتہ انتظار کیا اس دن کا میں نے۔

ک۔۔کیا مطلب؟"رحمان قدرے الجھا"

مطلب یہ کہ مجھے تمھارے جگری یار نے پچھلے ہفتے ہی بتا دیا تھا کہ تم نے کمپنی کے پیسوں میں فراڈ کر کے اپنی بیٹی کی ڈیزائنر لہنگے والی خواہش پوری کر دی، پر دیکھو میں نے تمھاری بیٹی کو اس کی شادی کا تحفہ دینے کے لیے اُس کی شادی تک کا انتظار کیا، ہوں ناں میں پھر صابر ترین عورت۔وہ بالوں کی لَٹ کو انگل پہ گھماتے ہوئے کہہ رہی تھی

رحمان نے منہ موڑ کر لمحے بھر کو اپنے پیچھے کھڑے فہیم پر نظر ڈالی جس پر فہیم نے فوراً سر جھکا لیا

رحمان کی سرخ آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے تھے، انھوں نے تو بس فہیم سے کہا تھا کہ اس کے لیے رحمان کی جان بھی حاضر پر فہیم نے تو پوری تیاری کر رکھی تھی۔

"تو پھر شروع کریں؟ ویسے اگر تم کلمہ پڑھنا چاہو تو آئی ڈونٹ مائینڈ۔"

میڈم میری بیٹی کی شادی ہے آج۔رحمان کی گردن میں گلٹی ابھری

ہاں تو تمہیں تو خوش ہونا چاہیے لوگوں کی بیٹیوں کے ہاتھ پیلے ہوتے ہیں، تمھاری بیٹی کے ہاتھ لال ہو جائیں گے جب وہ اپنے باپ کی ڈیڈ باڈی پر ہاتھ پھیرے گی تو

"I must say So unique"

اس نے ستائش بھرے انداز میں کہا اور چند سیکنڈز کی گیم تھی جب رحمان کے سیدھا دل پر ایک گولی آ لگی بے یقینی سے فہیم کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں ابھی وہ اس لمحے کو پروسیس کر ہی رہا تھا کہ مزید دو گولیاں رحمان کے ہاتھوں میں آ لگیں، رحمان لڑکھڑاتے ہوئے فرش پر جا گرا

اتنے میں نورین کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی

مجھے ناں فہیم دھوکے بازوں سے بہت نفرت ہے، اس لیے بس مجھ سے رہا نہیں گیا"

"I hope you understand"

اور فہیم نے کانپتے وجود کے ساتھ سر اثبات میں ہلایا

دوسری طرف میرب کی بارات آچکی تھی اور سب بیٹھے رحمان صاحب کا انتظار کر رہے تھے مگر انہوں نے میرب کی 45 مِسڈ کالز میں سے کسی ایک کا بھی جواب نہیں دیا تھا۔

****

نوفل اس وقت بلال ابراہیم کے اسٹوڈیو میں بیٹھا تھا، سامنے کرسی پر براجمان معروف میوزک ڈائریکٹر منسا کا ماموں تھا اور آج وہ منسا کی سفارش پر ہی نوفل سے ملاقات کر رہے تھے۔

کچھ سنا دو جلدی سے شاباش۔ انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے گانے کو کہا

نوفل نے فوراً گلا صاف کیا اور گانا شروع کیا

اوہ صاحب اوہ صاحب تیری باندھی ہوں میں۔ وہ بالکل پروفیشنل انداز میں گا رہا تھا اور ایک ہی لمحے میں بلال ابراہیم کو سمجھ آ گیا تھا کہ منسا اِس بندے سے ملاقات کے لیے انھیں کیوں فورس کر رہی تھی۔

بظاہر اپنے تاثرات چھپاتے انہوں نے نوفل کو ٹوک کر کہا

''یہی لائنز ذرا ہائی نوٹس میں گا کر دکھاؤ۔''

نوفل نے اثبات میں سر ہلایا اور گانا شروع کیا

اوہ صاحب تُو جیتا جِند ساری ہاری میں۔۔ بلال کو ہر بندہ متاثر نہیں کرتا تھا اُسے بہت کم لوگ پسند آتے تھے اور جو آتے تھے اُن میں واقعی کوئی نہ کوئی بات ہوتی تھی۔

نوفل جب خاموش ہوا تو اس نے سر اُٹھا کر بلال کی طرف دیکھا جس پر بلال نے اُس کی طرف ایک کارڈ بڑھایا

ہم ایک البم بنا رہے ہیں، اور ہمیں کسی نئی آواز کی ضرورت تھی، اس پر رضوان کا نمبر ہے تم اُس سے بات کر لو باقی چیزیں وہ سمجھا دے گا تمہیں۔ بلال نے سنجیدگی سے اپنی بات کہی

تھین۔۔۔تھینک یو سر۔''نوفل کی تو جیسے خوشی کے مارے آواز ہی بند ہو گئی تھی۔وہ شکریہ ادا کرتا باہر جانے کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا۔

****

حسیب شاہ کی گاڑی ہموار سڑک پر رواں دواں تھی۔رات کا وقت تھا،لیکن لیمپ پوسٹس کی روشنی سڑک کو جگمگا رہی تھی۔گاڑی کے شیشوں سے ہوا کا ایک ہلکا سا جھونکا آ رہا تھا،اور ہلکی سی موسیقی کی دھن میں دونوں کی گفتگو کا سلسلہ جاری تھا۔

حبا،جو عموماً چپ رہتی تھی،آج کچھ زیادہ ہی خاموش تھی۔ایک لمبی خاموشی کے بعد،اس نے بے دلی سے کہا،بابا،ماں باپ کیا چیز معاف نہیں کرتے؟

حسیب شاہ نے ایک پل کے لیے سوچا،پھر ان کی نظریں واپس سڑک پر جم گئیں،آخر کار انہوں نے آرام سے جواب دیا،''بے وفائی۔''

حبا کا دل ایک دھچکے سے رک گیا۔اس کا دماغ ایک لمحے کے لیے ماؤف ہو گیا۔وہ حال ہی میں اپنے کسی عمل کی وجہ سے اندر ہی اندر خود کو معاف نہیں کر پا رہی تھی۔یہ جواب جیسے اس کے دل کو مزید زخمی کر گیا تھا۔زندگی کے سفر میں ہر قدم کے ساتھ اس کی اندر کی جنگ بڑھتی جا رہی تھی۔

حسیب شاہ نے ایک لمحے کے لیے خاموش رہ کر،اپنی نظریں سامنے سڑک پر مرکوز کیں۔پھر اس نے گاڑی کا اسٹرنگ تھوڑا سا گھمایا اور آہستہ سے کہا،لیکن ایک پوائنٹ کے بعد،ماں باپ سب کچھ معاف کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔

حبا کی نظریں اُٹھیں، اور دل میں ایک اور سوال اُٹھا۔ اس نے ذرا سا سر اٹھا کر اپنے باپ کی طرف دیکھا۔ کیا آپ کہہ رہے ہیں کہ اگر ہم کچھ غلط کر بیٹھیں تو آپ ہمیں معاف کر دیں گے؟

حسیب شاہ نے فوراً اس کی طرف مسکرا کر دیکھا، جیسے وہ حبا کے دل کی بات سمجھ گیا ہو۔ ہاں، لیکن یہ معافی وقت اور حالات پر منحصر ہے۔ ماں باپ اپنے بچوں کی ہر حرکت کو معاف کر دیتے ہیں، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ کبھی کبھار ایسا وقت آتا ہے جب وہ سب کچھ بھلا کر اپنی اولاد کو ایک نیا موقع دیتے ہیں۔

حبا نے اپنی نظریں ایک لمحے کے لیے سڑک پر جما لیں، جیسے وہ اپنی غلطیوں کا حساب لگا رہی ہو۔ اس کا دل ٹوٹا ہوا تھا، لیکن ساتھ ہی ایک نرم سی امید بھی پیدا ہوئی تھی کہ شاید ابھی سب کچھ ختم نہیں ہوا۔

بابا، کیا آپ واقعی مجھے معاف کر دیں گے؟، اس نے ہچکچاتے ہوئے دل میں سوچا تھا۔

****

منسا اپنے کمرے میں بستر پر بیٹھی تھی، ایک ہاتھ میں چائے کا کپ تھامے ہوئے، دوسرے ہاتھ سے فون کی اسکرین پر انگلیاں چلاتے وہ بے حد مصروف نظر آ رہی تھی۔ صرف ایک ٹیبل لیمپ کی ہلکی سی روشنی پھیل رہی تھی۔ کمرے کا ماحول کچھ سست غمگیں اور سوچوں سے بھرا ہوا تھا۔

وہ نوفل کو میسج کرنے کے بارے میں سوچ رہی تھی، دل میں ایک کشمکش چل رہی تھی کہ اسے نوفل کو مِس یو کا میسج کرنا چاہیے یا نہیں۔ آخر کار اُس نے ہاتھ واپس کھینچ لیا اور پھر سے چائے کا کپ اپنی ہونٹوں تک لے جا کر ایک گھونٹ بھر لیا۔

اچانک اُس کے فون کی اسکرین پر ایک نیا میسج جگمگایا۔ منسا نے فوراً فون کی طرف دیکھا، اور اس کا دل دھڑک اٹھا۔ وہ میسج تیمور کا تھا جو ایک چھوٹی سی عبارت پر مشتمل تھا

"Missing you, M"

ان تین الفاظ نے جیسے منسا کے دماغ میں کئی جذبات بیک وقت دوڑائے۔ وہ کچھ لمحے کے لیے کچھ دیر کے لیے موبائل کے اسکرین پر نظریں جمائے بیٹھی رہی۔ ایک نرم سی مسکراہٹ اُس کے ہونٹوں پر آئی، لیکن ساتھ ہی ایک سوال بھی ذہن میں آیا تھا، کیا دنیا واقعی اتنی گول تھی کہ ہر چیز کبھی نہ کبھی مڑ کر واپس آپ تک آجاتی تھی؟ کسی کو وہ یاد کر رہی تھی اور کوئی اُسے یاد کر رہا تھا۔ کسی کو وہ چاہ رہی تھی بنا غرض کے اور کوئی اُسے چاہ رہا تھا بنا مفاد کے۔

****

یوسف سامنے بیٹھا تھا، اس کی نظریں اشمل کے چہرے پر مرکوز تھیں، لیکن اس کی آنکھوں میں ایک سوال اور کچھ الجھن سی نظر آ رہی تھی۔ دونوں کے درمیان چند لمحے گزر چکے تھے، اور پھر اشمل نے آخر کار وہ بات کہی جو وہ کہنے آئی تھی۔ اس کی آواز میں ایک سنجیدگی تھی

"میں تم سے شادی کرنے کے لیے تیار ہوں، یوسف۔"

وہ نہیں جانتی تھی کہ یوسف کا ردعمل کیا ہوگا۔

یوسف کی آنکھوں میں ابتدا میں حیرانی تھی، جیسے وہ اُس کی بات کو مکمل طور پر ہضم نہیں کر پایا تھا۔ پھر اس کی نظریں اشمل کے چہرے پر گئیں، جیسے وہ اس کے تاثرات کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"گڈ، مجھے پتا تھا تم سمجھدار ہو۔"

اشمل کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا، لیکن وہ جتنی ہی مضبوطی سے یہ بات کہہ چکی تھی، اب اُسے اُتنا ہی ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا تھا۔

****

کوریڈور میں نوفل کے سامنے وہ کھڑی تھی، اشمل کے چہرے پر غصے اور دکھ کی ملی جلی کیفیت تھی۔ سرمئی آنکھوں میں ایک ٹوٹا ہوا اعتماد اور سوالوں کا انبار تھا۔ وہ نوفل کو دیکھ رہی تھی، جیسے اس سے کسی جواب کی طلب ہو، کسی وضاحت کی جس سے اس کا دل سکون پا سکے۔

نوفل کی نظریں جھکی ہوئی تھیں، جیسے وہ اس کے سوال کا جواب دینے میں کوئی دلچسپی نہ رکھتا ہو۔ بلآخر سوال زبان سے نکل آیا تھا تم نے مجھے دھوکہ کیوں دیا نوفل؟، وہ بظاہر خود کو سنبھالے سوال کر رہی تھی۔

اس کا سوال اتنا سادہ تھا، مگر اس کے اندر اتنی گہرائی اور درد چھپے ہوئے تھے۔ وہ ہونٹوں کو بھینچ کر کھڑا رہا۔

میں نے تمہیں کتنی دفعہ کہا تھا کہ۔۔۔ میں نے تمہیں بتایا بھی تھا نوفل کہ مجھے ہمیشہ میرے قریبی لوگ ہرٹ کر جاتے ہیں۔ تم نے کہا تھا تُم نہیں کرو گے۔۔۔ نوفل۔ اُس نے بہت ضبط سے آنکھوں میں موجود سیلاب کو اُمڈھ آنے سے روکا تھا۔

تم نے مجھے کہا تھا کہ تمہیں تسلیاں دینی نہیں آتی اور تم۔۔۔ تم منسا کو حوصلہ دے رہے تھے، اُس سے اپنی محبت کا اظہار کر رہے تھے۔ تم اُس کو بتا رہے تھے کہ تم اُس سے محبت کرتے ہو، وہ تمہیں خوش رکھتی ہے، تم مجھے بائے بول جانے کے بعد گھنٹوں اُس کے ساتھ کالز پہ ہوتے تھے۔

لمحے بھر کو نوفل نے اُس کے لال پڑے چہرے دیکھا پھر بیزار ہو کر نیچے جھکا لیں۔

تم تو ایسے بی ہیو کر رہی ہو اشمل، جیسے یہ سارا قصور میرا ہے، مجھے اِس لیول تک تمہاری بے رُخی لیکر آئی تھی، کبھی تم نے میری گرل فرینڈ کی طرح بی ہیو نہیں کیا بلکہ تم نے تو کبھی مجھے پیار سے جواب تک نہیں دیا، جب ایک چیز مجھے اپنی عورت سے نہیں ملے گی تو آف کورس میں اُس کو باہر مل جانے پہ خوش ہی ہوں گا۔ وہ اب آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کہہ رہا تھا۔

منسا نے وہ سب باتیں مان لیں، جو تم نے نہیں مانیں اور میں تھک گیا تھا یار تمہارے اس ایٹی ٹیوڈ کو سہہ سہہ کر، عجیب! تم ہو پیاری ۔ پھر؟ حسن کے علاوہ ویسے بھی ہے ہی کیا تمہارے پاس؟، اُس کے الفاظ اشمل کے منہ پر تیزاب کی طرح گر رہے تھے مگر وہ بت بنے آنکھوں میں نمی لیے کھڑی تھی۔ اُس نے خود کو سمجھا لیا تھا کہ اس آدمی کے سامنے آنسو نہیں بہنے دینے۔

اور آئندہ میں تمہیں یہ کہتا نہ سنوں کہ تم میری ایکس تھی، ہم کلاس میٹس سے زیادہ کچھ نہیں تھے، اوکے؟، وہ اب انگلی اُٹھائے تنبیہ کر رہا تھا اور اشمل کا چہرہ ملامت کی چھاؤں بلکہ بخت کے اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔

اشمل کچھ کہنے کی کوشش کرنے لگی مگر الفاظ حلق میں پھنس گئے تھے۔ اور اس کے سامنے کھڑے لڑکے کا چہرہ بیزاری اور بے نیازی سے مزید بڑھ گیا تھا۔ وہ اس روپ میں نوفل کو آج پہلی بار دیکھ رہی تھی۔ وہ انسان کو جیسے پہلے سے کبھی جانتی ہی نہیں تھی۔ سامنے کھڑا شخص کون تھا؟ وہ کیا بن گیا تھا؟ یا پھر شاید وہ شروع سے ایسا ہی تھا۔ اشمل کی آنکھوں میں بہت سے سوال تھے، مگر اب سوال کرنے کا فائدہ نہیں تھا۔

نوفل اشمل کے سامنے خود کو معصوم بھی ثابت کرنا چاہتا تھا، مگر ساتھ ہی فیصل کو پیچھے سے آتا دیکھ وہ اشمل پر ایک سرسری نگاہ ڈالتے آگے بڑھ گیا۔

فیصل قدم بڑھاتا اشمل کی طرف آ رہا تھا، اشمل اپنی جگہ سے ہلی نہیں تھی وہ وہیں کی وہیں کھڑی تھی جہاں اُس کا من پسند آدمی اشمل کے لیے اپنی محبت کا اظہار کر کے گیا تھا۔ فیصل اس کے فریب آ کر رُکا، منہ میں چیونگم چباتے دائی ہاتھ میں کی چین گھماتے وہ غور سے اشمل کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

" I don't wanna say this but

یقین کریں نوفل کو آپ سے بھی بڑا پیار ہے پر وہ کیا ہے نہ آپ صرف مسکین ہیں، منسا یتیم اور مسکین دونوں ہے، اس لیے اُس سے نوفل کو ذرا ایکسٹرا والا پیار ہے۔

I hope you understand "

کہتا وہ ہنستا آگے بڑھ گیا۔

چار سالوں میں یہ پہلی دفعہ تھا جب اشمل سے فیصل کو منہ توڑ جواب نہیں ملا تھا کیوں کہ اس لمحے اشمل خود منہ کے بل گری تھی۔

اور زمیں پہ نظریں جمائے، آنکھوں کا دھندلا منظر اُس کو اس دن میں لے گیا تھا جب افرا بیگم اور وہ گارڈن میں پودوں کی دیکھ بال میں لگے تھے اور اشمل کو بے پرواہ دیکھ افرا بیگم نرمی سے کہنے لگیں

"بیٹا پودے اور انسان ایک جیسے ہوتے ہیں، ٹھیک سے انکی حفاظت نہ کرو تو وہ تباہ ہو جاتے ہیں۔"

"ٹھیک کہا تھا آپ نے دادی، میں نے پودوں کے ساتھ ساتھ اپنی بھی حفاظت نہیں کی۔ میں نے دونوں کو تباہ کر دیا۔"

آنسو اب مسلسل بہہ رہے تھے۔

میں نے تم سے محبت کر کے "**محبت**" کو ضائع کر دیا نوفل۔ "وہ اس کے لیے خاک ہوئی تھی تو اُس نے اُس کو خاک کر کے ہی چھوڑا تھا۔

****

نوفل اسٹوڈیو کے اندر کھڑا تھا، اُس کی نظریں میوزک کے آلات اور مائیکروفون پر مرکوز تھیں۔ اسٹوڈیو کی روشنی مدھم تھی، اور چاروں طرف دیواروں پر مختلف رنگوں کی لائٹس چمک رہی تھیں، جو ایک منفرد ماحول تخلیق کر رہی تھیں۔ وہ آرام سے کھڑا تھا۔ اس کے سامنے ایک مائیکروفون تھا، جس کے قریب وہ اس وقت گانے کی ریکارڈنگ کر رہا تھا۔ مائیک کے پاس ہی ایک پروڈیوسر بیٹھا تھا، جو اس کی آواز کے ساتھ ساتھ گانے کی لیئرز کو ترتیب دے رہا تھا۔

گانے کی پہلی لائن شروع ہوئی، اور نوفل نے اپنی آواز بلند کی، اُس کی آواز اسٹوڈیو میں گونجنے لگی۔ اس کے گانے کے ہر لفظ میں ایک خاص شدت تھی، جو سننے والوں کے دلوں تک پہنچ رہی تھی۔ اُس کا چہرہ تو سکون میں تھا، لیکن آنکھوں میں وہ جذبات تھے جو الفاظ کے ذریعے باہر آ رہے تھے۔

پروڈیوسر کی انگلیاں فوراً ریکارڈنگ کی سطح پر سرک رہی تھیں،اس کی نظریں نوفل پر تھیں اور ہر لمحے کی تنظیم میں مشغول تھیں۔

سٹڈی کے کمرے میں سازوں کی نرم آواز بھی ساتھ دے رہی تھی،اور نوفل کی آواز کے ساتھ مل کر ایک خوبصورت ہم آہنگی پیدا ہو رہی تھی۔جب گانے کی آخری لائن ختم ہوئی،نوفل کی سانسیں تیز ہو گئی تھیں،لیکن اُس کا دل پر سکون تھا۔
سٹوڈیو کی فضا میں ایک گہرا سکون تھا،جیسے اُس کا کہا ہر لفظ اور ہر نوٹ ایک خاص لمحے میں قید ہو گیا ہو۔

اسٹوڈیو میں سکوت چھا گیا تھا،سوائے سازوں کی مدھم آواز کے جو پس منظر میں چل رہی تھی۔اس نے ایک سانس بھر کر سر کو جھٹکا دیا۔

اسی دوران،اس کے فون کی اسکرین پر ایک کال کی اطلاع آئی۔اس کی نظریں فوراً اسکرین پر جمی۔اشمل کال کر رہی تھی۔نوفل کا چہرہ کچھ لمحوں کے لیے اپنے تاثرات بدل گیا،اور اُس کی آنکھوں میں بیزاری کا ایک ہلکا سا رنگ آیا۔اس نے فون کو ایک نظر دیکھ کر بے زاری سے ایک سانس بھری۔جیسے اس کال کی کوئی اہمیت نہ ہو۔

نوفل نے کال کو نظر انداز کیا اور بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اس کو کاٹ دیا۔اس کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے ایک سرد احساس آیا اور پھر اُس نے فون واپس جیب میں ڈال لیا۔

****

اشمل بستر پر لیٹی ہوئی تھی،خالی نظریں لیے وہ چھت کو گھور رہی تھی۔باہر کی ٹھنڈی ہوا کی سرسراہٹ کمرے میں آ رہی تھی لیکن اندر کا سکون جیسے مکمل طور پر غائب تھا۔

اس کے سامنے ایک فریم پڑا تھا، جس میں ایک مسکراتی ہوئی عورت کی تصویر تھی۔ تصویر میں عورت کی مسکراہٹ بے حد نرم اور پُر سکون تھی، جو اس لمحے میں اشمل کو مزید بے چین کر رہی تھی۔

اشمل کا چہرہ نم تھا، آنکھوں کے کونے میں آنسو تھے جو آہستہ آہستہ گالوں پر بہ رہے تھے۔ اس نے سر جھکا لیا اور دھیرے دھیرے رونے لگی۔ اس کی سانسوں میں ہلکی سی تیزگی تھی، اور ہر آنکھ کا نم وہ ایک گہری تکلیف کے ساتھ بہا رہی تھی۔

وہ عورت کی مسکراتی تصویر کو دیکھتے ہوئے اپنے دل کی باتیں، اپنے دکھوں کی داستاں سنا رہی تھی، جیسے وہ کسی سے بات کر رہی ہو لیکن وہ جانتی تھی کہ اُسے جواب نہیں ملنے والا اپنے مسئلوں کا۔ شاید اُسے جواب چاہیے بھی نہیں تھا اُسے صرف کوئی سننے والا چاہیے تھا۔

اماں وہ اب مجھ سے پیار نہیں کرتا، کیا اب میں اسکی محبت نہیں رہی؟، اشمل نے دھندلی آواز میں کہا، وہ تصویر میں چھپی عورت سے تڑپ کر سوال کر رہی تھی۔
وہ اب میری کالز کا جواب بھی نہیں دیتا میں کتنی بار اُس سے بات کرنا چاہتی تھی، کتنی بار میں اُسے بتانا چاہتی تھی کہ میرا دل کس طرح ٹوٹ رہا ہے۔

کمرے کی فضا میں سناٹا تھا، بس اشمل کی سسکیاں اور آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو تھے۔

****

نورین نے ماہین کی خراب طبیعت کو دیکھتے ہوئے ایک ملازم سے خاص طور پر سوپ تیار کروا کر اس کے کمرے میں بھیجنے کی ہدایت دی تھی۔ سوپ کی خوشبو پھیل رہی تھی، ملازم ایک ٹرے میں سوپ کا پیالہ رکھ کر ماہین کے کمرے کی طرف بڑھا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہوئے ملازم نے ماہین کو نرم آواز میں بتایا

"آپ کے لیے سوپ لایا ہوں، اس سے آپ کو بہت جلدی آرام آئے گا۔"

ماہین کی نظریں ملازم کی طرف مڑ گئیں، اور وہ نرم مسکراہٹ کے ساتھ بولی، شکریہ

ملازم سوپ کا پیالہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے آگے بڑھا، مگر اچانک اس کا قدم لڑکھڑایا۔ سوپ کا پیالہ ٹرے سے سرک کر نیچے گرا۔ پیالہ فرش پر گرتے ہوئے ایک زوردار آواز کے ساتھ ٹوٹا اور سوپ کے قطرے چاروں طرف پھیل گئے۔ ملازم کی نظریں اس منظر پر جمی رہیں، جیسے اس کا پورا بدن مفلوج ہو گیا ہو۔

ماہین کی آنکھوں میں فوراً گھبراہٹ اور تشویش کا عکس آیا۔ "اوہ، کیا تم ٹھیک ہو؟" وہ فوراً اٹھ کر ملازم کی طرف بڑھی، لیکن ملازم نے فوراً جواب دیا، جی، مجھے کچھ نہیں ہوا، بس میں۔۔۔

اس کی آواز میں شرمندگی تھی، اور وہ جلدی سے زمین سے سوپ کے ٹوٹے ہوئے پیالے کو اٹھانے لگا۔ ماہین نے نرم لہجے میں کہا

"کوئی بات نہیں، تم نصرین کو بھیجو وہ کر لے گی۔"

ملازم نے سر جھکاتے ہوئے کہا، جی ٹھیک ہے۔

وہ واپس اپنے بستر کی طرف آ گئی، جیسے اس کے دل میں کچھ سکون آ گیا ہو، بس سوپ کا ٹوٹا پیالہ اور اس کی بکھری ہوئی یادیں کمرے میں باقی رہ گئیں۔

دوسری طرف ملازم کاؤنٹر سے لگا خود کو ملامت کر رہا تھا اُسے خود سے گھن آ رہی تھی کیا سوچ کر وہ ماہین بیگم کو زہر دینے والا تھا اور وہ بھی نورین بیگم کے کہنے پر۔

آج اگر انکو کچھ ہو جاتا تو میں خود کو کبھی معاف نہ کر پاتا۔ وہ خود سے بڑبڑایا۔

****

نوفل کا موبائل مسلسل وائبریٹ ہو رہا تھا، اس کی اسکرین پر کالز کی مسلسل لائٹس جل رہی تھیں، مگر وہ بے پرواہ نظر آ رہا تھا۔ کچھ وقت پہلے ہی، اشمل نے اسے کئی مرتبہ کالز کی تھیں، مگر نوفل نے ایک بھی کال نہیں اٹھائی تھی، نہ ہی کسی پیغام کا جواب دیا تھا۔

اسی دوران، نوفل کے فون پر ایک ویڈیو کال آئی۔ نوفل نے فوراً کال کو پِک کیا۔ کال کے دوسری طرف منسا کی مسکراہٹ چمک رہی تھی، اور نوفل نے اس کے سلام کا جواب نہایت خوش دلی سے دیا۔

****

فریال کی زندگی کا منظر اب مکمل طور پر بدل چکا تھا۔ ایک سال پہلے، جب اس نے زبیر شاہ کی ساری پراپرٹی اپنے نام کروالی تھی اس نے اپنے بچوں کے ساتھ لندن کے شہر مانچیسٹر کی جدید اور آرام دہ زندگی اختیار کی تھی۔ بچوں کو بہترین سکول میں داخل کروا کر فریال نے خود کو ایک نئی دنیا میں ڈھال لیا تھا۔ بڑے بڑے شاپنگ مالز، رنگ برنگی کاریں، اور خوبصورت پارکوں میں کھیلتے بچے سب کچھ اس کی زندگی کا حصہ بن چکا تھا۔ وہ ایک نیا روپ اختیار کر چکی تھی، ایک کامیاب خاتون جو اپنی زندگی کا ہر لمحہ نئے جوش و جذبے کے ساتھ جیتی تھی۔

دوسری طرف، زبیر شاہ کی زندگی ایک بالکل مختلف حقیقت کا سامنا کر رہی تھی۔ وہ لاہور کی ایک معمولی سی گلی کے ایک سرونٹ کوارٹر میں رہ رہا تھا۔ اس کی دنیا اب محدود تھی، سادہ اور بے رونق۔ دن رات کی محنت اور جدوجہد میں اس کا وجود ایک سایہ بن کر رہ گیا تھا۔ وہ شاید خود بھی اپنی تقدیر سے لڑنے کی کوشش کر رہا تھا مگر ہر کوشش میں ناکامی کی ایک ہلکی سی چھاپ تھی۔ وہ ہمیشہ ان دنوں کو یاد کرتا تھا جب فریال اور وہ ایک ساتھ خوشحال زندگی گزار رہے تھے، مگر اب سب کچھ بدل چکا تھا۔

یہ منظر دونوں کی زندگیوں کے دو مختلف رخوں کی کہانی تھا، جہاں ایک نے عیش و آرام کی دنیا میں قدم رکھا تھا، اور دوسرا اپنی تقدیر میں کو ترس رہا تھا۔

زبیر کی نظر چھت پر جمی ہوئی تھی، اس کی آنکھوں کے سامنے ماضی کا منظر اُبھرا تھا۔ جب اس نے اپنے بڑے بیٹے سے پوچھا تھا

"بیٹا، میرے آنے کا کچھ بندوبست ہوا؟"

اس سوال میں ایک امید کی جھلک تھی، ایک والد کی خواہش کہ اس کے بیٹے کی زندگی میں اُس کی کوئی اہمیت ہو، کہ وہ دوبارہ اپنی اولاد کو اپنے قریب پائے، کہ وہ اپنے خاندان کے ساتھ ایک نئے سرے سے زندگی شروع کرے۔ لیکن جو جواب اس نے سنا، وہ اس کی امیدوں کو چکنا چور کر گیا تھا۔

بیٹے نے مغموم انداز میں کہا تھا

"پاپا، آپ کا ویزا ہی نہیں لگ رہا، ہم کیا کر سکتے ہیں؟ جب بھی لگے گا، ہم بلا لیں گے، آپ فکر نہ کریں۔"

اس کی زندگی کا وہ لمحہ، وہ جواب، جیسے اس کی تمام دعائیں اور ارمان کسی دیوار کی طرح ٹوٹ کر بکھر گئے ہوں۔ وہ تسلی صرف ایک فرضی خوشخبری تھی، جو حقیقت سے بہت دور تھی۔

وہ اپنی بے بسی میں غرق ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ بے بس تھا، جیسے کسی بڑے سمندر میں چھوٹی سے کشتی میں سوار وہ مسافر جس کے پاس اپنے ڈوب جانے کا انتظار کرنے کے علاوہ کوآپشن نہ ہو۔

****

نورین اپنے لاڈلے بیٹے حیدر کے سامنے بیٹھی مسکرا رہی تھی، لبوں پر ایسی مسکراہٹ تھی جو کسی بڑی خوشخبری کی پیش گوئی کر رہی تھی۔ اس نے حیدر کے قریب جا کر نرمی سے کہا

"حیدر بیٹا، اس بار میرے پاس تمہاری برتھ ڈے کا بہت بڑا سرپرائز ہے۔"

یہ جملہ سنتے ہی حیدر کے چہرے کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

مگر نورین کی بات سن کر ماہین کا چہرہ لمحے بھر میں بدل گیا تھا۔ نورین کی بات کے فوراً بعد اس کا رنگ سفید ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت اور اضطراب کا تاثر تھا۔ ماہین کی نظریں نورین پر جمی تھیں، اور وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں پا رہی تھی۔

اس کے دل میں ایک انجان خوف تھا، جیسے اس سرپرائز کے پیچھے کچھ ایسا ہو جو اس کے اور حیدر کے رشتے کے لیے اچھا نہ ہو۔ اس کے دماغ میں سوالات کا ایک طوفان تھا، کیوں؟ ممی ایسا کیوں کر رہی ہیں؟
وہ ایک لمحے کے لیے پوری طرح شل ہو گئی تھی، جیسے اس کا جسم اور دماغ ایک ہی وقت میں متنازعہ احساسات میں ڈوبے ہوئے ہوں۔

نورین نے حیدر کو دیکھتے ہوئے اپنی مسکراہٹ کو مزید پختہ کیا، مگر ماہین کے لیے یہ خوشی ایک سائے کی طرح محسوس ہو رہی تھی جو اسے بے چین کر رہا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ نورین کے سرپرائز کا مطلب کبھی بھی کچھ مثبت نہیں ہوتا، اور یہی بات ماہین کو بے حد پریشان کر رہی تھی۔

****

تیمور کی نظریں مسلسل اس کے فون کی اسکرین پر جمی ہوئی تھیں، مگر منسا کی جانب سے کوئی جواب نہیں آیا تھا۔ کئی ہفتوں سے منسا نے تیمور کے کسی بھی میسج یا کال کا کوئی ردعمل نہیں دیا تھا۔ شروع میں وہ خود کو سمجھا لیتا تھا، یہ سوچ کر کہ شاید وہ مصروف ہو، یا کوئی اور وجہ ہو، لیکن جب دن گزرنے لگے اور ہر کوشش کے باوجود کوئی جواب نہ آیا، تو اس کا صبر اب جواب دینے لگا تھا۔ دل میں ایک غم اور غصے کا ملا جلا احساس تھا، جس نے اسے یہ سخت قدم اُٹھانے پر مجبور کر دیا تھا۔

آج شام اس کی اسپین کے لیے فلائٹ تھی، اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اب منسا کے پاس جائے گا اور اس سے آمنے سامنے اپنے سوالات کے جوابات لے گا۔ اس کے ذہن میں ایک ہی بات چل رہی تھی

"یہ خاموشی کا کھیل اب ختم ہونا چاہیے"

****

ماہین اپنے بیگ کو بند کرتے ہوئے کچھ لمحوں کے لیے رکی، آنکھوں میں تھکاوٹ اور پریشانی کا اثر تھا، دو دن ہسپتال میں گزارنے کے بعد وہ آج گھر واپس آ گئی تھیں، مگر ماہین کا دل ابھی بھی ماں کی حالت کی فکر سے بوجھل تھا۔

وہ اسلام آباد جا رہی تھی، اپنے والدین کے پاس، تاکہ کچھ دن وہاں گزار کر اپنی ماں کی حالت پر تھوڑا سا سکون پا سکے۔

اس کے برعکس، نورین اپنے کمرے میں بیٹھ کر مسکرا رہی تھی۔ اس کی مسکراہٹ میں ایک معنی خیز تاثر تھا، جیسے وہ کسی بڑی منصوبہ بندی میں مگن ہو۔ سامنے رکھے لاکر کے اندر ماہین کے خلاف جمع کیے گئے تمام ثبوتوں کی فائلیں رکھی ہوئی تھیں۔ وہ جانتی تھی کہ ان فائلوں کو دکھانے کا وقت آنے والا ہے، اور اس کی تیاری مکمل کر رہی تھی۔ وہ ماہین کی ہر کمزوری سے واقف تھی اور اس کا ایک ایک قدم نورین کی نظر میں تھا۔ اسے صرف سہی وقت کا انتظار کرنا تھا۔

دوسری طرف، ماہین اسلام آباد کے لیے روانہ ہو رہی تھی، بے خبر کہ اس کی واپسی پر ایک نئی اور پیچیدہ حقیقت اس کا انتظار کر رہی ہو گی۔

****

حبا حسیب اس وقت پروفیسر مہتاب کے سامنے ان کے آفس میں بیٹھی تھی، وجود بے حد غمگیں تھا۔ آنکھوں میں ادھوری کہانیاں اور درد کی گہری جھلک تھی، اور شکل سے ایسا لگتا تھا جیسے وہ کسی لمحے بھی پھوٹ کر رو دے گی۔ گردن جھکی ہوئی تھی، اور دونوں ہاتھ لرز رہے تھے یوں جیسے اس کا جسم اور دل دونوں ہی بوجھ تلے دبے ہوں۔

پروفیسر مہتاب تحمل سے بیٹھ کر حبا کو سن رہی تھیں، ان کی آنکھوں میں کسی قسم کی بے چینی نہیں تھی۔ وہ اسے اس کے درد کو بیان کرنے کا پورا موقع دے رہی تھیں، بغیر کسی تیز رد عمل کے، تاکہ حبا اپنا دل کھول سکے۔

حبا کی آواز میں ہچکیاں اور بے بسی تھی جب اس نے آہستہ آہستہ بولنا شروع کیا

میں ایک لڑکے سے محبت کرتی تھی... وہ چاہتا تھا کہ میں۔۔۔ اُسے میری محبت کا امتحان چاہیے تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ دیکھے کہ مجھے اُس پہ یقین ہے یا نہیں۔

حبا کے لفظ جیسے اس کے گلے میں پھنسے ہوئے تھے، اور جب وہ مزید بولنے کی کوشش کرتی، اس کے آنسو اس کے گالوں پر بہتے جاتے تھے، جیسے ایک طویل مایوسی کا دریا ٹوٹ کر بہنے لگے۔ اس کی آواز روتے روتے بے حد مدھم ہو گئی تھی، اور آنکھوں سے نکلتے ہوئے آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

پہلے جب اُس نے مجھ سے اس بات کا ذکر کیا تو میں نے صاف انکار کر دیا تھا، لیکن جب وہ مجھ سے ناراض ہو گیا اور اس نے مجھ سے بات کرنا چھوڑ دی، تو۔۔۔ تو میں مان گئی۔

حبا کی سانسیں تیز ہو گئیں، اور اس کے جسم کی لرزش بڑھ گئی۔

میں نے اپنے ماں باپ کو دھوکہ دیا، میں نے ان سے بے وفائی کی۔ مجھے اپنے وجود سے کراہت محسوس ہوتی ہے مجھے اپنے آپ سے گھن آتی ہے

مہتاب نے خاموشی سے اس کی باتیں سنی،اوران کی آنکھوں میں ایک ہمدردی تھی۔

پروفیسر مہتاب کی موجودگی میں وہ آہستہ آہستہ خود کو کھول کر دکھا رہی تھی۔مہتاب نے حبا کی پوری بات اطمینان سے سنی۔
جب حبا کی آنکھوں سے آنسوؤں نے تھمنے کا نام نہ لیا،تو مہتاب نے اپنی کرسی سے اٹھ کر اس کے قریب آکر نرم لہجے میں کہا

حبا،میں سمجھ سکتی ہوں تمہاری تکلیف،لیکن توبہ کرنے کے لیے کبھی دیر نہیں ہوتی،ایسا بس ہمیں لگتا ہے کہ ہم گناہوں میں اتنا آگے آگئے ہیں کہ اللہ سے تعلق کہیں بہت پیچھے رہ گیا ہے اور اب واپسی کا کوئی راستہ نہیں پر سچ تو یہ ہے کہ جب تک سانس چلتی ہے اللہ نے آپ کو توبہ کی توفیق اور اپنے پاس پلٹ آنے کا چانس دیا ہوتا ہے یہ آپ پر منحصر ہوتا ہے کہ آپ اپنی باقی کی زندگی گلٹ کی نظر کر دو یا اللہ اے اپنا تعلق ری بِلڈ کرنے کی نظر۔
یہ کہتے ہوئے مہتاب نے حبا کو گلے سے لگا لیا تھا
سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔اللہ تعالیٰ شرک کے سوا سب کچھ معاف کر دیتا ہے تم توبہ کرو سچے دل سے وہ تمہیں اس غلطی کے لیے بھی فوراً معاف کر دے گا۔

وہ اس کی بے بسی کو سمجھ رہی تھی وہ حبا کے بالوں میں ہلکے سے ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے تسلی دینے کی کوشش کر رہی تھی،جیسے وہ بتا رہی ہو کہ اس کے پاس اسے رونے کی اجازت ہے،اور اس کا درد،اس کا غم،اس کا ہر احساس درست ہے۔

حبا کے آنسو مہتاب کے کندھے پر بہتے جا رہے تھے،اور مہتاب کے مضبوط بازوؤں میں حبا کو ایک نئی امید مل رہی تھی۔

****

زبیر شاہ آج اپنے دل میں ایک عجیب اضطراب لے کر اس گھر پہنچے تھے۔دروازہ کھٹکھٹانے کے بعد،جیسے ہی اشمل نے دروازہ کھولا،وہ ایک لمحے کے لیے رکے۔

زبیر کی آنکھوں میں ایک مخلصی تھی، وہ اپنی بیٹی سے کچھ کہنا چاہتے تھے، مگر اشمل کی نظریں دیکھ کر وہ رک گئے۔ اشمل نے دروازہ پوری طرح نہیں کھولا تھا۔ مگر انھیں اندر آنے کا اشارہ کیا

زبیر شاہ نے ایک قدم آگے بڑھایا اور کہا
"اشمل، مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔"

اشمل کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے مایوسی آئی، اور پھر وہ اگلے ہی لمحے غصے سے دہک اُٹھی۔ اس کی آنکھوں میں موجود طوفان برسوں کی تکلیف اور بے عزتی کا انتقام لینے کو تیار تھا۔

کیوں؟" اشمل نے تنقید سے بھرے ہوئے لہجے میں کہا، اور پھر اس کی آواز میں غصہ اور دکھ کا تاثر تھا، بلکہ میں ایک بات بتاتی ہوں آپ کو۔۔۔ میری زندگی میں ہوئے ہر مسئلے کی جڑ مجھے آپ لگتے ہیں مسٹر زبیر، میں آپ کا مجھے چھوڑ جانا، مجھے بے وقعت محسوس کروانا، اس ہر احساس کو دور کرنے کے لیے باہر ایک لڑکے سے اٹیچڈ ہو گئی، اس نے کہا کہ مجھے تم سے محبت ہے اشمل، تو میں نے اعتبار کر لیا کیونکہ اس سے پہلے مجھ سے کسی آدمی نے نہیں کہا تھا کہ اُس کو مجھ سے محبت ہے، میرے اپنے باپ نے بھی نہیں

زبیر شاہ کو جیسے ایک زوردار دھچکا لگا۔ وہ سر جھکائے، تھوڑا سا رکے، اور پھر آہستہ سے کہا
"...اشمل"

مگر اشمل کا چہرہ مزید لال ہو چکا تھا، اور اس کی سانسیں تیز تھیں۔

میں نے باہر کے مرد میں وہ محبت ڈھونڈی جو مجھے اپنے گھر کے مرد سے نہیں ملی، میں نے اس کے ان میٹھے لفظوں پہ یقین کیا جو مجھے اپنے باپ کے منہ سے سننے کو کبھی نہیں ملے "اشمل کی آواز کانپ رہی تھی، "مسٹر زبیر آپ اس بات کا اقرار کریں یا ں نا کریں! یہ ساری غلطی آپ کی ہے مجھے تباہ آپ نے کیا ہے، میں نے خود کو ضائع آپ کی وجہ سے کیا ہے میں نے ایک گھٹیا آدمی کو چانس آپ کے بے توجہی کی وجہ سے دیا ہے۔ آج وہ بھی مجھے آپ کی طرح اپنے پیچھے خوار کر رہا ہے، کل میرا باپ مجھے اپنی محبت میں بھگا رہا تھا آج وہ کم ظرف میرے پاؤں اور دل تھکا رہا ہے۔

زبیر شاہ کے لب سل گئے تھے، کسی نے انکی آواز چھین کر ان کو گونگا کر دیا تھا۔ وہ اشمل کے غصے اور غم کا سامنا کر رہے تھے، جو برسوں سے وہ اپنے دل میں دبائے بیٹھی تھی۔

زبیر شاہ کھڑے تھے، سر جھکائے، وہ اپنی بیٹی کے سامنے ہار چکے تھے، لیکن اشمل کی نظر میں وہ کبھی معافی کے لائق نہیں تھے۔

****

آج منسا کی نوفل سے کال پہ بات ہوئے واقعے کو تیسرا دن تھا مگر منسا کے رونے میں کوئی کمی نہیں آئی تھی، اُس نے بہت کوشش کی تھی کہ وہ نوفل کا وہ لہجہ بھول جائے جواب کی بار تھا، وہ حقارت جس کا تاثر اُسے نوفل نے اس مرتبہ دیا تھا مگر نوفل کی باتیں اُس کے دماغ میں اُس دن سے اب تک گونجتی رہی تھیں۔

منسا نے ان دنوں خود کو نوفل کو دوبارہ میسج کرنے سے بارہا روکا تھا ہر وہ جملہ خود کو یاد کروا کر جو اُس کو نوفل کی زبان سے سننے کو ملا تھا مگر آخر کار محبت نامی جذبہ جیت گیا تھا اور عزتِ نفس کو پیروں میں ایک بار پھر سے روند دیا گیا تھا۔ ٹوٹے دل کے ساتھ منسا نے ٹیبل پہ پڑے فون کو اُٹھایا اور اُس کی انگلیاں واٹس ایپ میں جا کر نوفل کی چیٹ میں جا ٹھہریں۔ بھاری دل کے ساتھ اُس نے لکھنا شروع کیا

،ہو سکتا ہے آپ کو میں ایک ناسمجھ لڑکی لگتی ہوں مگر آئی سوئیر میں نے آپ سے پہلے کسی مرد سے محبت نہیں کی، تعلق نہیں رکھا آپ۔۔ آپ میری زندگی کے پہلے مرد ہیں اور میری پہلی محبت بھی، مجھے پتا ہے آپ بھی مجھ سے پیار کرتے ہیں۔ کرتے ہیں نا؟

بس ایک بار کہہ دیں کہ منسا میں تم سے پیار کرتا ہوں۔اُس نے گیلی سانس اندر کھینچتے گہرا سانس لینے کی کوشش کی۔ لمحے بھر کو انگلیاں تھمیں اور پھر۔۔۔

ویسے آپ اپنے منہ سے اقرار نہ بھی کریں مجھے تب بھی پتا ہے کہ آپ مجھ سے پیار کرتے ہیں، ورنہ آج کے زمانے میں کون کسی کو گھنٹوں سنتا ہے ؟آئی نو یو لو می ٹو، آپ کو کوئی پریشانی ہے ؟کوئی مسئلہ ہے تو آپ مجھ سے شئیر کر سکتے ہیں نوفل میں۔۔ میں ہمیشہ آپ کا ساتھ دوں گی ہر چیز میں پر پلیز مجھے اگنور نہ کریں۔وہ اپنے منہ پہ ہاتھ رکھے سسکیاں روکنے کی کوشش کر رہی تھی اور پھر کانپتے ہاتھ کے ساتھ اُس نے وہ میسج بھیج دیا جس میں وہ ایک آدمی سے بھیک مانگ رہی تھی، بھیک بھی وہ جو سب کو نہیں ملتی۔ محبت کی بھیک۔

چند منٹ بعد دوسری طرف سے جواب موصول ہو گیا تھا مگر اُس جواب نے منسا کو خود سے نظریں ملانے کی قابل نہیں چھوڑا تھا ٹیکسٹ میں لکھے نوفل کے جملے اُسے نوفل کی آواز میں اپنے کانوں میں گونجتے سنائی دے رہے تھے۔

منسا میں تم سے پیار نہیں کرتا مجھے ترس آتا تھا تم پہ اور پھر جب مجھے تمہارے انکل کے بارے میں پتا چلا تو میں نے کوشش کی کہ تم اور میں کلوز ہو جائیں کیونکہ یہ میرے فیوچر کا سوال تھا پر اس کا مطلب یہ تھوڑی ہے کہ مجھے تم سے پیار ہے یا ں میں تمھاری محبت میں مرا جا رہا ہوں ؟عجیب۔ تمہارے انکل سے میرا جو کانٹریکٹ ہوا تھا وہ دو ہفتے پہلے ختم ہو گیا تو مجھے مناسب نہیں لگا کہ میں تم سے مزید رابطے میں رہوں آفٹر آل فیور ختم، کمیونیکیشن ختم۔اِس لیے اب پلیز میری جان چھوڑ دو، تم تو پیچھے ہی پڑ گئی ہو یار۔ ویسے سہی نام رکھا تھا میں نے تمہارا

Clingy M ."

منسا کو نہیں پتا تھا کہ اُسے کس کس بات کو یاد کر کے رونا آ رہا تھا۔اُس نے نوفل سے محبت کی تھی اور نوفل بے اُسے سکھایا تھا کہ نوفل سے محبت کیوں نہیں کرنی چاہیے۔اُس نے نوفل کو سب بتایا تھا اور نوفل نے اُسے ثابت کیا تھا کہ مرد کو سب کچھ کیوں نہیں بتانا چاہیے۔اُس نے جس آدمی کو اپنی پہلی محبت سمجھ کر اُس پہ اپنا اب کچھ نچھاور کیا تھا وہ آدمی جاتے جاتے منسا کو اُس کی اوقات بتا تھی۔غلط (chaser) گیا تھا۔وہ اُس کا سب کچھ تھا مگر منسا اُس کے لیے بس ایک مجبوری، ایک مسلط کردہ لڑکی اور ایک چیزر انسان سے محبت آپ کو خود سے نفرت کروا دیتی ہے اور منسا کو بھی اس لمحے خود سے نفرت محسوس ہو رہی تھی۔

****

حیدر شاہ کے ہاتھ میں وہ فائل جیسے ایک بھاری بوجھ بن کر رک گئی تھی۔ وہ ساکت کھڑا تھا، دل میں ایک ہلچل اور دماغ میں بے شمار سوالات، طوفان کے ساتھ۔ دس منٹ پہلے، جب نورین نے وہ فائل اُسے دی تھی، تو نورین کے چہرے پر ایک معنی خیز مسکراہٹ تھی، مگر حیدر کو اندازہ نہ تھا کہ وہ جو کچھ دیکھنے والا تھا، وہ اس کے لیے تباہ کن ثابت ہو گا۔

، فائل کو کھولتے ہوئے، حیدر نے ایک تصویر پر نظر ڈالی۔ اس میں ایک عورت اور مرد کے ہاتھ آپس میں جڑے ہوئے تھے دونوں چہرے کی طرف متوجہ نہیں تھے، مگر ہاتھوں میں ایک ایسی قربت اور تعلق تھا جو حیدر کو اپنی ہنستی مسکراتی بیوی کے ساتھ گزرے لمحوں سے بالکل مختلف محسوس ہو رہا تھا۔ اُس عورت کا چہرہ کچھ زیادہ واضح تھا، وہ اُس کی بیوی تھی، ماہین شاہ۔

حیدر کا دل جیسے ایک لمحے کے لیے رک گیا۔ اُس کی آنکھوں کے سامنے دنیا دھندلا گئی تھی۔ وہ تصاویر جیسے اس کی ہر اُمید، ہر خواب کو چکنا چور کر رہی تھیں۔

وہ ہچکچاتے ہوئے دوسری تصویر پر نظر ڈالنے لگا، اور پھر تیسری۔ ہر تصویر میں ماہین اور معاذ، ایک دوسرے کے قریب، ایک دوسرے کی موجودگی میں محو نظر آتے تھے۔ حیدر کے اندر کا سکون ٹوٹ چکا تھا، اور اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہو گئے تھے۔

وہ اپنی جگہ پر کھڑا ہو کر آنکھوں میں نمی اور دل میں شدید درد کے ساتھ، فائل کو اپنے سینے سے لگا کر رونے لگا۔ وہ اپنی بیوی کی بے وفائی پر یقین نہیں کر پا رہا تھا۔ اُسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کسی اور دنیا میں ہو، جہاں سب کچھ دھندلا سا دِکھ رہا ہو اور وہ اپنی بیوی کو اُس نئے روپ میں دیکھ رہا ہو جس کا اُس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔

وہ ماہین، جسے اُس نے ہمیشہ اپنے دل میں جگہ دی تھی، جس پر اُسے خود سے زیادہ اعتماد تھا، جس سے وہ سب سے بڑھ کر محبت کرتا تھا، وہ اب اُس کے سامنے ایک بے وفا عورت کی شکل میں آگئی تھی۔ اُس کی دنیا جیسے اُلٹ گئی تھی، اور وہ اپنی ہی حقیقت پر یقین کرنے میں مشکل محسوس کر رہا تھا۔

****

وہ بے چینی سے منہ میں انگلی دبائے، کمرے میں چکر کاٹ رہی تھی۔ منسا کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ نوفل نے اُس کے میسجز اور کالز کا جواب دینا بند کیوں کر دیا تھا۔ ایک ہفتے سے اُس نے کسی ایک میسج کا بھی مڑ کر جواب نہیں دیا تھا۔ میسج پڑھ تو لیا جاتا تھا مگر پڑھنے والے کی نظر میں شاید بھیجنے والے کی اتنی وقعت نہیں تھی کہ وہ جواب دیتا۔

نوفل مزے سے ٹیبل پہ پاؤں ٹکائے صوفے پر بیٹھا کوئی ایوارڈ شو دیکھ رہا تھا، جس میں وہ خود کو **آرٹسٹ آف دی ایئر** کا اعزاز حاصل ہوتا دیکھ رہا تھا کہ اچانک فون بجنے لگا، نوفل نے ایک سرسری نگاہ فون پر دوڑائی اور اُس کا موڈ یک دم خراب ہو گیا فون پہ

clingy .M

جگمگا رہا تھا۔ بیزاری سے ریموٹ پٹختا وہ فون اُٹھانے لگا۔

فون کے دوسری طرف نوفل کے **ہیلو** کی آواز گونجی تھی اور منسا کا چہرہ کھل اُٹھا تھا۔

کیسے ہیں آپ؟ ، بے حد نرم لہجے میں سوال کیا

ٹھیک ہوں۔ نوفل نے قدرے روکھے انداز میں جواب دیا تھا

وہ۔۔آپ جواب نہیں۔۔۔ وہ ہچکچاتے کہنے لگی اور نوفل نے اُس کی بات فوراً کاٹی

دیکھو منسا، اگر میں جواب نہیں دے رہا تو اس کا مطلب ہے میں بات نہیں کرنا چاہتا، میں پڑھتا ہوں تمہارے بھیجے میسجز پر سچ بتاؤں تو

I wish you had some self-respect

کہ اگر کوئی تمہیں جواب نہیں دے رہا، تم سے بات نہیں کرنا چاہتا تو تُم بھی اُس کو تنگ مت کرو، ٹیکسٹ مت کرو، تھوڑی تو خود کی عزت کرنا سیکھو، کم آن کڈ۔ وہ ایک ہی سانس میں بولتا چلا گیا تھا اور منسا کو سمجھ نہیں آیا تھا کہ اُس کے بائیں گال پر آنسوؤں کے قطرے کب رونما ہو گئے تھے۔

اِس سے پہلے کے وہ کچھ کہتی دوسری طرف سے فون کاٹ دیا گیا تھا اور منسا بت بنی وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی تھی۔

****

نوفل اپنے خوابوں کی دنیا میں سچ مچ کا بادشاہ بن چکا تھا۔ وہ ایک مشہور پاکستانی سنگر تھا، جس نے بہت کم وقت میں شہرت کی بلندیوں کو چھوا تھا۔ اس کا نام ہر زبان پر تھا، اور ہر گلی، محلے، اور سٹیج پر اس کی آواز گونج رہی تھی۔ وہ جو گاتا، وہ دلوں میں اتر جاتا۔

آج ایک پر ہجوم میوزک ویڈیو شوٹ کے دوران، نوفل کو دیکھ کر کسی کو یقین نہیں ہو رہا تھا کہ یہ وہی نوجوان ہے جس نے کبھی کسی چھوٹے شہر میں اپنا سفر شروع کیا تھا۔ اس کا انداز، اس کی موجودگی، اور اس کی شخصیت نے اسے ہر جگہ کا مرکزی کردار بنا دیا تھا۔ اس کے اطراف ہر وقت فوٹو گرافرز اور میڈیا کے لوگ موجود رہتے، جو اس کی ہر حرکت کو کیمرے کی آنکھ میں قید کرتے۔

اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ تھی جو دنیا کی تمام پریشانیوں سے آزاد تھی، اور اس کی آنکھوں میں ایک نیا اعتماد تھا۔

اس کا لباس اور انداز بھی لاجواب تھا۔ جدید فیشن کے مطابق، ایک سٹائلش جیکٹ اور پینٹ میں، وہ اس قدر پُرکشش لگ رہا تھا کہ ہر نظر اس پر جمی ہوئی تھی۔ وہ جیسے ہر دن اپنی ذاتی کامیابی کا جشن منا رہا تھا۔

گانے کے اختتام پر جب اس نے شوٹ کے دوران ایک توقف کیا، تو لوگوں کی تالیاں اور داد نے فضا کو گونج اُٹھایا۔ نوفل کا چہرہ ایک مختصر سی مسکراہٹ میں ڈوب گیا۔

اس نے جو خواب دیکھا تھا، وہ پورا ہو گیا تھا آج وہ لاکھوں لوگوں کا خواب بن چکا تھا۔

****

حبا آنکھوں میں ایک عجیب سی الجھن اور دل میں غم کا بوجھ لیے کمرے کی کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی، جہاں آسمان پر ہلکے بادل چھائے ہوئے تھے، اور اس کے دل کی گہری تاریکی میں کچھ ایسا تھا جو اس کے اندر کی دنیا کو اور بھی بے سکون کر رہا تھا۔ وہ کئی دنوں سے اس کشمکش میں تھی، اندر ہی اندر اپنے فیصلے پر مسلسل جھجک محسوس کر رہی تھی، لیکن آج وہ کسی فیصلہ پر پہنچی تھی، جیسے اس نے خود کو قائل کر لیا ہو۔

اب مزید وقت گزارنا اور اس حقیقت کو چھپانا اس کے لیے ممکن نہیں تھا۔ اس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ اپنے گھر والوں کو سچ بتائے گی تاکہ اس کے دل میں جو شرمندگی اور خوف کا بوجھ تھا، وہ کچھ کم ہو سکے۔

اس کے دماغ میں بے شمار خیالات آ رہے تھے۔ کیا وہ یہ سب کہہ پائے گی؟ کیا اس کے گھر والے اسے معاف کر پائیں گے؟ لیکن پھر اس نے خود کو تسلی دی۔ اگر سچ نہ بتایا تو میں کبھی سکون سے نہیں رہ سکوں گی

****

حیدر اپنے کمرے میں اکیلا بیٹھا تھا، اور اس کے آنکھوں سے بے آواز آنسو بہتے جا رہے تھے۔ وہ مکمل طور پر ٹوٹ چکا تھا اس کی دنیا نے اس کے قدموں تلے سے زمین چھین لی تھی۔ اس کے ذہن میں وہ تصاویر گردش کر رہی تھیں جو اس نے ابھی کچھ دیر پہلے دیکھی تھیں، اور ہر ایک تصویر اس کے دل میں ایک چوٹ کی طرح لگ رہی تھی۔ وہ جس عورت کا یقین کرتا تھا، اس کی حقیقت اب بدل چکی تھی۔

وہ کمرے کے وسط میں بیٹھا تھا، آنکھوں میں غم اور دل میں ایک ایسا درد تھا جس کا کوئی نام نہیں تھا۔ اچانک دل میں ایک غصے کی لہر اٹھی اور پھر اس نے بے تابی سے سامنے رکھی چیزوں کو ایک ایک کر کے توڑنا شروع کر دیا۔

پہلے ایک گلاس اس کی گرفت میں آیا، اور پھر وہ ٹوٹ کر زمین پر بکھر گیا، بالکل ویسے جیسے کچھ دیر پہلے اس کا دل کرچیوں کی طرح ،ٹوٹ گیا تھا۔ اس کے بعد اس نے ایک اور چیز اٹھا کر دیوار کی طرف پھینک دی، اور وہ بھی ٹوٹ کر گرتی گئی۔ اس کا جسم لرز رہا تھا اور وہ چیخ رہا تھا، جیسے اپنے اندر کی تکلیف کو باہر نکالنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"کیوں؟ کیوں؟" وہ روہانسی آواز میں بڑبڑایا، **"کیوں کیا تم نے ایسا ماہین؟"**

وہ جو کچھ کر رہا تھا، اس کا احساس وہ خود بھی نہیں کر پا رہا تھا، بس ایک شدید اضطراب اور بے بسی کا احساس تھا۔

"میں نے تو تم سے محبت کرنے کے علاوہ کبھی کچھ نہیں کیا ماہین پھر تم۔۔ تم مجھے دھوکہ کیسے دے سکتی ہو یار؟"

کمرے کی ہر چیز جیسے اس کی حالت کا آئینہ بن گئی تھی، ٹوٹے ہوئے گلاس، بکھری ہوئی چیزیں اور فرش پر پڑی ٹوٹی اشیاء۔
وہ دیوانہ وار ماہین کو فون ملانے لگا مگر اتنی دفعہ ٹرائے کرنے کے باوجود کال نہیں اُٹھائی گئی تھی، جواب نہیں ملا تھا۔

اس کی آنکھوں میں ایک دھندلا پن تھا، جیسے وہ اس طوفان میں کسی کنارے کو تلاش کر رہا ہو جو اسے سکون دے سکے، جو اسے ڈوبنے سے بچا سکے، مگر اس کا کوئی حل نہیں تھا۔ اس کی بے قابو حالت اس کے اندر کی بکھری ہوئی دنیا کا عکس تھی، اور وہ اس لمحے میں ایک گمشدہ، شکست خوردہ انسان تھا جو اپنے ہی غموں میں ڈوبا ہوا تھا۔

****

افرا بیگم اپنے نرم اور پر سکون انداز میں اشمل کے سامنے بیٹھی تھیں، ان کے ہاتھ میں چند لفافے تھے جنہیں وہ احتیاط سے اشمل کی طرف بڑھا رہی تھیں۔ ان لفافوں میں وہ کچھ تھا جو وہ اشمل کو بتانا چاہتی تھیں، کچھ ایسا جو شاید اشمل نے کبھی نہیں سنا تھا۔

یہ لفافے تمہارے اخراجات کے ہیں، افرا بیگم نے دھیمی آواز میں کہا، تمہارے باپ، زبیر نے ان کی ذمے داری اُٹھائی تھی۔ اس نے مجھے تمہیں بتانے سے منع کیا تھا، لیکن اب میں چاہتی ہوں کہ تم جان لو اور اُسے اسکی غلطیوں کے لیے معاف کر دو۔

اشمل نے فوراً افرا بیگم کی بات کا جواب دینے کی کوشش کی مگر اس انکشاف سے ایک پل کے لیے اُس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔ کیا؟ اشمل نے تلخ لہجے میں کہا، اگر ان پیسوں سے یہ مجھے میرا بچپن خرید کر دے سکتے ہیں تو میں انھیں معاف کر سکتی ہوں ورنہ میں چاہوں گی کہ مجھے آئندہ ان کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

افرا بیگم نے اشمل کی بات سنی اور ایک لمحے کے لیے خاموش رہیں۔

میرے لیے ان پیسوں کی کوئی اہمیت نہیں، اشمل نے سخت لہجے میں کہا، آپ کے بیٹے کا معافی نامہ میرے لیے اب بے معنی ہے۔

یہ کہہ کر وہ جھٹکے سے اُٹھ کھڑی ہوئی اور قدموں سے فرش کو کچلتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔ اس کی رفتار میں اتنی شدت تھی کہ افرا بیگم کو یہ لگ رہا تھا جیسے ایک طوفان گزر گیا ہو، اور وہ ابھی تک اس کے اثرات میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

افرا بیگم نے لفافے واپس اپنی طرف کھینچ لیے اور دل میں افسوس کے ساتھ اس دروازے کو دیکھا جس سے اشمل ابھی گئی تھی۔ وہ جانتی تھیں کہ زبیر نے جو کچھ کیا تھا وہ سب آج کل کے زمانے میں شاید کوئی بھی معاف نہیں کرتا، اس نے اپنی بیٹی کو خود ڈیمج کیا تھا۔

****

حبا جب اشمل کے کمرے میں آئی تو کمرے کی فضا میں ایک خاص سی خاموشی تھی۔ بیڈ پہ بیٹھی اشمل بے دلی سے روٹی کے لقمے توڑ رہی تھی، جیسے ہی نظر کی نظر حبا پر پڑی، اشمل نے پلیٹ کو سائیڈ پر کر دیا۔ روٹی کے لقمے بیچ میں رہ گئے۔

حبا آہستہ سے قدم اٹھاتی ہوئی قریب آئی۔ اشمل نے نظریں اُٹھا کر حبا کو دیکھا۔

حبا نے جب اشمل کی یہ حالت دیکھی تو اپنے دل میں ایک ٹھیس محسوس کی۔ اشمل نے اثبات میں سر ہلایا۔ اُس کی نظر اشمل پر تھم گئی، اور وہ خاموشی سے اُس کی آنکھوں میں کوئی نہ سمجھ آنے والی ادھوری کہانی پڑھنے کی کوشش کرنے لگی۔

کیا ہوا؟ حبا تم ٹھیک ہو؟ ، اشمل حبا کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھتی پوچھنے لگی۔

میں ٹھیک ہوں، پر شاید آپ ٹھیک نہیں ہیں۔ حبا کی آنکھوں میں فکر واضع تھی۔

میں آپ سے کچھ باتیں کرنے آئی تھی۔۔۔ پر اب۔۔۔ پھر کبھی سہی۔ وہ جانے کے لیے اُٹھ کھڑی ہوئی

تمہیں پتا بھی ہے مجھے ادھوری بات کرنے والوں سے سخت نفرت ہے۔ وہ سختی سے کہتی اُسے بیٹھنے کا اشارہ کرنے لگی۔

حبا ہچکچاتے بیٹھ گئی، وہ۔۔۔

کیا ہوا ہے حبا؟ اب تم مجھے پریشان کر رہی ہو یار۔ وہ بیزار ہوئی

آپ کو وہ سیکنڈ ائیر والا یوسف یاد ہے؟ وہ جو۔۔ وہ جو آپ کو پسند کرتا تھا اکیڈمی میں۔ اشمل کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور وہ حبا کے قریب آ کر اُس کے دونوں ہاتھ اپنی گود میں لیے سوال کرنے لگی۔

ہاں یاد ہے۔ اُس نے تم سے کچھ کہا؟ ، اس سوال کے کانوں میں پڑتے ہی حبا نے اشمل کو زور سے گلے لگایا اور پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔

کچھ بتاؤ گی؟ ، اشمل مزید بے چین ہوئی۔

وہ پوری اکیڈمی میں صرف آپ کو دیکھا کرتا تھا اور میں پوری اکیڈمی میں صرف اُس پہ نظر ڈالتی تھی۔ وہ ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں کہنے لگی۔ اشمل کا دل مٹھی میں آ گیا تھا۔

مجھے لگتا تھا میں پیاری نہیں ہوں، یاں پھر اتنی پیاری نہیں ہوں کہ وہ آپ کو چھوڑ کر مجھے دیکھے۔ آنسو آنکھوں سے گر کر اشمل کے کندھے میں جذب ہو رہے تھے۔ اشمل نے اُس کو خود سے الگ کرتے دونوں ہاتھوں سے حبا کے چہرے کو نرمی سے تھاما

تم بہت پیاری ہو حبا، مجھ سے بھی زیادہ۔سچ میں۔وہ اُسے یقین دہانی کروا رہی تھی۔

میں نے بہت پیار کیا اُس سے آپی پر۔۔۔اُسے کبھی مجھ سے محبت نہیں تھی اُس نے مجھے کہا کہ وہ گھر رشتہ لائے گا مگر اُس کے لیے پہلے مجھے اُس کو امتحان دینا پڑے گا کہ میں اُسے ٹرسٹ کرتی بھی ہوں کہ نہیں، میں۔۔۔میں۔حبا کو سانس لینے میں مسئلہ ہو رہا تھا ۔اشمل قریب پڑے گلاس کو اس کی طرف بڑھائے پانی پلانے لگی۔حبا نے کانپتے ہاتھوں کے ساتھ گلاس تھام کر ایک دو گھونٹ پیئے اور پھر کہنا شروع کیا

میں چلی گئی تھی اُس کو ثابت کرنے اور۔۔۔اور اُس نے مجھ سے آپ کا نمبر لیا تھا تاکہ وہ گھر آنے سے پہلے کسی کو اعتماد میں لے سکے کہ گھر کا کوئی فرد میرا اور یوسف کا ساتھ دے گا۔

آج صبح جب اُس نے مجھے پوری بات بتائی کہ اُس نے آپ کا نیا نمبر لینے کے لیے مجھے استعمال کیا تو۔۔۔مجھے نہیں پتا تھا کہ آپ نے اُسکی وجہ سے اپنا نمبر چینج کیا تھا۔وہ بھرائی آواز میں اشمل کو وضاحت دے رہی تھی اشمل سے اس کے ہاتھوں پر نرمی سے ہاتھ پھیرا

حبا تمہاری کوئی غلطی نہیں ہے وہ بہت گھٹیا آدمی ہے پر آج کے بعد وہ تمہیں تنگ نہیں کرے گا،ڈونٹ وری۔وہ ایک ہاتھ سے حبا کے آنسو پونچھتے محبت سے کہہ رہی تھی۔

مجھے اس یوسف کی زلیخا بننے کی خواہش کرنے پہ شرم آتی ہے کہ میں۔۔اُس سے بات مکمل نہیں کی گئی تھی۔اشمل نے اُسے گلے سے لگا لیا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا حُب۔"

(اشمل پیار سے حبا کو حُب کہا کرتی تھی)

" Thank you for being a sister I never had "

روتے روتے اُس کے اِس جملے کی ادائیگی نے اشمل کو مسکرانے پر مجبور کر دیا تھا۔

ناٹ ویلکم۔وہ حبا کو چھیڑ رہی تھی۔

حُب کا مطلب ہوتا ہے محبت اور محبت کا مطلب ہوتا ہے ایک ایسا جذبہ جس میں انسان سامنے والے کو اُس کی خامیوں اور خوبیوں کو بغیر کسی شرط کے قبول کرتا ہے۔اشمل حبا کو حُب کسی وجہ سے ہی کہا کرتی تھی۔

****

یوسف نے آج اشمل کو اپنے گھر پہ لنچ کے لیے اِن وائیٹ کیا تھا اور یوسف نے شرط رکھی تھی کہ اگر اشمل اس لنچ کے لیے مان جاتی ہے تو یوسف شرافت سے وہ یو ایس بی اشمل کے حوالے کر دے گا اور اشمل کے لیے ایک بہتر انسان بننے کی کوشش کرے گا۔
اشمل آج سرخ رنگ کا کرتا پہنے یوسف کے ساتھ لنچ کرنے آئی تھی یوسف سے ملتے ہی اشمل کچن کی طرف بڑھی، کچن میں قدم رکھتے ہی ہلکی سے مسکراہٹ کے ساتھ اپنے بالوں کو باندھنے لگی۔اس کے ہاتھ تیز تیز حرکت کر رہے تھے اور چہرے پر ایک ،سکون تھا۔جب اس نے اپنے پیچھے قدموں کی آواز سنی، تو ایک پل کے لیے رکی اور پھر یوسف کی طرف پلٹ کر کہا، "تم بیٹھو ناں میں کر رہی ہوں۔"اس کی آواز میں ایک نرم و نازک تاثر تھا، جیسے وہ چاہتی تھی کہ یوسف بے فکر ہو کر آرام کرے۔

یوسف نے کچھ نہ کہا، بس ایک مختصر سی نگاہ اشمل پر ڈالی اور پھر کچن کے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔وہ جانتا تھا کہ اشمل کھانا بہت مہارت سے بناتی ہے، لیکن اس کے اندر ایک عجیب سا خدشہ بھی تھا۔دونوں کے درمیان خاموشی چھائی ہوئی تھی، کچھ منٹ بعد یوسف طور ہو کر لاؤنج میں جا بیٹھا، جبکہ کچن میں چھوٹے چھوٹے کاموں کی آوازیں اور کبھی کبھار برتنوں کا ٹکراؤ سنائی دے رہا تھا۔

دو گھنٹے بعد، جب کھانے کی میز پر دونوں بیٹھے تو یوسف نے اپنی پلیٹ اشمل کی طرف بڑھا دی اور اشمل کی پلیٹ اپنے آگے رکھ لی

اشمل نے اس کی طرف مسکراہٹ کے ساتھ پلیٹ بڑھائی، لیکن یوسف کی آنکھوں میں ایک سنجیدگی تھی، جیسے وہ کچھ سوچ رہا ہو۔

کیا ہوا؟ ،اشمل نے یوسف کی نظر کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

بس کچھ نہیں، یوسف نے آہستہ سے کہا، "تمھاری طرف سے تھوڑی احتیاط ضروری ہے۔" اس کے الفاظ میں کوئی خاص تلخی نہیں تھی، لیکن اس کی غیر معمولی خاموشی اور تاثر دونوں ہی اشمل کے لیے حیران کن تھے۔

اشمل اپنے اندر کی تشویش چھپاتے ہوئے کھانا شروع کر رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ یوسف کا اعتماد دوبارہ جیتنا آسان نہیں ہوگا۔ اس نے بس خاموش ہو کر کھانے کی طرف دھیان دیا۔

کھانے کے بعد دونوں کے درمیان خاموشی کا ایک ہلکا سا وقفہ آیا، پھر اشمل نے نرمی سے کہا، تم نے ایک دفعہ مجھے بتایا تھا نا کہ تمھارے گھر میں ایک ساؤنڈ پروف لائبریری ہے، کیا اب بھی ہے وہ؟

یوسف نے اپنے چہرے پر مسکراہٹ پھیلائی اور ایک لمحے کے لیے سوچا، پھر جواب دیا، ہاں، بیسمینٹ میں ہے۔

"اشمل کی آنکھوں میں چمک آگئی، چلو پھر، دکھاؤ مجھے۔

یوسف نے ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا اور کچن کی طرف بڑھتے ہوئے اشمل سے کہا، چلو میرے ساتھ، بس تھوڑا سا نیچے جانا پڑے گا۔

دونوں سیڑھیاں اُترتے ہوئے بیسمینٹ کی طرف بڑھ گئے۔ بیسمینٹ کا دروازہ کھولتے ہی ایک ٹھنڈی ہوا کا جھونکا آیا، جیسے نیچے کی فضا میں ایک الگ ہی دنیا چھپی ہو۔ اشمل کے قدم بیسمینٹ میں داخل ہوتے ہوئے تھوڑے سے متذبذب تھے، مگر یوسف کا اعتماد اس کو آگے بڑھنے کی تحریک دے رہا تھا۔

بیسمینٹ کے ایک کونے میں لائبریری کا دروازہ تھا، جس پر ایک خوبصورت لکڑی کی پینٹنگ لگی ہوئی تھی۔یوسف نے دروازہ کھولا،اور اشمل کی نظریں اس سنسان جگہ پر گئیں۔اندر ایک بڑی لائبریری تھی، جہاں ہر طرف کتابوں کی قطاریں لگیں ہوئی تھیں۔ساؤنڈ پروف دیواروں کے ساتھ، وہ جگہ کسی جنت سے کم نہیں تھی۔ہر طرف خاموشی کا غلبہ تھا،اور اندر کی فضا ایسی تھی کہ ہر لفظ، ہر خیال، جیسے سن کر گہرا ہو جاتا ہو۔

یہ ہے ہماری لائبریری، یوسف نے اشمل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا،اور پھر ایک کتاب کی سمت دکھائی، یہاں کوئی بھی آواز باہر نہیں آتی،اور نہ ہی اندر کی آواز کسی کو تنگ کرتی ہے۔

اشمل کی آنکھوں میں حیرت تھی، واؤ

یوسف نے ایک پر سکون نظر سے اس کی طرف دیکھا،اور پھر کتابوں کی ایک بڑی شیلف کی طرف بڑھتے ہوئے کہا، یہاں میں اکثر وقت گزارتا ہوں، جب مجھے سکون چاہیے ہوتا ہے یا جب مجھے اپنے خیالات کو ترتیب دینا ہو۔

اشمل بھی آرام سے ایک کتاب نکال کر اس کے قریب بیٹھ گئی اور دونوں خاموشی سے کتابوں کے اور اس پُر سکون ماحول کے حسین لمحوں میں محو ہو گئے۔پھر اچانک سے یوسف کا سر شدت سے چکرانے لگا اور اس نے اشمل کو پکارا،اشمل فوراً اس کی طرف لپکی

''میں تمہارے لیے پانی لے کر آتی ہوں ایک منٹ۔''

اشمل بیسمینٹ کی سیڑھیاں چڑھنے لگی اور جوں ہی وہ آخری زینے پر پہنچی اُس نے بیسمینٹ کو تالا لگا دیا وہ گہرے سانس لیتی لاؤنج کی طرف بڑھی وہاں سامنے ٹیبل پہ وہ یو ایس بی رکھی تھی اشمل نے فوراً اسے پاس پڑے پانی کی گلاس میں ڈبو دیا اور اب وہ قدرے پُر سکون تھی۔

تمہیں کیا لگا تھا میں اتنی بے وقوف ہوں گی یوسف کہ اپنے سامنے وہ پلیٹ رکھوں جو بالکل کلین ہو اور تمہارے سامنے سیدھا اٹھا کے زہر رکھ دوں؟ مجھے پتا تھا تم مجھے ٹرسٹ نہیں کرتے۔

"Respectfully Your Loss"

کہتی وہ اپنا بیگ اُٹھاتی باہر کو بڑھ گئی۔

بلڈنگ کے باہر اُسے ایک چوکیدار دِکھتا جو آتے وقت گیٹ کے قریب موجود نہیں تھا

،ایکسکیوزمی، میں ادھر یوسف سے ملنے آئی تھی پر مجھے ابھی ابھی اُس کا میسج آیا کہ وہ اس وقت پیرس میں ہے، ایک مہینے تک آئے گا وہ جب ایک مہینے بعد واپس آئے تو اُسے بتا دیجیے گا کہ اس کے اسکول کی دوست عائشہ اُس سے ملنے آئی تھی۔

ٹھیک ہے میڈم، چوکیدار نے سر اثبات میں ہلایا اور اشمل نرم انداز میں مسکرائی

عورت کو ایک حد تک آزمانا چاہیے۔ تم میری کمزوری سے، میرے ڈر سے کھیل رہے تھے، میں نے تمہاری سانسوں سے کھیل لیا سیلف ڈیفینس! حساب برابر، وہ تلخی سے خود کلامی کرتی آگے بڑھ گئی۔،

****

نورین اس موقع کو استعمال کرتے ہوئے، حیدر کے ذہن میں مزید شک اور شکایت کے بیج بوتی جا رہی تھی۔

بیٹے، تمہیں حقیقت کا سامنا کرنا پڑے گا، نورین نے نرم اور آرام دہ آواز میں کہا، ماہین تمہیں چھوڑ کر جا چکی ہے۔ تم دونوں کے درمیان جو رشتہ تھا، وہ اب ختم ہو چکا ہے۔ مجھے نہیں لگتا کہ اب وہ کبھی واپس آئے گی۔

حیدر نے اپنی ماں کی طرف نظریں اٹھائیں، مگر اس کے چہرے پر ایک شدید بے یقینی تھی۔ "م... ممی آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" اس کی آواز میں ایک مدھم سی لرزش تھا۔

نورین نے ایک گہرا سانس لیا اور پھر ایک تیز نگاہ سے اس کی طرف دیکھا۔ "میری جان، تمہاری بیوی نے اپنے سابقہ عاشق کو ترجیح دی ہے۔ وہ اب تمہارے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔" اس کی آواز میں اتنی سرد مہری اور اتنا یقین تھا کہ حیدر کا دل ایک لمحے کے لیے

دھڑ کنا رک گیا۔اس کی آنکھوں میں ایک بے یقینی کی لہر دوڑ گئی، جیسے وہ یہ سب کچھ سن کر حقیقت کو ماننے کے لیے تیار نہ ہو۔
...آپ ایسا کیسے کہہ سکتی ہیں؟ ماہین ایسی نہیں ہے

،ہنی، تم ابھی بھی اس حقیقت کو نہیں ماننا چاہتے، نورین نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا،اور پھر اس کی آنکھوں میں نرم سا دکھ تھا لیکن سچ یہی ہے۔وہ تمہارے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔وہ اپنے ماضی کی طرف واپس جا چکی ہے،اور اس کے لیے تمہاری کوئی ویلیو" نہیں ہے۔

حیدر کی آنکھوں میں بے شمار سوالات اور بے چینی کی لہریں تھیں، مگر اس سب کا اب فائدہ نہیں تھا۔
نورین اب اپنے بیٹے کو واپس مکمل طور پر اپنے کنٹرول میں لے آئی تھی۔" بیٹے، تمہیں حقیقت کا سامنا کرنا ہوگا۔ماہین تمہیں چھوڑ "چکی ہے۔

نورین نے اس کے ذہن میں شک کے وہ بیج بو دیے تھے جسے وہ وقت کے ساتھ پکا کر کے اس کے دل میں گہرا کرنے والی تھی۔

****

حسیب اپنی اکلوتی بیٹی حبا کو اپنے سینے سے لگا کر اُس کے ساتھ روتے ہوئے اسے تسلی دے رہے تھے۔حبا کا چہرہ بھی اشکوں سے تر تھا،وہ اپنے کیے پر ملامت میں ڈوبی ہوئی تھی۔دنیا کا سارا وزن اس کے کندھوں پر آ گرا تھا۔

حسیب نے اپنی بیٹی کو مضبوطی سے تھام لیا، "بیٹا، تم نے جو بھی کیا وہ بس ایک نادانی تھی" حسیب کی آواز لرز رہی تھی، مگر اس میں محبت اور تسلی کا ایک بے حد نرم پہلو تھا۔تم نے جو کچھ بھی کیا، وہ تمہاری غلطی نہیں تھی۔ہر انسان سے کبھی نہ کبھی کوئی غلطی ہو جاتی ہے۔میں نے تمہیں ہمیشہ اپنی دعاؤں میں شامل رکھا ہے،اور تمہارے ہر دکھ میں شریک ہوں۔

حبا نے بے بسی سے اپنے والد کو دیکھا، اور اس کے دل میں ایک گہرا احساس تھا کہ وہ اپنے والد کی محبت کو تکلیف دینے والی باتوں کے لئے کبھی معاف نہیں کر سکے گی۔ مگر حسیب کا گلے لگانا اور اس کا ہر لفظ ایک پل کے لیے اس کے دل میں سکون لایا تھا۔

بابا، مجھے نہیں معلوم کہ میں نے کیا کیا، مگر میں واقعی بہت شرمندہ ہوں،" حبا کی آواز میں اتنی اداسی تھی کہ اس کے الفاظ ایک گہری اذیت کی گواہی دے رہے تھے۔ اس کی آنکھوں میں دریا کی گہرائی سے نکلتے ہوئے آنسو تھے، اور وہ لمحہ لمحہ اپنے کیے کی قیمت چکا رہی تھی۔

حسیب نے اپنی بیٹی کو مزید قریب کر لیا اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا، بیٹا، تمہاری ہر غلطی کو میں نے معاف کیا ہے، اور تمہاری غلطیوں کو تمہاری نادانی سمجھ کر دل میں کوئی بوجھ نہیں رکھا۔ تم میرے لیے ہمیشہ وہی بیٹی رہو گی جو تم پہلے تھی۔

وہ جانتی تھی کہ اس کے والد نے اس کے تمام گناہ اور بے وفائی کو معاف کر دیا ہے، اور رہی بات پچھتاوے کی تو یہ گلٹ بھی کبھی نہ کبھی جان چھوڑ ہی دے گا۔

****

زبیر کا ہاتھ لرزتے ہوئے اس کاغذ پر رک چکا تھا، جس پر اشمل کے ہاتھ کی لکھی ہوئی سطر تھی۔ اس نے نا جانے اب تک اسے کتنی بار پڑھا تھا۔

"میں آپ کو معاف کرنے سے بہتر، مرنا پسند کروں گی۔"
یہ وہ الفاظ تھے جو زبیر کے دل کو چھلنی کر گئے تھے۔ کبھی کبھی لفظوں کا انبار بھی انسان کا کچھ نہیں بگاڑتا اور کبھی کبھی ایک جملہ بھی روح چیر جاتا ہے۔

آنکھوں میں ڈھیروں ملامت لیے وہ بس اپنے ماضی کے کیے غلط فیصلوں پر صرف پچھتا ہی سکتا تھا، زبیر شاہ وہ باپ تھا جس نے بس پیسا پھینک تماشا دیکھ والی روایت کو قائم رکھتے ہوئے اپنی زندگی گزاری تھی اسے آج سے پہلے کبھی اپنی اولاد کے احساسات سے غرض نہیں رہی تھی اور آج جب اُس نے پرواہ کرنا شروع کی تھی تو بہت دیر ہو چکی تھی۔

وہ کاغذ کو اپنی آنکھوں کے قریب لے آیا، اور ایک لمحے کے لیے اسے ٹک کر دیکھنے کی کوشش کی، جیسے وہ ان الفاظ کی حقیقت کو کسی طریقے سے بدلنا چاہتا تھا۔ مگر آج وہ ان لوگوں کی فہرست میں تھا جن کے ہاتھ آخر میں سوائے پچھتاوے کے کچھ نہیں آتا۔

وہ کاغذ کو اپنے ہاتھوں میں تھامے، سر جھکائے، بے آواز رو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے گرتے ہوئے آنسو اس کے گہرے دکھ اور شرمندگی کا عکاس تھے۔ ایک طرف اُس کا ضمیر تھا جو اسے ملامت کر رہا تھا اور دوسری طرف اُس کے دل میں اشمل کی محبت کی جواب کسی دکھ کی صورت میں اس کے ساتھ جڑی ہوئی تھی۔،

یہ پچھتاوا دھیرے دھیرے اُس کو دھیمک کی طرح کھا رہا تھا۔

****

حیدر کمرے میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے، اور اس کی نظریں موبائل کی اسکرین پر گڑی ہوئی تھیں۔ بار بار وہ ماہین کا نمبر ڈائل کرتا اور جب فون کا جواب نہ آتا، تو اسے شدید بے بسی محسوس ہوتی۔

گزرے ہوئے بارہ دنوں میں، اس نے ماہین کو ہزاروں کالز کیں، لیکن ہر بار وہ بے جوابی پر غم و غصے سے بھرا ہوتا تھا۔ ایک طرف ماہین کی نفرت اس کے دل میں گھر کر گئی تھی، تو دوسری طرف اُسے خود پر بے حد غصہ آ رہا تھا کہ وہ اتنا سب ہو جانے کے باوجود بھی ماہین کی فکر کر رہا تھا۔

کمرے میں روشنی مدھم تھی اور ہوا میں تناؤ تھا۔اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار واضح تھے اور آنکھوں میں ایک عجیب سا کرب تھا، گویا وہ کسی بات کو تسلیم کرنے سے مسلسل انکار کر رہا ہو۔

کمرے میں پڑا ہوا آئینہ اس کی حالت کی غمازی کر رہا تھا۔اس کے چہرے کی لکیریں، بڑھی ہوئی شیو جیسے ایک مدت سے بے چین اور ٹوٹے ہوئے احساسات کا پتہ دے رہی تھیں۔وہ آخری بار ماہین کا چہرہ یاد کرنے کی کوشش کرتا آنکھیں موند کر لیٹ گیا، لیکن دل میں عجیب سا خلا محسوس ہو رہا تھا جو اسے مزید الجھائے جا رہا تھا۔

نوفل اپنے اپارٹمنٹ کے دروازے پر کھڑا تھا، ٹوٹے پھوٹے قدموں سے اندر داخل ہوتے ہوئے اس کا چہرہ نیند اور تھکاوٹ سے مرجھایا ہوا تھا۔وہ ہچکچاتے ہوئے ایک کمرے میں داخل ہوا، رات کی پرائیویٹ پارٹی میں کی جانے والی موج کے بعد، اب اس کے ذہن میں ایک بادل تھا جو اُسے حقیقت سے دور لے جا رہا تھا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی نوفل کا ہاتھ بے دلی سے سائیڈ ٹیبل پر رکھی ایک شراب کا بوتل کی طرف بڑھا، مگر وہ خود کو اس میں غرق کرنے کی کوشش نہیں کر رہا تھا، وہ اپنی حالت سنبھالنے کو کوشش کر رہا تھا۔ہر طرف سناٹا تھا، جیسے کمرے میں اس کی موجودگی سے زیادہ کچھ باقی نہ ہو۔سامان بکھرا پڑا تھا، لیکن نوفل کو ان چیزوں کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔

اُس کا دماغ بہت سی چیزوں سے غافل تھا۔اس کی نظریں تھک کر بند ہونے لگیں، اور وہ خود کو بستر کی جانب لے کر چلنے لگا۔وہ بستر پہ آرام کرنے کی نیت سے لیٹا تو اُس کا دماغ عجیب سی بے چینی اور گمشدگی میں ڈوب گیا۔دیکھتے دیکھتے اس کا دل اور دماغ ایک ہی گمشدہ مقام پر کھڑے تھے، اور وہ اس میں بہتا جا رہا تھا۔

ایک ہفتہ پہلے جب نوفل پارٹی سے واپس لوٹا تھا تو اُس کا گلہ بہت خراب رہا تھا، اُس نے دو تین

Cough syrups

پی لئے تھے جن کا اُس کے گلے پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا اور اُن میں سے آخر میں پیئے جانے والا سیرپ شاید ایکسپائرڈ تھا۔ پرسوں سے اُس کا گلہ بالکل بند تھا آواز بالکل غائب تھی، آج صبح وہ اپنے دوست شہریار کے کلینک پر کچھ ٹیسٹ کروا کر آیا تھا اور اب شام کو اُن تمام ٹیسٹ کی آن لائن رپورٹ آنی تھی اب وہ اسکرین پہ کلینک کی ویب سائٹ کھولے رپورٹ چیک کر رہا تھا کہ اچانک اُسکی نظر رپورٹ میں لکھی آخری سطر پر جا ٹھہری، اُس میں لکھے مسئلے کا آج سے پہلے نوفل نے نام بھی نہیں سنا تھا وہ جلدی جلدی

Total Laryngectomy

گوگل کرنے لگا اور اُس کے سامنے جو چیز آئی تھی وہ کچھ یوں لکھی تھی

A condition where a person could lose their voice permanently is called "total laryngectomy" This is usually a result of laryngeal cancer or severe injury or infection that damages the larynx irreparably. In such cases, the person would lose the ability to speak normally, and they would need to use alternative methods of communication, such as a prosthetic device, esophageal speech, or a tracheoesophageal puncture.

اور نوفل کے پیروں تلے سے جیسے کسی نے زمین کھینچ لی تھی، یاں شاید ساتوں آسمان اُس کے سر پر قطرے تھے، اُسکی آواز اُس کا غرور تھی اور اُس کے غرور کو اوپر بیٹھے بادشاہ نے ایک ہی جھٹکے میں کُچل دیا تھا۔

ایک ہی سانس میں اُسے بیشمار بے ترتیب فلیش بیکس آئے تھے، اشمل کا وائس میسجز میں رونا، منسا کا سسکیاں لیتے اُس سے سوال کرنا کہ نوفل کو منسا سے محبت کیوں نہیں تھی، وہ ستائیس سالہ آدمی جس کی آواز کا نوفل پورے اسٹوڈیو میں مزاق بناتا تھا، تمسخر اُڑاتا تھا۔ آج اُس کی اپنی آواز مسخ کر دی گئی تھی۔

وہ ہمیشہ دوسروں کو نیچا دکھانے اور اپنی برتری جتانے کی کوشش کرتا تھا، مگر آج وہ خود اس کا خمیازہ بھگت رہا تھا۔ آج وہ سمجھ رہا تھا کہ کسی کو نیچا دکھانے کی قیمت کیا ہوتی ہے۔

****

سامنے دیوار کو دیکھتے وہ کھو گئی تھی اور اچانک اُسکی آنکھوں کے سامنے وہ منظر لہرایا جب حیدر اور وہ فون پر بات کر رہے تھے، وہ اُسے ہنسانے کی کوشش کر رہا تھا مگر ماہین کا موڈ آف تھا۔

ماہین کو مسلسل خاموش پا کر حیدر نے اُسے مخاطب کیا

''موڈ کیوں آف ہے؟''

''معاذ کا میسج آیا تھا آج۔'' حیدر کی گردن میں گلٹی ابھری، دل میں ٹیس اُٹھی تھی۔ پھر؟ کیا کہہ رہا تھا؟

اُسکو اپنے کسی دوست سے پتا چلا کہ میں تم سے شادی کر رہی ہوں۔ ماہین نے دھیمی آواز میں اطلاع دی تھی۔ اور حیدر کو لگا تھا اُس کی شادی سے پہلے ہی طلاق ہو گئی ہے۔

ماہین تُم مجھے چھوڑ تو نہیں دو گی نا؟ ،وہ بیچارگی سے سوال کر رہا تھا۔

نہیں حیدر، میں نے یہ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے، یو ہیو ٹو ٹرسٹ می کہ ایسا کچھ بھی نہیں ہے جیسا تُم سوچ رہے ہو۔ اور ساتھ ہی حیدر کا سانس بحال ہو گیا تھا۔

میں تمہیں بہت خوش رکھوں گا ماہین آئی پرامس میں کبھی تمہیں اِس فیصلے پر ریگریٹ (پچھتاوا) نہیں ہونے دوں گا۔ میں تمہارے ماضی کی ہر تکلیف دہ یاد کو بھلا دینے میں تمہاری ہیلپ کروں گا۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں ماہین سے زیادہ خود کو تسلی دے رہا تھا۔ اور ماہین کو حیدر پر بے حد ترس آیا تھا۔

اور ماہین اب جب اُس یاد سے واپس نکلی تھی تو آج اُس کو حیدر کی بجائے خود پر ترس آ رہا تھا۔

میں نے سب خراب کر دیا حیدر، میں نے تمہیں اور خود کو۔۔۔۔ بہت سے الفاظ گلے میں اٹک کر رہ گئے تھے۔

****

نوفل اپنی شہرت کے باعث سب سے دور ہو گیا تھا،اُس کا مقصد پورا ہو جانے کے بعد اسے منسا میں بھی کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی اسنے منسا نامی بیساکھی کو خود سے دور پھینکا تھا اور ایک لمبا عرصہ اُس کے پیچھے خوار ہونے کے باعث منسا اب نوفل نامی کھیل سے تھک چکی تھی اس لیے اُس نے نوفل کو ہر جگہ سے بلاک کر کے زندگی میں آگے بڑھنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

****

کمرے کی دھندلی روشنی میں صرف ایک بلب کی مدھم چمک تھی منسا کا چہرہ سیاہ بالوں سے چھپ گیا تھا،اور وہ بے خودی سے تیمور کے کندھے پر سر ٹکائے بے آواز روتی جا رہی تھی۔آنکھوں میں ادھورے خوابوں کا بے شمار درد تھا۔وہ جو محسوس کر رہی تھی وہ اُس کیفیت کو تیمور کو نہیں بتا سکتی تھی۔

نوفل نے کچھ کہا ہے؟ ،وہ چند لمحے کے لئے ہونٹ کاٹتی رہی۔اُسے پتا تھا کہ وہ تیمور سے جھوٹ نہیں بول سکتی تھی وہ منسا کو منسا سے زیادہ جانتا تھا۔

''ہم جس سے محبت کرتے ہیں وہ لوگ ہم سے پیار کیوں نہیں کرتے؟''

''تم بتاؤ کہ تم کیوں نہیں کرتی مجھ سے محبت؟''

اُس نے کوئی تبصرہ کیے بغیر کہا۔

شاید اِسی بات کی سزا مل رہی ہے مجھے۔میں تمہیں ہرٹ کرتی ہوں اور وہ مجھے ہرٹ کرتا ہے۔سچ بتاؤ تم بد دعائیں تو نہیں دیتے مجھے؟،وہ زخمی انداز میں ہنسی۔

تیمور کا دل تیز دھڑک رہا تھا،منسا کے آخری جملے نے تیمور کو جیسے ڈوب مرنے کا اشارہ کیا تھا۔لیکن اُس کا چہرہ بے جان سا تھا۔وہ منسا کو دیکھ رہا تھا،آنکھوں میں بے بسی تھی۔

انسان جس سے محبت کرتے ہیں اُن کو بد دعا نہیں دیتے۔وہ بڑے مطمئن انداز میں اُسے بتا رہا تھا۔جب وہ تیمور کے سامنے یہ اعتراف کر رہی تھی کہ نوفل اب اسے نہیں چاہتا،تو تیمور کا دل ایک لمحے کے لئے رک گیا تھا۔

پھر انسان محبت نہ ملنے پر کیا کرتے ہیں؟ ، تیمور کا ذہن اس وقت بالکل ماؤف ہو چکا تھا۔

''وہ خاموشی سے سائیڈ ہو جاتے ہیں خود کو یہ سمجھا کر کہ اُن کی محبت ان کے دل کا حصہ تو ہے مگر نصیب کا نہیں۔''

پھر تمہاری خاموشی ہی بد دعا کی صورت اختیار کر کے مجھے لگ رہی ہے۔ تیمور کو لگا منسا ایک ہی بات میں تیمور ولید کی ساری محبت کو اُس کے منہ پر مار گئی تھی۔اُسے اپنے دل سے خون بہتا محسوس ہو رہا تھا۔

وہ منسا کی تکلیف کم کرنا چاہتا تھا مگر منسا نے تیمور کو تکلیف سے کر اُسے بھی اس دکھ میں شریک کر لیا تھا۔

وہ اس کا سہارا بننے کی کوشش کر رہا تھا، مگر اندر سے خود بھی ٹوٹ چکا تھا۔

منسا کی ہچکیاں آہستہ آہستہ کم ہونے لگیں، لیکن تیمور کا دل اب بھی بکھرا ہوا تھا۔

****

بیوٹیشن نے کام دار دوپٹہ منسا جے سر پر رکھا، وہ مگن سی اُس کے دوپٹے کو فکس کرتی پنیں لگا رہی تھی۔ سفید رنگ کا لباس پہنے، سر پر دائیں جانب جھومڑ لگائے۔ آئینے کے سامنے تیمور ولید کی اکلوتی محبت بیٹھی تھی۔ منسا نے یہ خواب نوفل کے ساتھ دیکھے تھے۔ وہ خود کو ہمیشہ نوفل کی دلہن سمجھتی آ رہی تھی اور آج جب حقیقت نے تھپڑ مارا تھا تو منسا ظہیر سے اُس کی تکلیف سہی نہیں جا رہی تھی

۔

بہت سی باتیں دماغ میں گونجی تھیں بہت سے منظر آنکھوں کے آگے لہرائے تھے۔

منسا وہ تم سے پیار نہیں کرتا۔ تمہارا اور نوفل کا سچویشن شپ والا سین ہے ٹرسٹ می۔ دور کہیں سے نیہال کی آواز کانوں میں گونجی تھی۔

اِٹس لائک، جس میں آپ اُس انسان کو بطور پارٹنر نہیں چاہیے ہوتے۔وہ یہ نہیں چاہتا کہ آپ کسی سے کمِٹ کر جاؤ پر وہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ وہ آپ سے کمٹمنٹ کرے۔دوست سے زیادہ پارٹنر سے کم یعنی بناٹیگ کے۔۔۔۔بیوٹیشن اُس سے لپ اسٹیک کا شیڈ کانفرنس کر رہی تھی تو اس کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹا۔

اپنے اوپر بے اختیار ہنسی آئی تھی اُسے۔نوفل نے بہت سائنز دیے تھے مگر منسا نے نوٹس نہیں کیے تھے۔اُس نے شروع سے اپنا آپ دکھایا تھا مگر منسا نے ہی آنکھیں بند کی ہوئی تھیں۔

****

ایک بڑے اور قدیم باغ میں، جہاں ہر طرف رنگ برنگے پھول کھلے ہوئے تھے، ایک خوبصورت منظر کے گرد یہ حسین رشتہ ، قائم ہونے جا رہا تھا۔ایک بڑی سی چمچماتی سفید چادر بچھائی گئی تھی، جس پر دلہن اور دلہا کی نشستیں سجائی گئی تھیں۔سفید، سنہری اور ہلکے گلابی رنگ کے کپڑے، آراستہ دستر خوان، اور خوشبو سے مہکنے والی موم بتیاں ماحول میں ایک خاص قسم کا جادو پیدا کر رہی تھیں۔

منسا، ایک سنہری اور ہلکے جامنی رنگ کے لباس میں ملبوس تھی۔اس کے ہاتھوں پر لگی مہندی کے نقش و نگار اس منظر کو چار چاند لگا رہے تھے۔آنکھوں میں خوشی کی جھلک لیے وہ مسکرا کر تائی سے باتیں کر رہی تھی۔

تیمور، سنہری دھاگے کے کام سے بنی سفید شیروانی میں ملبوس تھا۔اس کی نظریں منسا کی طرف مرکوز تھیں، وہ چاہ کر بھی نظریں منسا پر سے ہٹا نہیں پا رہا تھا۔

نکاح کی تقریب شروع ہوئی۔

امام صاحب کی آواز مائیک کی بدولت سارے میں گونجی

"کیا آپ کو تیمور ولید سے یہ نکاح قبول ہے؟"

جی قبول ہے۔ منسا نے آہستگی سے کہا۔ اور تیمور کو اپنی آنکھوں سے پانی بہتا محسوس ہوا۔ اُسے قسمت کے اپنے اوپر مہربان ہو جانے پر یقین نہیں آیا تھا۔

اُسے اپنی قسمت پہ رشک آیا تھا۔ انسان کتنے ہی خواب دیکھتا ہے، اُن خوابوں کو جینے کی خواہش رکھتا ہے، اس گھڑی کے بعد تیمور اپنے خوابوں کو جینے والا تھا، ساری زندگی کے لیے۔

دونوں طرف کی رضامندی کے بعد امام صاحب نے دعا کی، دونوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ لیا۔ منسا اور تیمور کی نظریں ایک دوسرے میں گم تھیں اور پورے ماحول میں محبت کا احساس تھا۔ ایسی محبت جو تیمور کو خوشی کے آنسو بہانے پر مجبور کر گئی تھی۔ تیمور نے نم آنکھوں کے ساتھ قدم مزید منسا کی طرف بڑھا کر اُسے گلے لگا لیا۔

میں دنیا کا سب سے خوش نصیب انسان ہوں۔ وہ منسا کے کان کے قریب کہہ رہا تھا اور منسا لاجواب ہو گئی تھی مگر آج اُسے تیمور کا اظہارِ محبت اچھا لگا تھا۔

****

اُن کے نکاح کو ہوئے آج تیسرا دن تھا تیمور صبح چھ بجے ہی اُٹھ گیا تھا اور روٹین کے مطابق وہ جم سے واپس بھی آ گیا تھا مگر منسا ابھی بھی بستر میں پڑی ہر چیز سے بے خبر سو رہی تھی وہ کمرے میں داخل ہوا تو اُس کی نظر بستر پہ لیٹی اپنے بیوی پر جا ٹھہری ہاتھ میں پکڑی واٹر بوٹل کو سائیڈ ٹیبل پر رکھے وہ اُس کے پاس آ بیٹھا تھا۔ وہ گہرے سانس لے رہی تھی اور تیمور بس اس کو نم آنکھوں سے دیکھ کے مسکرا رہا تھا۔

چند لمحے گزرے ہی تھے کہ وہ اُس کے بالوں میں اُنگلیاں پھیرنے لگا

میں تمہیں بہت خوش رکھوں گا منسا، اپنا سب قربان کر دوں گا تمہیں خوش رکھنے کی خاطر۔ وہ خود سے بڑبڑاتے منسا سے وعدہ کر رہا تھا۔ اور منسا بے نیازی سے اپنی نیندیں پوری کر رہی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ کمرے میں اُس کے لیے ناشتہ لیے منسا کے سر پر کھڑا تھا

اُٹھ جاؤ مینو ! فریش ہو جاؤ، ناشتہ کر لو۔ وہ بے حد پیار سے کہہ رہا تھا

میری طبیعت نہیں ٹھیک، آرام کرنے دو۔ وہ نیند میں بڑبڑائی

تیمور کے تاثرات سیکنڈز میں بدلے تھے وہ فوراً گرے سائیڈ پہ رکھ اُس کی طرف بڑھا اور پریشانی سے کہنے لگا

''کیا ہوا طبیعت کو؟ تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟''

اُس کے تاثرات دیکھ منسا نے اپنے آنکھیں پوری کھول لیں اور وہ اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہنسنے لگی اور تیمور نے سُکھ کا سانس لیا

تم پاگل ہو؟، وہ خوشگوار حیرت سے سوال کر رہی تھی

نہیں میں بس پریشان ہو گیا تھا۔ وہ ہچکچایا

پریشان نہیں ایسا لگ رہا تھا تمہاری ساری دولت کو کسی نے آگ لگا دی ہے اور اب تم سڑک پہ آ گئے ہو۔ وہ مزاق اُڑاتی باتھ روم کی طرف بڑھ گئی

تمہیں کچھ ہو جاتا تو میں کنگال ہو کر واقعی سڑک پہ آ جاتا۔ وہ اُسے جاتا دیکھ آہستہ آواز میں کہہ رہا تھا۔

****

گزشتہ دو ماہ میں زندگی بہت پُر سکون ہو چکی تھی تیمور اور منسا کے نکاح کو ایک ماہ ہونے کو تھا اور وہ اُس

First Month Anniversary

کو اسپیشل بنانے کے لیے اب پلانز بنا رہی تھی، پورے کمرے میں آدھے اُدھر خوشی سے ٹہلتے اُسکی سیاہ پونی بھی جھول رہی تھی ، آنکھوں میں گہرا کاجل اُس کی آنکھوں کو چار چاند لگا رہا تھا۔ لسٹ بناتے وہ کبھی کبھی کمرے میں نظر دوڑا کر دائیں بائیں دیکھ لیتی سامنے لگے پردے کو دیکھتے وہ کچھ سوچ کر ہاتھ میں پکڑا پین انگلی پر گھمانے لگی اچانک پین فرش پر جا گرا وہ نیچے گرا پین اُٹھانے کو جھکی تو اِدھر اُدھر ہاتھ مارنے کے باوجود اُسے پین نظر نہ آیا، وہ تھک ہار کے اُٹھانے لگی تو اُسے بستر کے نیچے سے غیر محسوس سی آواز

سنائی دینے لگی، مسلسل کچھ نہ کچھ وائبریٹ ہو رہا تھا، منسا نے تیزی سے میٹرس اُلٹنا پلٹنا شروع کر دیا، بہت مشقت کے باوجود اُسے کچھ نہیں ملا تھا پھر اُس نے آواز کا پیچھا کرنے کی کوشش کی تو۔۔۔۔

نورین اس وقت ایک معمولی طرز پر بنے ایک گھر میں کھڑی تھی، سامنے موجود آدمی اُسے اپنی کارکردگی کی رپورٹ دے رہا تھا اور وہ بے تاثر چہرہ لیے سن رہی تھی پھر اُسکی بات کاٹتے وہ بولی

''کھانا کیوں نہیں کھا رہی وہ اب؟''

پتا نہیں جی، بہت دفعہ زبردستی کھلانے کی بھی کوشش کی ہے مگر وہ منع کر دیتی ہیں۔ نورین نے اُسے ہاتھ سے جانے کا اشارہ کیا اور خود سامنے والے ہال نما کمرے کی طرف بڑھ گئی، وہ جب کمرے میں پہنچی تو اُس کی نظر خستہ حال زمین پر گری ماہین کی طرف ، متوجہ ہوئی جو اب نورین کے حلق کا کانٹا بن چکی تھی، ایسا کانٹا جو نہ اُگلا جا رہا تھا نہ نگلا۔ لوگوں نے بیک اَپ پلانز رکھے ہوتے ہیں نورین شاہ نے بیک اَپ گھر رکھے ہوئے تھے۔

بیڈ کے نیچے موجود فرش پر لگی ایک ٹائیل میں سے وائبریشن کی آواز آ رہی تھی اُس نے ٹائل کو ہاتھ لگایا تو ایک ہی جھٹکے سے اُس کا سرنچلی سطح سے الگ دکھائی دینے لگا منسا کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

نورین فرش پر بیٹھی ماہین کے چہرے پر اپنی گرفت مضبوط کرتے اب اُس سے اُس کا مسئلہ پوچھنے آئی تھی۔

تم شاید یہاں کا کھانا کھا کھا کر تنگ آ گئی ہو، کل رات حیدر اور میں میٹھی چیزیں نہ کھانے پر بحث کر رہے تھی تو کہنے لگا''، ممی'' اس بیکری کی براؤنی ماہین کو بے حد پسند ہے۔''وہ اب ماہین کی طرف براؤنی بڑھاتے عجیب انداز میں ہنس رہی تھی۔

ماہین کی آنکھوں میں نمی آئی، نم آنکھوں سے مسکراتے وہ کہنے لگی''شروع سے یہ سب میری غلطی تھی، سارا قصور میرا تھا، میں نے حیدر کی قدر نہیں کی، اُس کے دل کی حفاظت نہیں کی۔

''He did his best''

وہ پچھتاوے کی آگ میں نا جانے کتنے دنوں سے جل رہی تھی۔

نورین کو ایک لمحے کے لیے اُس پہ ڈھیروں ترس آیا تھا مگر پھر فوراً ہی وہ خود کو سنبھالتے ہوئے کہنے لگی''چلو اچھا ہے، کم از کم تمہیں اپنی غلطیوں کا احساس تو ہے، مجھے اچھا لگا کہ تم نے کھیلنے کی کوشش تو کی وہ الگ بات ہے

I'm a pro player

اس لیے تم جیت نہیں پائی۔وہ نزاکت سے کہتی اُٹھنے لگی۔

ماہین کی نظر پاس پڑی پلیٹ پر پڑی جس میں چار قسموں کا پھل موجود تھا اور ساتھ ایک نوک دار چاقو۔عدیل اتنا سست تھا کہ اُس نے کبھی یہ سب کرنے کی زحمت نہیں کی تھی وہ بس فروٹ اور چھڑی ماہین کو پکڑائے بری ذمہ ہو جاتا تھا،ماہین کو اپنے لیے یہ مشقت خود ہی کرنی پڑتی تھی۔

منسا ہاتھ میں پکڑے ہوئے لکڑی کے ڈبے کو بے حد احتیاط سے کھول رہی تھی۔اس کے چہرے پر گھبراہٹ اور خوف کے آثار تھے۔وہ سانس روک کر ڈبے کے ڈھکن کو کھولنے کی کوشش کر رہی تھی،اور اُس کا دل تیز تیز دھڑک رہا تھا۔جیسے ہی اس نے ڈھکن کو ہٹایا،اُس نے بے اختیار اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی چیخ روکی۔

خوف کی شدت اتنی تھی کہ اس کا جسم کانپ رہا تھا۔اُس کی نظریں گھوم گئیں،دل میں ایک عجیب سا خوف اور بے یقینی کی لہر دوڑ گئی۔سامنے پڑے ڈبے کا منظر اس کی روح تک میں ٹوٹ پھوٹ کا احساس چھوڑ گیا تھا۔

وہ کانپتے ہوئے ڈبے کی چیزوں کو ٹٹولنے لگی جس میں ایک خون آلود رومال،ایک ٹوٹی اسکرین والا فون،ایک دانت اور ایک چین پڑی تھی،منسا ایک ہی نظر میں پہچان گئی تھی کہ وہ چین عمیر کی تھی مگر وہ ٹوٹی اسکرین والا فون۔۔۔۔

''یہ کھا لینا،کھانے سے کیسی ناراضی۔''

نورین کو جاتا دیکھ ماہین کا دل گھبرانے لگا اور ماہین نے اُسے پیچھے سے آواز دی اور نورین نے مڑ کر دیکھا

میں بندھے ہاتھوں سے نہیں کھا سکتی۔نورین نے ابرو اُٹھائی مگر ماہین نے بات جاری رکھی

" I already have lost everything but still i do trust you, I need you to trust me "

وہ منت کرنے والے انداز میں بولی اور نورین نے آگے بڑھ کر اُسکے ہاتھ کھولنا شروع کر دیے۔ ماہین کے ہاتھ کھولتے نورین کی نظر ماہین کے بائیں ہاتھ پر ٹھہر گئی جس میں وہ چاقو لیے نورین پر وار کرنے کو تیار تھی، نورین نے ایک ہی جھٹکے میں ماہین کے ہاتھ سے چاقو چھینا اور ماہین کے گلے پر رکھ دیا۔

لکڑی کے ڈبے میں پڑا فون منسا کا تھا، منسا کی آنکھوں کے سامنے سے وہ منظر گزرا جب وہ تیمور کے ساتھ قبرستان گئی تھی اور واپسی پر اُس کا فون کھو گیا تھا اور بہت ڈھونڈنے پر بھی نہیں ملا تھا وہ فون تیمور نے لے لیا تھا اور وہ اُس لمحے سے اب تک اُس کی نئی ڈیوائس ہیک کیے اُس کے ایک ایک قدم پر نظر رکھے تھا، منسا کی سرخ پڑتی آنکھوں میں بے یقینی کے ساتھ آنسوؤں کا سیلاب بھی تھا وہ اتنے وقت سے کسے دوست سمجھ رہی تھی، وہ کس پہ محبتیں لُٹا رہی تھی، اُس نے جس آدمی سے شادی کی تھی وہ قابلِ اعتماد نہیں تھا اُس انسان کا کوئی دین ایمان نہیں تھا بلکہ وہ تو انسان ہی نہیں تھا۔،

"Mummy ! I..... I'm preg....."

اس کی آواز میں اتنا درد تھا کہ فضا میں ایک گہرا سکوت چھا گیا تھا۔

ماہین اپنے زندگی کی بھیک اُس ظالم عورت سے مانگ رہی تھی جس کا من پسند مشغلہ ہی لوگوں کو تکلیف پہنچانا تھا اور ماہین نے تو پھر ویسے ہی نورین کی سب سے قیمتی چیز پہ ہاتھ ڈالا تھا، اُسے وہ زندہ کیسے چھوڑ دیتی۔

جوں ہی نورین نے چاقو ماہین کے گلے پر پھیرا نورین کو احساس ہوا کہ ماہین کا جملہ پورا نہیں ہوا تھا۔ نورین کو وہ جملہ پورا سننا بھی نہیں تھا اُس نے ایک آخری مرتبہ پوری قوت سے ماہین کے پیٹ پہ وار کیا اور ماہین کو وہیں چھوڑ کر وہ دروازے کی طرف چلنے لگی جیسے جیسے وہ قدم بڑھا رہی تھی ماہین کا خون اس کی ہیلز سے لگتا کمرے میں نورین کے نشانات چھوڑتا چلا جا رہا تھا۔

****

اشمل کمرے کے کونے میں بیٹھی تھی، اس کا چہرہ مغموم جبکہ آنکھوں میں بے شمار ادھورے خوابوں کی جھلک تھی۔ اس نے ہاتھوں میں چھوٹی سی کتاب تھامی ہوئی تھی، جس پر لکھ کر وہ دل ہلکا کر لیا کرتی تھی وہ آج بھی ان صفحات پر اپنا دل ہی ہلکا کرنے آئی تھی

یااللہ، پتا نہیں مجھے یہ بات لکھنی بھی چاہیے یاں نہیں پر مجھے نہیں لگتا میرا باپ معافی کے قابل ہے، اولاد کو بھول جانے والا آدمی آدمی ہی کہاں ہوتا ہے۔ ایسی شرمندگی کا کیا فائدہ جب آپ قدم قدم پر کسی کی دل عزاری کا باعث ہوں، ایسے پیسے کا عورت کیا، کرے گی جو اپنی تذلیل کروا کر ملتا ہو میں نے آپ کے بعد سب سے زیادہ محبت اپنی ماں سے کی ہے اور پھر افرا بیگم سے، میری دادی ایک بہت اچھی خاتون ہیں میرے ابو بھی بہت اچھے انسان ہیں پر وہ ایک اچھے باپ، ایک اچھے شوہر نہیں ہیں اور مجھے اپنے بچوں کے لیے اپنے والد صاحب جیسا باپ نہیں چاہیے کیونکہ گھر کے سربراہ ہونے میں اور پیسا دیکھ کر تماشا دیکھنے والے میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے بالکل ویسے جیسے آپ نے قرآن میں فرمایا تھا کہ علم والے اور لاعلم برابر نہیں ہو سکتے بالکل ویسے ہی تربیت پر توجہ دینے والے اور تربیت کی ذمہ داری کو صرف عورت پہ مسلط کر دینے والے برابر نہیں ہو سکتے۔ وہ بے آواز روتے ہوئے لکھ رہی تھی اور کاغذ پر سیاہی پھیل رہی تھی۔ اللہ کے سامنے وہ بے خودی میں اپنی ساری تکلیفیں اور کمزوریوں کا تذکرہ کر رہی تھی

حیدر کمرے میں ایک گوشے میں نظر موبائل اسکرین پر مرکوز کیے بیٹھا تھا، اور انگلیاں آہستہ آہستہ میسج ٹائپ کر رہی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں بے شمار جذبات تھے، لیکن سب سے بڑھ کر اُس ایک ادھورے رشتے کی بے بسی کا احساس تھا جو اُسے اندر ہی اندر کھا گیا تھا۔

میں آج وہ ساری باتیں کہنا چاہتا ہوں جو تم کبھی سمجھ نہیں پائی اور نہ میں کبھی سمجھا پایا، یہی کہ کیسا لگتا ہے جب کوئی لاتعداد طریقوں سے اپنی محبت کا اظہار کرے اور آپ اس پیار سے دستبردار ہو جاؤ، کیسا لگتا ہے جب بار بار کسی کو بتایا جائے کہ مجھے اس چیز سے ہرٹ ہوتا ہے اور بار بار وہی چیزیں اسکے سامنے دوہرائی جائیں، تم مجھے وقتاً فوقتاً کہہ دیتی تھیں کہ تمہیں مجھ سے پیار نہیں تو میں مزاق سمجھ لیتا تھا، ہم نے شادی کی تھی ایک دوسرے سے یار میں یہ بات کیسے ہضم کر لیتا کہ تمہیں مجھ سے پیار نہیں ہے؟ میں نے ہمیشہ تمہیں، تمہاری باتوں کو عزت دی، خود سے زیادہ تم پہ یقین کیا، ممی کی بات پہ بھی ہمیشہ تمہیں ترجیح دی میں نے کوشش کی کہ تمہیں اتنا پیار، اتنی عزت دوں کہ ماضی کی کسی تلخ یاد کی گنجائش نہ بچے، مجھے لگا شاید میری محبت کو دیکھ کر تمہیں بھی یہ احساس ہو گا کہ کوئی تم سے اتنی محبت کرتا ہے کہ وہ تمہارے لیے پوری دنیا کو فراموش کر دے گا جب جب مجھے تمہارے منہ سے سننے کو ملتا تھا کہ تم مجھ سے پیار نہیں کرتی تو میرا دل نا جانے کتنے ٹکروں میں ٹوٹ جاتا تھا اور اُس کا اثر پھر بہت دنوں تک میرے دل پہ رہتا تھا، ممی مجھ سے کہتی تھیں ہم غلط انسان کو جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ بدلے میں ہمیں بھی توڑ دیتا ہے تم نے بھی میرے ساتھ یہی کیا ہے۔ میں نے کبھی تم سے کوئی گلہ شکوہ نہیں کیا، میں تمہاری موجودگی سے ہی بہت خوش تھا پر جس

رات مجھے ممی نے وہ سب دکھایا اُس رات مجھے احساس ہوا کہ حیدر شاہ تمھاری زندگی میں کہیں بھی نہیں تھا اور اُس نے تمہیں اپنا سب کچھ بنا رکھا تھا، میں جھوٹ نہیں بولوں گا، ہاں مجھے اب بھی تم سے محبت ہے، بہت محبت ہے مگر اب مجھے خود سے تم سے محبت کرنے پہ نفرت ہے، میں آئندہ تمہیں کبھی تنگ نہیں کروں گا، آنٹی سے بات ہوئی تھی تو پتا چلا تھا کہ تم آٹھ دس ماہ کے لیے نیو یورک گئی ہو، جب پاکستان آؤ مجھ سے رابطہ کر لینا میں طلاق کے پیپرز بھیجنا دوں گا، خدا حافظ، فی امان اللہ۔

آنسو مسلسل بہہ رہے تھے، الفاظ ٹوٹے ٹوٹے تھے، ہاتھ لرزتے ہوئے موبائل کی اسکرین کو چھو رہے تھے، اور آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو اس کے گالوں پر ایک غمگیں دائرہ بنا رہے تھے۔

ٹھیک کہا تھا کسی شاعر نے

"کیا غلط فہمی میں رہ جانے کا صدمہ کچھ نہیں؟"

وہ سمجھ رہا تھا کہ اس کی بیوی اُس کو معاذ کے لیے چھوڑ گئی تھی۔

****

اور آج حسیب اور حیدر بڑی خوشی اور اضطراب کے ساتھ حبا اور اشمل کو ائیر پورٹ چھوڑنے کے لیے جا رہے تھے۔ دونوں کی فلائٹ سعودیہ کی تھی، زندگی کا ایک نیا باب شروع ہونے جا رہا تھا۔ حسیب اور حیدر کے چہرے پر فخر اور خوشی کے آثار تھے، مگر ساتھ ہی دل میں فکر مندی کا جذبہ بھی تھا۔ حسیب نے گزشتہ مہینوں میں حبا کی ساتھ ساتھ اشمل کو بھی بے پناہ محبت دی تھی، وہ شفقت اور تحفظ جو اشمل کا اپنا باپ نہیں دے پایا تھا۔

حبا اور اشمل چند دن پہلے ہی ای میل موصول ہوئی تھی، جس میں بتایا گیا تھا کہ اُن دونوں کو **ایفات یونیورسٹی** کے لیے منتخب کر لیا گیا ہے۔اب وہ سعودی عرب جا کر اپنی تعلیم کے سفر کا آغاز کرنے والی تھیں، جس سے اُن کی زندگی میں کئی نئے دروازے کھلنے والے تھے۔

ائیر پورٹ کی فضا میں ایک ہلکا سا شور تھا، جہازوں کی آواز، لوگوں کی باتوں کی گونج اور ہر کچھ دیر بعد ہوتا اعلان افراتفری کے ماحول کی عکاسی کر رہا تھا۔ حسیب اور حیدر اُن دونوں کے ساتھ تھوڑی دیر بیٹھتے، وقت گزارتے، باتیں کرتے وقت کے گزر جانے کا احساس ہی نہیں ہوا۔

حبا اور اشمل کے چہرے پر تھوڑی سی پریشانی تھی، لیکن حسیب نے بہت شفقت سے باری باری دونوں کے سر پر ہاتھ اور ان کو دعائیں دی۔

وہ دونوں جب آگے بڑھ گئیں تو حسیب اور حیدر ان دونوں کو نم آنکھوں سے جاتا دیکھ رہے تھے۔

میں نے یہ بات بہت دیر سے سیکھی بیٹا پر تم وقت سے پہلے جان لینا کہ اپنے گھر کی عورتوں کا بازو خود بننا پڑتا ہے، ان کے کندھے کا بوجھ بانٹنا پڑتا ہے، اُن کی بیساکھی بننا پڑتا ہے ان کی نادانیوں کو معاف کر کے، بھلا کے ان کے ساتھ کھڑے ہونا پڑتا ہے تاکہ وہ کل ''کو زندگی میں کچھ اچیو کر سکیں۔

''ایسا ہی ہے بابا''

ماہین سے بات کر کے تم بھی اب اپنے معملات حل کر لو بیٹا۔ حیدر زخمی سا مسکرایا اب وہ ان کو کیا بتاتا کہ ماہین نے اب تک اس کے کسی میسج اور کال کا جواب نہیں دیا تھا اور حیدر شاہ کو کون بتاتا کہ ماہین جواب دینے کے لیے اب اِس دنیائے فانی میں موجود نہیں تھی

****

رات کا وقت تھا اور تیمور خوشی سے روشن چہرہ لیے گھر واپس آیا تھا۔ دروازہ کھولتے ہی اُس نے سامنے بیٹھی منسا کو دیکھا۔ مگر جیسے ہی اُس کی نظر منسا کے چہرے پر پڑی، اُس کی خوشی میں کچھ کمی آگئی۔ منسا کی سرخ آنکھیں اور اُس کی تنقیدی نظر اُس کے دل میں ایک ہلکا سا کھٹکا پیدا کر گئیں۔

تیمور بے اختیار ایک قدم آگے بڑھا، مگر اُس کی نظر منسا کے ہاتھ میں موجود لکڑی کے ڈبے پر پڑی۔ تیمور کا دل دھک سے رہ گیا اور اُس نے ایک گہرا سانس لیا۔

یہ تمہیں کیسے ملا منسا؟ ،اُس کی آواز میں پریشانی اور حیرانی تھی۔ وہ کبھی بھی نہیں چاہتا تھا کہ منسا کو اس بارے میں پتا چلے۔

منسا نے اُسے گہری نظر سے دیکھتے ہوئے سرد لہجے میں جواب دیا

"تم نے ایسا کیوں کیا تیمور؟"

یہ سوال تیمور کے دل میں ایک دھچکہ کی طرح لگا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے عمل نے منسا کو تکلیف دی ہے، مگر وہ چاہ کر بھی جواب دینے کے لیے کوئی الفاظ نہیں ڈھونڈ سکا۔ اس کے اندر کا تناؤ اس کے چہرے پر صاف دکھائی دے رہا تھا۔

میں کافی بنا کر لاتا ہوں، پھر بات کرتے ہیں۔ وہ نرمی سے کہتا چکن کی جانب بڑھ گیا منسا کا جسم کانپ رہا تھا وہ انسان نا جانے کس حد تک نقصان دہ ثابت ہو سکتا تھا، منسا کو اپنے رُک کر تیمور کا انتظار کرنے پہ یک دم بے حد افسوس اور پچھتاوا ہوا تھا۔

ٹھیک پانچ منٹ بعد جب وہ لوٹا تو اُس کے ہاتھ میں دو کافی کے مگ تھے۔ ایک مگ اُس نے منسا کی طرف بڑھایا جسے منسا تھامنے میں جھجھک محسوس کر رہی تھی۔

منسا آئی پرامس زہر نہیں ہے، کم آن۔ اس کے وعدے نے منسا کو تسلی دی تھی اور اُس نے خاموشی سے مگ تھام لیا۔

تیمور۔۔۔۔ منسا نے گھبراتے ہوئے کہنا شروع کیا

کافی پی لیں پھر آئی سوئیر میں سب بتاؤں گا۔ تیمور نے فوراً منسا کی بات کاٹ کر کہا۔ منسا نے مایوسی سے سر ہلایا اور کافی پینے لگی۔

کافی پینے اُس کا سر چکرانے لگا۔ وہ آنکھیں کھلی رکھنے کی کوشش کر رہی تھی مگر بہت جدوجہد کے باوجود اُس کی آنکھیں جواب دے گئی تھیں۔

آدھی رات کو اس کی آنکھ کھلی تو اُسے اپنا سر بھاری محسوس ہو رہا تھا اور آنکھوں کا منظر اب بھی دھندلا تھا مگر ایک ہو نظر میں اُسے سامنے بیٹھا تیمور دکھائی دے گیا تھا وہ سامنے ہاتھ باندھے بیٹا تھا اور۔۔۔ اور اُسی لمحے منسا کو معلوم ہوا کہ ہاتھ تو منسا کے بھی بندھے تھے۔

یااللہ! اُسے تیمور سے شدید خوف محسوس ہوا تھا

کھولو مجھے تیمور، میرے ہاتھوں میں درد ہو رہا ہے۔ وہ درد سے کراہ رہی تھی

میں بھی تمہیں تکلیف نہیں دینا چاہتا منسا، پر پلیز ایک دفعہ میری پوری بات سن لو پھر میں یہ رسیاں کھول دوں گا۔ وہ اضطراب کی سی کیفیت میں کہہ رہا تھا اور منسا کو اُس کے چہرے سے پناہ کوفت ہوئی تھی، بے پناہ خوف محسوس ہوا تھا۔ یوں لگ رہا تھا سامنے کھڑا شخص کوئی انجان تھا، وہ اس تیمور نامی انسان کو تو نہیں جانتی تھی یہ شخص تو اس کے بچپن کا دوست نہیں تھا اُسے تو نہیں پہچان تھی اِس بھیڑیے کی۔

میں، میں تم سے محبت کرتا ہوں، ہمیشہ سے کرتا تھا پر تمہیں میری محبت کبھی نظر نہیں آئی منسا، میرا دم گُھٹتا تھا جب تم میرے سامنے نوفل کی تعریفیں کرتی تھی، جب تم اس بات کا اقرار کرتی تھیں کہ تمہیں اُسکی آواز سکون دیتی ہے، منسا میں۔۔۔ میں دور دور تک کہیں بھی نہیں تھا تمہاری زندگی میں، مجھے یہ بات تکلیف دیتی تھی یار! بہت بُرا لگتا تھا۔ منسا بس سانس روکے اُسے اِدھر سے اُدھر ٹہلتے، بات کرتے دیکھتی رہی

پہلے مجھے لگا تمہیں میری اچھائی کبھی نہ کبھی متاثر کرے گی پر جب مجھے اندازہ ہوا کہ یہ طریقہ کار آمد نہیں ہے، یہ بس میری ایک خوش فہمی ہے تو۔۔۔ تو میں نے کھیلنا شروع کر دیا۔۔۔ اُس کے لفظ منسا کے چہرے پر تیزاب کا کام کر رہے تھے

ہم قبرستان گئے میں نے تمہارا فون اپنے پاس رکھ لیا، مجھے پتا تھا کہ تمہیں اپنے ڈیٹا کی بہت فکر ہو گی، تم ایک ہی ای میل پر منحصر حاصل کی اور۔۔۔ اور پھر تمہارے ہر access کرنے والوں میں سے تھی، میں نے اُس کے ذریعے تمہارے نئے فون تک قدم پر میں نے نظر رکھی، سب ویسا ہوتا رہا جیسا میں پلان کرتا تھا بس۔۔۔ بس ایک چیز غلط ہو گئی، میں نوفل کو اپنے ہاتھوں سے مارنا

چاہتا تھا پر اُس حرامی کو اُس کے حصے کی سزا قسمت نے دے سی اِس لیے میں نے اُسے مجبوراً جانے دیا، منسا۔۔۔ وہ اس کی طرف آنکھوں میں امید لیے بولا

منسا اگر تم ٹھنڈے دماغ سے سوچو تو دیکھو، تمہیں آئیڈیا ہو گا کہ میں نے یہ سب۔۔۔ یہ سب میں نے تمھارے لیے کیا منسا ہمارے لیے کیا میں نے یہ سب۔ ہم۔۔۔ ہم کتنے خوش ہیں ایک دوسرے کے ساتھ، یہ سب میں نے اپنی محبت کے لیے کیا منسا آئی سوئیر، میں بُرا نہیں ہوں۔ وہ اب اُس کے بندھے ہاتھوں پر انگلیاں پھیرتے روتے روتے بڑبڑا تھا اور اُس کے لمس سے منسا کو شدید تکلیف ہو رہی تھی۔

منسا پلیز، تم سوچنے کا ٹائم لے لو آئی ڈونٹ مائینڈ، پر ہمارے رشتے کو خراب مت کرو۔ وہ اب منت بھرے انداز میں کہہ رہا تھا جوں ہی وہ جانے کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا تو منسا روہانسی آواز میں بولی

''میں نے فیصلہ کر لیا ہے منسا۔''

وہ واپس منسا کی کرسی کی طرف بے چینی سے جھکا ''کیا؟''

یہی کہ تم نہایت گھٹیا آدمی ہو اور مجھے تمھاری بیوی ہونے پہ شرم محسوس ہو رہی ہے، تم انسان نہیں جانور ہو تم، جانور۔ تم نے سوچ بھی کیسے لیا کہ تم اپنے اس پاگل پن کو جسٹیفائے کر سکتے ہو؟؟؟ ہاں میں نے تم سے بہت سی باتیں چھپائیں، نوفل سے محبت کی۔۔۔ مگر تیمور۔۔۔ میں نے تمہیں سٹاک نہیں کیا، میں نے لوگوں کا قتل نہیں کیا، میں نے۔۔۔ ''منسا آنکھوں میں انگارے لیے اُسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بولی

تمہیں باندھ کے قید نہیں کیا۔ وہ اپنے بندھے ہاتھوں کو دیکھتے بولی

تم ایک دماغی مریض ہو جسے ہیلپ کی ضرورت ہے، تمہیں کیا لگا تھا یہ کوئی فلم ہے کہ جس کی ہیروئن یہ سب سن کر تم سے امپریسڈ ہو جائے گی کہ اوہ تمہیں مجھ سے کتنی محبت ہے، تم میری خاطر لوگوں کو مارتے رہے ہو۔ میں کبھی بھی تم جیسے انسان سے پیار نہیں کر سکتی، وہ آنکھوں میں نفرت لیے کہہ رہی تھی۔

اور بس۔۔۔ وہ ایک لمحہ تھا تیمور کی ساری محنت رائیگاں چلی گئی تھی، منسا کو اُس سے نفرت ہو گئی تھی اور یہی وہ آخری شے تھی دنیا میں جس سے تیمور کو فرق پڑتا تھا۔ جوں ہی منسا کے منہ سے اپنے لیے اظہارِ نفرت سن کر اُس کا دل کا دل ٹوٹ گیا تھا، اُس نے

فوراً جیب سے بلیڈ نکالا اور منسا کی کلائی پر پھیر دیا۔ منسا کراہ کر رہ گئی اور چند منٹ میں اس کی سانسیں بند ہو گئیں۔ وہ کچھ دیر منسا اور دیوانہ وار آنکھوں میں نمی لیے دیکھتا رہا مگر پھر وہ کچھ ڈھونڈنے کی نیت سے کچن میں گیا اور جب وہ واپس لوٹا تو اُس کے ہاتھ میں ایک کلیور موجود تھا وہ آرام سے منسا کے قریب آ بیٹھا اور اس کے جسم کو کلیور کی مدد سے کاٹنے لگا۔

تم زندہ بھی رہتی تو مجھ سے نفرت ہی کرتی منسا، اس لیے یہی بہتر تھا، کم از کم اب مجھے یہ تو تسلی ہے نا کہ اگر تم میری نہیں ہو تو کسی اور مرد کے دسترس میں بھی نہیں ہو۔ وہ تاسف سے کہتا منسا کے اعضاء کاٹ رہا تھا۔ جب وہ گوشت کاٹنے کی محنت سے فارغ ہوا تو اپنے کچن میں وہ گوشت اُٹھائے وہ اُسے قیمہ کرنے والی مشین میں ڈالنے لگا، جوں جوں وہ باڈی پارٹ مشین میں ڈالتا کچھ ہی لمحے بعد مشین کی مدد سے قیمہ تیار ہو کے باہر نکل آتا۔

" I loved you "

وہ سامنے پڑے قیمے کو دیکھ کے افسوس سے بولا۔

تیمور اور نورین دونوں جانتے تھے کہ جن غلطیوں کا ارتکاب انہوں نے کیا تھا، ان کا حساب ایک دن ضرور ہونا تھا۔ مگر عجب بات تھی کہ ابھی تک انہیں اس کا کوئی نتیجہ نہیں بھگتنا پڑا تھا۔ شاید تقدیر نے ان کے اعمال کو نظر انداز کر دیا تھا یا پھر یہ صرف وقتی سکون تھا، جو انہیں حقیقت سے دور کر رہا تھا۔ وقت کا پہیہ ہمیشہ ایک ہی طرز سے نہیں چلتا، یاں شاید نورین اور تیمور اُن لوگوں میں سے تھے جن کی رسی دراز کر دی گئی تھی۔

****

معاذ کی آنکھوں میں غصے کی ایک گہری لہر دوڑ رہی تھی۔ وہ کمرے میں بے چینی سے اِدھر اُدھر چکر کاٹ رہا تھا۔ اس کی تیز سانسیں اور تیز قدم کمرے کی خاموشی کو توڑ رہی تھیں۔ ہر چند لمحے بعد وہ اپنی فون اسکرین پر نظر ڈالتا، مگر ماہین کا کوئی اتا پتا نہیں آیا تھا۔

کمرے کے کونے میں لگی گھڑی کی ٹک ٹک کی آواز نے اس کی بے چینی میں اضافہ کیا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو کر کھڑکی کے قریب جا پہنچا اور باہر کی دنیا کو نظریں گاڑھ کر دیکھنے لگا، مگر کچھ بھی اسے سکون دینے والا نہیں تھا۔

ماہین کا وعدہ تھا کہ وہ دو دن بعد رقم ٹرانسفر کرے گی، مگر اس بات کو بھی تین مہینے گزر چکے تھے، آج تک نہ وہ رقم آئی تھی اور نہ ہی ماہین کا کوئی پیغام۔ معاذ کو پہلے کبھی ماہین کو یاد دلانے کی ضرورت نہیں پڑی تھی مگر اس دفعہ تو حد ہی ہو گئی تھی اور یہ بات معاذ کو سخت غصہ دلا رہی تھی۔ معاذ نے ایک آخری بار فون کی اسکرین کو دھیان سے دیکھا، مگر پھر کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا اس بار بھی کوئی جواب نہیں آیا تھا۔

تُم ایک دفعہ بس مل جاؤ مجھے، دماغ ٹھکانے لگا دوں گا تمہارا۔ وہ آنکھوں میں انگارے لیے تیش سے کہہ رہا تھا۔

اسے لگ رہا تھا جیسے ماہین اس کے ساتھ کوئی کھیل کھیلنے کی کوشش کر رہی تھی مگر کھیل تو معاذ کے ساتھ قسمت نے کھیلا تھا، اُس کی فِکسڈ فنڈنگ کو غرق کر کے۔ معاذ کا سرمایہ اس دنیا سے ہمیشہ کے لیے جا چُکا تھا اور وہ بیچارا اِس بات سے بے خبر ماہین کو دوبارہ سے نئے طریقے سے دھمکانے کے منصوبے بنانے لگا تھا۔

اعتبار کا آئینہ
از علیہا زاہد

****

منسا کی موت کو پانچ مہینے گزر گئے تھے اور ان پانچ مہینوں نے تیمور کو پانچ سالوں کی طرح بوڑھا کر دیا تھا پاکستان واپس آنے کے بعد وہ بہت سے کام ماہنور کو فون پہ ہدایات دے کر ہی کروالیا کرتا تھا مگر اس ڈیل کو فائنل کرنے کے لیے اس کا بورڈ کے سامنے خود جا کر بیٹھنا ضروری تھا وہ آفس جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا کہ الماری میں پڑی اس کی نظر کالے جھمکے پہ جا ٹھہری اُس نے اپنی انگلیوں کے پوروں سے جھمکے کو چُھوا اور ایک گیلی سانس اندر کھینچی۔ پتا نہیں کون کہتا ہے یادیں وقت کے ساتھ دھندلی پڑ جاتی ہیں منسا کی یادیں تیمور کے دل اور زندگی میں پہلے سے زیادہ گہرے انداز میں نقش ہو گئی تھیں۔

بورڈ سے میٹینگ کے بعد وہ آ کر گاڑی میں بیٹھنے لگا تو ایک گارڈ اس کے پاس آ کر کہنے لگا

سر، مسٹر حماد ریاض کا کہنا ہے کہ آپ آج شام والی میٹینگ میں بھی آئیں تاکہ کچھ پوائنٹس مزید واضع ہو سکیں، میں آپ کو لوکیشن سینڈ کر دیتا ہوں۔

اوکے، تیمور نے بے حد پروفیشنل انداز میں جواب دیا تھا اور پھر وہ گاڑی میں جا بیٹھا۔

شام کے چھ بج رہے تھے مگر ابھی تک حمدان صاحب تشریف میں لائے تھے جبکہ انویٹیشن کے مطابق میٹینگ کا وقت ساڑھے پانچ بجے کا تھا۔ تیمور سر جھکائے اپنی گھڑی پر بیزاری سے وقت دیکھ رہا تھا کہ اچانک کمرے میں آتے قدموں کی آواز سنائی دی تیمور نے حمادریاض کے چمکتے بوٹوں سے نظر اُٹھا کر انکے چہرے پر نظریں مرکوز کیں اور سنجیدگی سے بولا

" I thought you're professional "

" I am "

بے حد ادا سے جواب دیا گیا تھا

مجھے ایسا نہیں لگا، اس لیے میری طرف سے اس ڈیل کو آپ کلوز ہی سمجھیں۔ وہ کہتا دروازے کی طرف بڑھ گیا کہ اچانک گولی کی آواز آئی خون کا ایک قطرہ فرش پر جا گرا تھا اُس نے بے یقینی اے مڑ کر حماد کو دیکھا جو اپنے چہرے پہ معنی خیز مسکراہٹ سجائے کھڑا تھا اور پھر تیمور نے اپنے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی ہو دیکھا جس میں گولی کا سوراخ بنا تھا اور خون اب بھی بہہ رہا تھا۔ اس سے پہلے کے وہ آگے بڑھتا اُس کی بائیں ٹانگ میں ایک گولی جا لگی اور وہ درد سے کراہنے لگا اُس نے زخم پہ ہاتھ رکھ کہ درد کو روکنے کی ناکام کوشش کی مگر ٹھیک تین سیکنڈ بعد حماد نے تیمور کی دائیں ٹانگ میں بھی ایک گولی ماری اور وہ لڑھک کر فرش پہ جا گرا، درد سے بے بسی سے تیمور کی آنکھوں کے کونے بھیگ گئے تھے کوئی بھی ہوتا تو اُسے تیمور پر ترس آجاتا مگر حماد اور کسی دوسرے میں یہی فرق تھا، اُس ، تیمور پہ ترس نہیں آنے والا تھا وہ اُس کی جانب بڑھا اور تیمور کو کارکردگی سے گھسیٹتے خود سے آنکھیں ملانے کی کوشش کرنے لگا تیمور کے وجود میں اتنی جان نہیں تھی اس لیے حماد نے اُس کو وہیں پھینک دو بار پستول تان لی تیمور کو ایک ہی جھوٹے میں سب یاد آنے لگا تھا

''سستے دیو داس نہ بنا کرو تم۔''

''مجھے نوفل سے محبت ہے۔''

''ہم بس دوست ہیں تیمور۔''

''مجھے تیمور ولید سے یہ نکاح قبول ہے۔''

" I loved you "

''میرا شوہر بہت اچھا انسان ہے۔''

''پیار کا پتا نہیں اعتبار تم سے زیادہ کسی پہ بھی نہیں ہے مجھے۔''

'' You're my strength taimoor ''

''نفرت ہے مجھے تم سے اور نفرت ہے مجھے اپنے آپ سے کہ تم میرے دوست رہ چکے ہو۔''

''گھٹیا ہو تم ایک نمبر کے گھٹیا آدمی۔''

''تم میرا سب سے قیمتی اثاثہ ہو۔''

تیمور کے قریب بہت سی باتیں ایک ہی آواز میں ایک ہی وے میں گونج رہی تھیں اور آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔ کہتے ہیں انسان جب مرتا ہے تو اُس کو اپنی زندگی کے تمام ضروری واقعات سات منٹ کے اندر اندر نظر آتے ہیں تیمور کو آج بھی، ان سات منٹوں میں بھی صرف منسا یاد آئی تھی۔

اب کی بار نشانہ اُس کے دل پر لگا تھا اور ایک ہی جھماکے سے تیمور کی سانس بند ہو گئی تھی، جسم بے جان ہو گیا تھا مگر حماد کا دل نہیں بھرا تھا وہ اب بھی تیمور کو گالیاں دے رہا تھا اور اُس کے ٹھنڈے پڑتے وجود کو ٹھوکر مار رہا تھا اور ایک آخری گولی اُس نے تیمور کے دماغ کر درمیان دے ماری اور چلا کر کہنا شروع کیا

''عمیر تمہارے ماموں نے تمہارا بدلا لے لیا بیٹا۔''

****

ڈیڑھ سال بعد

حیدر حسیب آج خالی ہاتھ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہ رہے تھے جنہیں وہ اپنی اُنگلیوں سے مسلسل پونچھنے کی کوشش کر رہا تھا، لیکن ہر بار ایک اور بوند اس کی آنکھوں سے ٹوٹ کر نکل آتی۔ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس فضا میں، جہاں خوشبوئیں جنت کی جھلک محسوس ہوتی تھی، حیدر کا دل بے قرار تھا۔

اس کا چہرہ مغموم تھا اور جسم کی تھکاوٹ اس کی حالت کو مزید دکھا رہی تھی۔

حیدر کی نظریں بار بار روضہ اقدس پر مرکوز ہو رہی تھیں اس کا دل بے قرار تھا

گیلی پڑتی آنکھوں کے دھندلے منظر کو نظر انداز کرتے اُس نے بولنا شروع کیا" آپ کو یاد ہے میں پچھلے بار آیا تھا تو۔۔۔ زبان ، جیسے اُس کا ساتھ دینے کو تیار نہیں تھی اُس نے پھر سے ہمت کر کے بولنا شروع کیا، **تو میرے پاس سب کچھ تھا، محبت، دولت عزت، سکون، صحت۔۔ سب کچھ تھا۔۔ پر اب۔۔۔۔ اب کچھ بھی نہیں ہے آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) میں کیسے دعائیں کیا کرتا تھا ناں کہ مجھے آپ کے پاس تب آنا نصیب ہو جب میں خالی ہاتھ رہ جاؤں۔۔۔ دیکھیں آج میری یہ دعا قبول ہو گئی ہے تو اِس کے قبول ہونے پر بھی میرا دل پھٹ رہا ہے۔** آنکھوں کے کٹوروں سے ٹوٹتے ہوئے آنسو زمین پر گر رہے تھے مگر حیدر شاہ کے آنسوؤں کی پرواہ کسے تھی۔

"کیا میں ناشکرا ہوں؟ کیا میری محبت میں کمی تھی؟ یا ں شاید میں نے ایک انسان کو اس حد تک چاہ کر غلطی کر دی، ہے ناں؟" اللہ تعالٰی سے روزِ محشر میری سفارش کر دیجیے گا، میں شرمندہ ہوں، میں بہت شرمندہ ہوں کہ میں نے۔۔۔ میں نے ایک انسان کے لیے اتنے آنسو بہائے، اُس کی محبت میں خود پر ظلم کیا۔ وہ زار و قطار رو رہا تھا۔

اللہ تعالٰی ظالموں کو پسند نہیں کرتا نا؟، وہ نم آنکھوں سے سوال کر رہا تھا۔

اگر اللہ بھی حیدر حسیب کو پسند نہیں کرے گا تو۔۔۔ وہ شرمندگی کے مارے اپنے بات تک مکمل نہیں کر پایا تھا۔

مجھے تنہا نہ کریئے گا، مجھے روزِ محشر آپ کے ساتھ بیٹھنے کی خواہش ہے شروع سے، میں ایک بہتر انسان بن جاؤں گا بس مجھ سے منہ مت موڑیے گا۔۔۔ حیدر شاہ کے پاس اللہ اور اُس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سوا کوئی پناہ نہیں۔۔ نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔

****

نورین کو پاکستان واپس آئے دو ہفتے ہو گئے تھے اور بلآخر وہ آفس آ ہی گئی تھی۔ سامنے کھڑی عنایہ رفیق، جسے حال ہی میں اُس نے بطورِ اسسٹنٹ ہائر کیا تھا۔ اب سامنے کھڑی اُسے اس کے آج کے دن کی تفصیلات بتا رہی تھی۔

نورین ہوں ہاں کرتی اُس کی باتیں سن رہی تھی کہ وہ اچانک بولی

آج آپ کی سپا اپوئنٹمنٹ بھی لے رکھی ہے میں نے، چار بجے آپ کو گاڑی گھر سے پِک کر لے گی۔اس کی بات مکمل ہوئی تو نورین نے اُسے جانے کا اشارہ کیا۔

وہ باہر چلی گئی تو اُس نے آفس میں فہیم کو بلوایا

یہ لڑکی کون ہے؟، بنا تمہید کے سوال پوچھا۔

آپ کی اسسٹنٹ ہے عافیہ نے جاب دی تھی اِسے۔وہ گھبرا کر بولا

" I like her confidence."

وہ اب باہر دروازے کی طرف دیکھتی کہہ رہی تھی جہاں سے عنایہ نکل کر گئی تھی۔

شام کو ٹھیک چار بجے ڈرائیور اُسے پِک کرنے آ گیا تھا۔

گاڑی میں بیٹھتے ہی نورین کو نیند آنے لگی تھی۔اس نے سیٹ کی پشت پہ سر ٹکا دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ سو گئی۔

آنکھ کھلی تو بہت اندھیرا تھا۔یوں جیسے وہ گاڑی سے سیدھا قبر میں آ گری تھی۔

میں کہاں ہوں۔۔کوئی ہے۔وہ بندھے ہاتھوں سے کرسی پہ زور ڈالے چلا رہی تھی۔

دو تین منٹ بعد ایک بلب چمکا جس نے نکلنے والی روشنی نے نورین کو تقریباً اندھا کر دیا تھا۔

سامنے عنایہ کھڑی تھی۔

کھولو۔۔۔۔مجھے۔وہ غرائی

ایسے کیسے کھول دوں مِس نورین شاہ؟، وہ اب اس کو تڑپتا دیکھ مسکرا رہی تھی۔

عنایہ نے نورین کے سامنے ایک تصویر لہرائے جسے نورین ایک سیکنڈ میں پہچان گئی تھی۔وہ ان کی چوتھی کامیاب کانفرنس کی تصویر تھی جس میں نورین کے بائیں طرف رحمان کھڑا تھا۔نورین کا سر گھومنے لگا تھا۔خوف کا احساس بڑھ گیا تھا۔

مجھے چھوڑ دو۔۔عنایہ وہ ایک غلط فہمی۔۔۔۔وہ اپنی زندگی کی بھیک مانگ رہی تھی۔

میرب۔سامنے کھڑی لڑکی نے تصیح کی

فہیم انکل نے بتایا تھا بابا کی موت کا۔۔کہ آپ نے کیسے مارا انہیں پہلے میں نے سوچا میں بھی آپ کو گولی مار کر آپ کا کام ختم کر دوں۔۔وہ کمرے میں چکر کاٹتی بول رہی تھی

لیکن یہ بہت آسان موت ہوتی۔۔۔

"I have a better plan"

وہ آنکھ دباتے بولی

پرویز کاکا آجائیں۔وہ اب چلا کے کسی کو آواز دے رہی تھی۔نورین بے اختیار ہاتھ پاؤں ہلا رہی تھی،رو رہی تھی مگر اُس کی آواز جیسے کسی کے کانوں تک نہیں پہنچ رہی تھی۔

پرویز اندر ایک ڈبہ لایا تو میرب باہر کی طرف بڑھ گئی۔

ڈبے کا ڈھکن ہٹا تو اس میں سے نکلتے سانپ فرش پر سیکنڈز میں رینگنے لگے۔وہ اب رینگتے رینگتے نورین کی طرف بڑھ رہے تھے۔

پرویز بہت سکون سے دروازہ بند کیے باہر نکل گیا تھا۔نورین چیخ رہی تھی،چلا رہی تھی مگر کسی کو کوئی پرواہ نہیں تھی۔

مکافات کا مطلب اُسے آج سمجھ آیا تھا۔اپنی بنائی دوا کو اس نے خود آج چکھا تھا۔

اُسے یاد تھا اشمل نے ایک بار کہا تھا کہ تائی اللہ آپ کو وہاں مارے جہاں آپ کو پانی بھی نصیب نہ ہو۔وہ لوگ سخت خوش فہمی کا شکار ہوتے ہیں جن کو لگتا ہے کہ مکافات کی کوئی سچائی نہیں۔آپ مسکین کا حق مارو،کسی کی تذلیل کرو،کسی کو تکلیف دو تب بھی آپ خوش ہی رہو گے۔نورین حسیب کی خوش فہمی بھی آج کائنات کے مالک نے دور کر دی تھی۔درازرسی اچانک سے کٹ گئی تھی۔

****

ختم شد

اعتبار کا آئینہ "میری نظر میں"

بنیادی طور پر یہ ناول ایک ایسی لڑکی کے گرد گھومتا ہے جس کا باپ اُس سے منہ پھیر لیتا ہے۔ وہ جس شخص کو اپنا سہارا مانتی ہے وہ ضرورت پڑنے پر ساتھ کھڑا ہونے کی بجائے نظریں پھیر لیتا ہے۔ مگر وہ اِس بات کو اپنی ناکامی کا ایکسکیوز نہیں بناتی۔ بعض لوگوں کو عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنے غم سے اس لیے بھی نہیں نکلنا چاہتے کہ وہ وہ ڈیپریشن، اُس فیز کا بہت دیر تک حصہ رہے ہوتے ہیں اس لیے جب وہ اُس دہلیز سے باہر پاؤں رکھنے کا سوچتے ہیں تو وہ خوف کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اشمل زبیر ایک ایسی لڑکی ہے جسے پتا ہے کہ مسئلے سب کی زندگی کا حصہ ہیں مگر وہ خود پہ لوگوں کو ترس کھانے کا موقع نہیں دیتی۔ وہ اپنے ارد گرد کے لوگوں کی پرواہ کرتی ہے مگر وہ کسی کی زیادتی پر اُسے معاف نہیں کرتی اور اگر وہ معاف کر بھی دے تو وہ بھولتی نہیں ہے۔ وہ یاد رکھتی ہے ہر اُس شخص کو جس کے ساتھ اُس نے اچھا وقت گزارا اور اُس کو بھی جس نے اُس کے ساتھ ناانصافی کی۔

تیمور ولید اس کہانی کا سب سے متنازع کردار رہنے والا ہے۔ جب میں نے یہ کہانی لکھنا شروع کی تھی تو یہ رول میں نے نوفل کا لکھا تھا مگر جب وہ حد سے زیادہ اچھا دکھائی دینے لگا تو۔۔۔ تو میں نے اپنی سوچ کا راستہ بدل کر یوٹرن لے لیا اور دوسری قسط سے پہلے ہی آخری قسط سوچ لی کہ میں کس کردار کو کیسے اختتام تک لے کر چلوں گی۔

اعتبار کا آئینہ کا مقصد یہ نہیں تھا کہ لوگوں کو جب اُن کی محبتیں نہیں ملتی تو وہ وحشی ہو جاتے ہیں بلکہ اس کا مقصد یہ سمجھانا تھا کہ اپنی اولاد کو تحفظ دینا، اس کی مینٹل ہیلتھ پہ توجہ دینا والدین کی اوّل ترجیح ہونی چاہیے۔ ماں باپ جب اولاد کا خیال نہیں کرتے تو وہ کسی غیر کے خیال کرنے پر اُسے اپنا سگا مان کر اُس پر سب لُٹانے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ اور پھر وہ انسان جسے آپ کی اولاد نے بہت اپنا مانا ہوتا ہے وہ آپ کے بچے کے اعتبار کے آئینے کو توڑ جاتا ہے اور آپ کی اولاد کو ساری زندگی کے لیے مسخ کر جاتا ہے۔ کسی کی جان لینے کو آپ جسٹی فائی نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے جان، عزت اور رزق اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے اس کا ذمہ کسی کو نہیں دیا تو جب آپ لوگوں سے ان میں سے کوئی چیز چھیننے کی کوشش کرتے ہیں تو آخر میں آپ بھی خالی ہاتھ رہ جاتے ہیں۔ تنہا، رسوا اور مسخ۔

اس کہانی سے آپ سیکھیں گے کہ ہر شخص آپ کا اعتبار توڑ جاتا ہے خواہ وہ کتنا ہی قریبی کیوں نہ ہو اور اگر آپ کہیں کہ نہیں آپ کا قریبی اوروں سے مختلف ہے تو میں اُس بات سے ہر گز اتفاق نہیں کروں گی۔ کیونکہ ہر انسان کسی نہ کسی پوائنٹ پر آپ کا اعتبار لازمی توڑتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہو سکتا ہے کہ اگر آپ نے خود کو اُس کی محبت میں اتنا اندھا کر رکھا ہے تو پھر وہ اعتبار توڑے یا ں دل آپ اُسے ہمیشہ الگ ہی سمجھیں گے ۔

علیہا زاہد

اعتبار کا آئینہ
از علیہا زاہد